حیاتِ فریدی

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہی ؒ کی مکمل و مستند سوانح حیات

تصنیف

حضرت مولانا محب الحق ؒ

حیاتِ فریدی

مختصر تعارف مصنف کتاب

اسم گرامی : مولانا محب الحق صاحب ؒ

ولدیت : جناب محمد حنیف شیخ صدیقی

تاریخ ولادت : تقریباً ۱۹۵۱ء

جائے پیدائش : موضع ''پروہی'' وایا بسفی، ضلع مدھوبنی، بہار

ابتدائی تعلیم : مدرسہ کاشف العلوم ''پرسونی'' (PARSAUNI)

جامعہ احمدیہ، کاشی باڑی، ضلع اتر دیناجپور، بنگال

فضیلت : جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ (۱۹۷۳ء)

اساتذہ : قاری سید محمد عثمان صاحب (استاذ حدیث دارالعلوم

دیوبند و صدر جمعیۃ العلماء ہند)

مفتی نسیم احمد فریدی ؒ، مولانا شبیہ احمد خاں ؒ

(سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ)

مولانا طاہر حسن ؒ (سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ

عربیہ جامع مسجد امروہہ)

سابق استاذ : جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

تاریخ وفات : ۲۴؍شوال المکرم ۱۴۳۴ھ مطابق ۱؍ستمبر ۲۰۱۳ء بروز اتوار،

بوقت نماز فجر

حیاتِ فریدی

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کی مکمل و مستند سوانح حیات

تصنیف

حضرت مولانا محب الحقؒ

سابق استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

مرکز علم وادب، فریدی منزل، پروہی، مدھوبنی (بہار)

HAYAT - E - FARIDI

By: Maulana Muhibb-ul-Haq

نام کتاب	:	حیاتِ فریدی
نام مصنف	:	حضرت مولانا محبّ الحقؒ
ناشر	:	مرکز علم وادب، فریدی منزل، پروہی، مدھوبنی (بہار)
مطبع	:	
کتابت	:	جناب عبدالصبور امروہی
تزیین	:	مولانا بشیر معروفی قاسمی
سن اشاعت	:	۱۴۳۷ھ = ۲۰۱۶ء
صفحات	:	تین سو چار (۳۰۴)
رابطہ نمبر	:	+91 9032528208
ای میل	:	ihbq1982@gmail.com

﴿ملنے کے پتے﴾

(۱) جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

(۲) جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدرآباد

(۳) مرکز علم وادب، فریدی منزل، پروہی، مدھوبنی (بہار)

(۴) مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ دہلی

(۵) مدنی کتب خانہ نزد جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

بڑے آرام سے ہوں گوشۂ مدفن میں اے ہمدم
سکونِ قلب سے لبریز پایا ہے یہ گھر میں نے

فریدؔی

❁ فہرست عناوین ❁

دوسرا باب	﴿فریدی خاندان کا مختصر تذکرہ﴾	۴۹-۶۶

﴿پہلی فصل﴾

﴿دوسری فصل﴾

﴿تیسری فصل﴾

﴿چوتھی فصل﴾

﴿پانچویں فصل﴾

﴿چھٹی فصل﴾

﴿ساتویں فصل﴾

﴿آٹھویں فصل﴾

﴿نویں فصل﴾

﴿دسویں فصل﴾

﴿گیارہویں فصل﴾

﴿بارہویں فصل﴾

﴿تیرہویں فصل﴾

چوتھا باب	﴿تصنیف وتالیف﴾	۲۵۶-۲۴۳

﴿چھٹی فصل﴾

﴿ساتویں فصل﴾

چھٹا باب	﴿مرثیہ جات، مناقب و منظوم خراجِ عقیدت﴾	۲۸۳-۳۰۳

افتتاحیہ

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی أشرف الأنبیاء والمرسلین وعلی آله وأصحابه أجمعین، وبعد۔

فرحت وانبساط، رنج وغم اور حزن وملال کے ملے جلے احساسات وتاثرات سے دوچار ہوں، خوشی اس بات کی ہے کہ رب ذوالجلال نے اس ذرہ بے مقدار اور نالائق زمان کو والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دیرینہ خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی سعادت بخشی، اس عظیم نعمت خداوندی پر میرا سراپا بارگاہِ الٰہی میں تشکر وامتنان کے جذبات سے جھکا جاتا ہے۔

اور رنج وغم ہے اپنے مشفق ومربی والد محترم ومرحوم کی جدائی پر، جنھوں نے اپنی زندگی کی بلا استثناء تمام گھڑیاں تعلیم وتربیت اور تصنیف وتالیف کے لئے وقف کر رکھی تھی جنھیں اپنے استاذ سے اور ان کی تحریروں سے بے پناہ عشق تھا، جس کی مثال موجودہ دور میں تلاش بسیار کے بعد بھی شاید ہی ملے:

چراغ لے کے جسے ڈھونڈتے ہیں پروانے
ہمارے دل میں ہے وہ شمع انجمن میں نہیں

نابغۂ روزگار، نمونۂ اسلاف، یادگارِ صحابہ حضرت مفتی نسیم احمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ سے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کیسا تعلق تھا، یہ ان لوگوں سے مخفی نہیں ہے، جو ان دونوں حضراتؒ سے واقف ہیں، تاہم علماء اور دانشوران کی متعدد تحریروں میں سے صرف دو تحریریں پیش کرتا ہوں:

مفسر قرآن مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ رقم طراز ہیں:

”آنکھوں سے معذوری کے بعد مفتی صاحبؒ کے تحریری کاموں

میں پڑھنے اور لکھنے کی جو خدمت انھوں (مولانا محبّ الحق صاحب)
نے انجام دی، وہ ان کی صلاحیت تھی اور اسے میں مفتی صاحبؒ کی
کرامت کہتا ہوں ، خداوند تعالی نے اس درویش صفت عالم کی
خدمت کے لیے مولانا محبّ الحق صاحب کی صورت میں امداد غیبی کا
انتظام کیا تھا، جس طرح امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ان
کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ خدا کی غیبی امداد تھی؛ جنھیں حضرت امامؒ
نے اپنی مالی اور تعلیمی دونوں قسم کی امدادوں سے نوازا اور پھر امام
ابو یوسفؒ کے ذریعہ امام اعظمؒ کے فقہی تصورات نے بڑا فروغ پایا۔"

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی امروہی لکھتے ہیں:

"مولانا محبّ الحق صاحب کا معاملہ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد
صاحب فریدیؒ سے بالکل ایسا ہی تھا جیسے زبدۃ الاولیاء حضرت خواجہ
نظام الدین محبوب الٰہی اور حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کا تھا۔ جیسا کہ
امیر خسرؔو سلطان الاولیاء محبوب الٰہی حضرت نظام الدین کے صرف
شاگرد و مرید ہی نہیں تھے؛ بلکہ خلوت وجلوت کے ساتھی؛ بلکہ ہمہ وقتی
خدمتگار بھی تھے"۔

اسی تعلق کی بنا پر حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات کے فوراً بعد والد صاحبؒ نے آپ کی حیات وخدمات، ملفوظات ومکتوبات پر مشتمل ایک مختصر سوانحی دستاویز ترتیب دی، جس کا نام "فیضان نسیم" رکھا گیا، اور جسے عوام وخواص نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اس کتاب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، اور اس کے بعد بھی مفتی صاحبؒ کے بہت سے بکھرے ہوئے مضامین اور علمی شہ پاروں کو والد صاحبؒ نے کتابی شکل دی، جن کی تعداد دس سے متجاوز ہے۔

چند سالوں سے مسلسل یہ فکر دامن گیر تھی کہ مفتی صاحبؒ کی سوانح دوبارہ نئی ترتیب اور نئے انداز سے لکھی جائے، اور اس سلسلے میں آپ (والد صاحبؒ) پوری توجہ اور

لگن کے ساتھ کتاب کی تیاری میں مصروف تھے، کتاب کے بیشتر حصے (امروہہ کی تاریخ، امروہہ کا علمی مقام، فریدی خاندان کا مختصر حال، حضرت مفتی صاحبؒ کا سوانحی خاکہ اور ملفوظات) کی کتابت بھی ہوچکی تھی کہ وہ گھڑی آپہنچی جسے یاد کرکے آج بھی دل بیٹھ جاتا ہے اور آنکھیں اشک بار ہوجاتی ہیں، لیکن:

﴿ إِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ. ﴾ (نوح:۴)

والد صاحبؒ کے بعد آپ کے باقی ماندہ منصوبوں میں سے اہم منصوبہ اور دیگر بہت سی ذمہ داریوں میں سے سب سے بڑی ذمہ داری ہمارے اوپر "حیات فریدی" کی تکمیل اور طباعت کی رہی، جس کے احساس سے شاید کوئی دن اور کوئی رات خالی جاتی ہو، ہر وقت یہ فکر دل و دماغ پر سوار رہتی کہ کسی طرح اس اہم کتاب کو منظر عام پر لایا جائے، اور والد صاحب نے جتنا کام کیا ہے، اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے طباعت کے مراحل سے اسے گزار دیا جائے۔

چناں چہ قلم و قرطاس کی اس مقدس وادی میں اِس ناآشنائے رسم و راہ نے خامہ فرسائی کی بالکل جرأت نہیں کی، بس کتاب کے حسن و معیار کو دوبالا کرنے کی ادنیٰ اور بچکانہ کوشش ضرور کی ہے، نیز کہیں کہیں اس طرح ([ ]) کے بریکٹ کے ذریعہ اس حسین و جمیل اور خوبصورت تاریخی، علمی اور سوانحی پیراہن میں بوسیدہ اور بدنما پیوند لگانے کی کوشش کی ہے، ظاہر ہے کہ اس بدصورتی اور بدنمائی کی تمام تر ذمہ داری میرے ہی اوپر عائد ہوتی ہے، اللہ رحمٰن و رحیم سے دعا ہے کہ وہ اس جرأت بے جا پر، ستاری کا معاملہ فرمائے، اور اس کے عیوب کو حسن سے بدل دے، **وما ذلك على الله بعزيز.**

نیز چھٹا باب (مناقب، منظوم خراج عقیدت و مرثیہ جات) والد صاحب کے کاغذات میں ایک جگہ جمع شدہ مجھے ملا، یہ مرثیے یقیناً اسی لئے جمع کئے گئے ہوں گے تا کہ

کتاب میں انہیں داخل کیا جائے؛ لیکن ہنوز ان کی کتابت نہیں ہو پائی تھی، میں نے اپنے اندازے اور خواب میں والد صاحبؒ سے صریح اجازت لے کر انہیں شامل کتاب کیا ہے اور ابواب وفصول کی تعداد، تقسیم، ترتیب اور درجہ بندی بھی اس عاجز نے کی ہے۔

والد صاحبؒ کی وفات کے بعد کتاب کی تکمیل اور طباعت کے تئیں جوش وجذبہ سمندر کی موجوں کی طرح تھپیڑے مار رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ بس دو چار مہینہ میں کتاب منصۂ شہود پر آ جائے گی؛ لیکن گزرتے وقت کے ساتھ سستی اور کاہلی بڑھتی گئی، نیز طباعت پر آنے والے مصارف کا بھی کوئی انتظام نہ ہو سکا، جس میں کوتاہی اس عاجز ہی کی رہی، تاہم عزم وحوصلہ کا چراغ کسی نہ کسی شکل میں روشن رہا، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور غیب سے انتظام فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ، إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ
قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْراً. ﴾ (طلاق:۳)

اس تاریخی اور گراں قدر علمی وسوانحی دستاویز کو منظر عام پر لانے میں جن حضرات کا تعاون رہا، ان میں سر فہرست حضرت الاستاذ مولانا محمد اسماعیل صاحب جویاوی دامت فیوضہم (استاذ حدیث ونائب مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ)، مولانا سالم جامعی صاحب (ایڈیٹر ہفت روزہ الجمعیۃ، دہلی) ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی امروہی، مولانا جنید اکرم فاروقی امروہی، مولانا محمد اسلم امروہی (استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ) اور مولانا فخر الاسلام صاحب ہیں۔

نیز جواں سال، بلند ہمت، فعال وسرگرم عالم دین مفتی حمزہ صاحب امروہی (استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ) اور جناب تنظیم صاحب قریشی امروہی مقیم حال دہلی اور دیگر مخلصین کے قیمتی تعاون کو کسی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے ہی امید کے بجھتے چراغ کو دوبارہ روشنی دی اور مالی تعاون سے کتاب کی طباعت کا بیڑہ اٹھایا، اللہ

تعالیٰ ان کی خدمات کوقبول فرمائے،مزید علمی میدان میں آگے بڑھنے کی توفیق عطافرمائے۔

ہماری جامعہ کے معتمد منفرد صلاحیت کے حامل مولانا محمد رحیم الدین انصاری زیدت حسناتہم کا بھی ممنون ہوں، جواپنے اساتذہ کووقتاً فوقتاً علمی کاموں کی ترغیب دیتے رہتے ہیں، ان کے علمی کارناموں سے خوش ہوتے ہیں اور ہرطرح سے ہمت افزائی اور تعاون فرماتے ہیں، نیز ان کے دست راست، معتمد خاص، برادرخورد، نائب صدرالمدرسین مولانا محمد زین العابدین انصاری (خرتج جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ الریاض) بھی شکریہ کے مستحق ہیں،جن کی عنایات نا قابل شمار ہیں۔

جناب عبدالصبورصاحب امروہی، مولانا محمد بشیر قاسمی معروفی صاحب کابھی بھر پورتعاون رہا، اول الذکر نے کتابت کی ذمہ داری نبھائی،تو مؤخرالذکر نے ترتیب وتزئین سے کتاب کے حسن کودوبالا کیا۔

اللہ تعالیٰ ان تمام معاونین کواپنی شایان شان جزاعطافرمائے، اور اس کتاب کو قبولیت سے نوازے، والدصاحب، دادا، دادی اور بالخصوص حضرت مفتی صاحبؒ کے لئے اسے صدقۂ جاریہ بنائے، اوراس عاصی بے راہ کواکابر کی راہ پر گامزن کردے، آمین یارب العالمین۔

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ کے اس شعر پراپنی بات ختم کرتا ہوں:

اے فریدیؔ اب دعا پر ختم کر اپنا کلام
تا کجا یہ خامہ فرسائی بجائے اختصار

خاکپائے حضرت فریدیؒ
امدادالحق بختیار
استاذ حدیث وادب عربی
ورئیس التحریر ''الصحوۃ الاسلامیۃ'' دارالعلوم حیدرآباد
۲۹/۳/۱۴۳۷ھ/۱۰/۱/۲۰۱۶ء

مقدمہ

از: مولانا محمد سالم جامعی (۱)

برصغیر ہند و پاک میں مسلمانوں نے دینی اور سماجی لحاظ سے بحیثیت مسلمان زندگی گزارنے کی جو دینی وفکری راہ اختیار کی، اس کے نتیجہ میں ایک بڑی تعداد میں ایسی ممتاز شخصیتیں وجود میں آئیں، جنھوں نے اپنے علم وفضل اور اپنی دینی وعلمی رہنمائی کے ذریعہ ملت اسلامیہ کو نہ صرف فیض پہنچایا؛ بلکہ علمی و دینی میدان میں وہ امتیاز بھی حاصل کیا جس کے ذریعہ وہ اس برصغیر میں علم و دین کے اثرات اور مفید کارگزاری کے حامل ثابت ہوئے، یہ ہی وہ لوگ ہوتے ہیں، جو تذکرہ نگاروں کے قلم کی جولانگاہ بنتے ہیں۔

تذکرہ نگاری اپنے مزاج وفطرت کے لحاظ سے تاریخ وسیرت کا ہی ایک شعبہ ہوتا ہے، جس کا مقصد کسی شخص کی شخصیت کا واقعی اور حقیقی اظہار ہوتا ہے اور جس میں جذبات کے اظہار کی حیثیت ایک بنیادی عنصر کی ہوتی ہے۔ اگر تذکرہ نگاری کا پورا منظر نامہ تاریخی صداقت کا آئینہ دار ہوتا ہے، تو یہ ہی تذکرہ نگاری ادبی شہ پاروں کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور بقول مولانا علاء الدین ندوی:

> ''تذکرہ نگاری کا خاص مقصد بھی یہ ہی ہونا چاہیے کہ آنے والی نسلوں کی اصلاح وتربیت کے لیے علم وفضل، تقویٰ اور اخلاقِ حسنہ کا وہ دل آویز نمونہ سامنے لایا جائے، جس کو پڑھ کر حرکت و عمل کا جذبہ بیدار ہو اور خوابیدہ صلاحیتوں میں نشاط، امنگ اور

(۱) ایڈیٹر ہفت روزہ الجمعیۃ، دہلی

حوصلے جنم لیں۔‘‘(۱)

صحیح بات یہ ہے کہ تحریر وتسوید اور تصنیف وتالیف کے شعبۂ سیرت وتذکرہ نگاری کا فن ایک اہم اور مشکل ترین کام ہے؛ اس لیے کہ اس میں تذکرہ نگار کو اپنی پسند ناپسند سے بالاتر ہوکر اپنائیت اور غیریت کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے، انتہائی احتیاط کے ساتھ سوچ سمجھ کر قلم اُٹھانا اور افراط وتفریط کا شکار ہوئے بغیر اصل حقائق وواقعات کو خوبصورت اور دلچسپ انداز میں زینت قرطاس وقلم کرنا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے کسی بھی کام کے لیے وسعتِ نظر، مطالعہ، ذکاوت وذہانت، حسن انتخاب وحسن ترتیب اور صاحبِ تذکرہ سے عقیدت ومحبت جیسے بنیادی دموٴثر عناصر درکار ہوں گے۔

ہمارے محترم فاضل وعالم، علومِ الٰہیہ کے چشمہائے صافی سے جی بھر کر فیضیاب ہونے والے اور آستانۂ فریدی کے علم واخلاق اور دعواتِ صالحہ سے دامن مراد بھرنے والے خوش نصیب تلمیذ رشید وخادم خاص حضرت مولانا محبّ الحق پروہی قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے مذکورہ بالا تمام اوصاف وکمالات سے متصف فرمایا تھا۔ پروردگار نے انھیں علمی تحقیق وتدقیق کے ساتھ تذکرہ نگاری کے فن میں بھی خاص وصالح ذوق کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا۔ انھوں نے جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے دورِ طالب علمی سے لے کر دورِ تدریس؛ بلکہ اپنی آخری سانس تک درجنوں وقیع کتابیں تالیف کرکے ہدیۂ قارئین کیں، جن میں سے اکثر تالیفات تذکرہ نگاری کا عمدہ نمونہ ہیں۔

بہرحال تذکرہ وسوانح حیات وخدمات، علم وادب اور قلم وکتاب کے حوالہ سے ایک بے حد پسندیدہ، کارآمد اور دلچسپ موضوع ہے، جس کے ذوق کا حصہ وافر مولانا محبّ الحق مرحوم کو ان کے پروردگار نے خوب خوب عطا فرمایا تھا۔ زیرِ نظر کتاب ’’حیاتِ فریدی‘‘ جس کا ایک اعلیٰ اور خوبصورت نمونہ ہے۔

---

(۱) خونِ جگر کے نقوش، ص ۱۹۴

''حیاتِ فریدی'' کے مؤلف مولانا محبّ الحق کو اللہ پاک نے تذکرہ نگاری کے فن میں خصوصی ذوق کے ساتھ اپنے اساتذہ، اکابر و شیوخ سے محبت و عقیدت سے بھی حظ وافر عطا فرمایا تھا اور اپنے اکابر و اسلاف کے احوال و معارف کی تدوین و تالیف کے کام کی توفیق ارزانی فرمائی تھی۔ تصنیف و تالیف کا کام اس کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ کسی کوہ کہن کے جوئے شیر لانے سے بھی مشکل ہوتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کے لیے یہ کام ایسا سہل اور آسان بنا دیا تھا، جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے فولاد کو موم بنا دیا تھا کہ وہ جیسے چاہیں اور جس سانچہ میں چاہیں ڈھال لیں۔ انھوں نے اس میدان میں اپنے شیخ، مربی اور استاذ و مخدوم حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہی قدس سرہٗ کے افادات و ارشادات اور ان کے علمی معارف کو کتابی شکل میں جس طرح ایک حسین گلدستہ کی طرح پیش کیا ہے۔ وہ ان کی اپنے مخدوم و مربی کے ساتھ ان کے والہانہ تعلق و محبت کی واضح اور روشن علامت ہے۔

''حیاتِ فریدی'' ان کی آخری تالیف ہے۔ اپنی علالت کے آخری دنوں میں وہ دہلی علاج کے لیے تشریف لائے۔ جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر مسجد عبد النبی، ۱- بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی میں قیام فرمایا۔ راقم الحروف کے ساتھ دیرینہ تعلقات تھے، اسی تعلق سے ایک روز یاد فرمایا۔ ''حیاتِ فریدی'' کا تذکرہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی حکم فرمایا کہ ''حیاتِ فریدی'' کی کمپوزنگ ہو جائے، تو آپ کے پاس بھیجوں گا۔ آپ کو اس پر مقدمہ لکھنا ہے، چند دن قیام کے بعد امروہہ تشریف لے گئے اور غالباً ایک دو دن بعد ہی غیب سے صدا پا کر اپنی عمر بھر کی نیکیوں اور علمی خدمات کا صلہ پانے کے لیے اپنے رب کی بارگاہ میں جا پہنچے۔

سجا کر اپنے ہنگاموں کی محفل سو گیا کوئی
بھری محفل ہے اور رونقِ محفل نہیں ملتا

ہر علاقہ کی اور اس کے باشندوں کی اپنی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں۔ بعض علاقے اپنے قابلِ فخر اشخاص و افراد کے کردار و عمل سے جانے پہچانے جاتے ہیں اور بعض افراد اپنی علاقائی نسبت سے ممتاز ہوتے ہیں۔ ہندستان کے بہت سے مقامات بھی اپنی گونا گوں علمی، دینی اور اصلاحی خصوصیات کی وجہ سے دُنیا بھر میں معروف ہیں، جن میں مغربی اتر پردیش کا ایک قدیم شہر امروہہ بھی ایک ایسا ہی شہر ہے۔ اس شہر میں بہت سے نامور علماء، حفاظ، قراء، اتقیاء اور اولیاء اللہ پیدا ہوئے۔ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد اور دار العلوم چلہ جیسے عظیم الشان تعلیمی ادارے بھی یہاں ایک صدی سے زائد عرصہ سے علم و عرفان کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔ ابھی زمانۂ قریب میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا سیّد احمد حسن محدث امروہیؒ جیسے محدث، مفسر اور فقیہ اور مولانا حکیم محمد احسن صاحبؒ جیسے حکیم وطبیب بھی اسی امروہہ میں پیدا ہوئے اور عرصۂ دراز تک یہیں علم و عمل کی محفلیں گرم رکھیں۔

شہر امروہہ کے تاریخی پس منظر کے ذیل میں مؤلف محترم نے تحریر فرمایا ہے کہ:

> ’’امروہہ شمالی ہندوستان کی ایک قدیم مردم خیز بستی ہے، جس کو بڑے بڑے علماء، فضلاء، صوفیاء، اولیاء، اطباء، شعراء اور صاحبانِ علوم وفنون کا مولد ومسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس شہر کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ یہاں تقریباً تمام مروّجہ سلاسلِ طریقت کے مشائخ نے اپنے اپنے عہد میں چشمہائے فیوض و ہدایت سے مخلوق کو سیراب کیا ہے، یہاں ہر دور میں بڑے بڑے باکمال علماء ہوئے اور بعض خاندانوں میں مسلسل علماء پیدا ہوتے رہے ہیں، اسی طرح بعض خاندانوں کو یہ امتیاز حاصل رہا کہ اس میں نسلاً بعد نسلٍ بڑے

بڑے ذی علم اور حاذق اطباء پیدا ہوتے رہے ہیں، جنھوں نے
خدمت خلق کو اپنا شعار بنائے رکھا فن شاعری میں بھی امروہہ
نے کافی نام پیدا کیا۔“

مؤلف کتاب نے اپنی تائید میں معروف مورخ اور خود مولانا فریدی کے خواہرزادے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ تاریخ کے سابق صدر پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم کی ایک تحریر بھی تذکرہ بدر چشت کے مقدمہ سے نقل فرمائی ہے۔

پروفیسر نظامی صاحب مرحوم فرماتے ہیں کہ:

”امروہہ کا یہ حسن اس کے محلِ وقوع یا جغرافیائی خصوصیات کے باعث نہیں؛ بلکہ علماء، مشائخ، اصحابِ ذکر و فکر کے ان خانوادوں کے جمال و کمال کا پرتو تھا، جس نے یہاں کی مختصر آبادی میں وہ دل کشی پیدا کردی تھی کہ ایک غیر ملکی سیاح بھی اس کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔“

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم مزید لکھتے ہیں:

”امروہہ شمالی ہندوستان کی ان قدیم بستیوں میں ہے، جہاں اسلامی تہذیب اور تمدن کی بہترین آبیاری ہوئی ہے، محمد بن تغلق کے زمانہ میں ایک غیر ملکی سیاح ”ابن بطوطہ“ نے محسوس کیا تھا کہ ”وھی بلدۃ صغیرۃ حسنۃ“ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے۔ لیکن امروہہ کی حقیقی دل کشی اور رعنائی کا باعث وہ مذہبی، تہذیبی اور تمدنی رجحانات تھے، جنھوں نے اس کے آغوش میں پرورش پائی تھی، اس کا تمدنی ماحول روحانی سلاسل کے لیے سازگار ثابت ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ میں چشتی

سہروردی، نقشبندی اور قادری بزرگوں کی نوا سنجیوں سے ساری فضا گونج اُٹھی تھی۔ یہاں گیسوئے اردو سنوارے گئے، لکھنوی دبستاں کے عظیم شاعروں ناسخ اور آتش کو اس سرزمین نے استاد فراہم کیا، سعادت امروہوی نے شہنشاہِ متغزلین میر کو اردو شعر کہنے پر راغب کیا، مرزا عبدالقادر بیدل نے امروہہ ہی کے ایک شاگرد عطا کو اپنا قلم دان بخشا۔ جب دہلی کے شب و روز مرزا مظہر جان جاناں پر گراں گزرنے لگے، تو امروہہ ہی میں ان کو امن و عافیت کا سانس لینا نصیب ہوا، مولانا سید احمد شہید (رائے بریلویؒ) نے جب جہاد کا نعرہ بلند کیا، تو یہاں کے درودیوار سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں، جب برطانوی انتقام کے شعلے درگاہ بابا فرید پاک پٹن تک پہنچے، تو اس قصبہ کے ایک فریدی بزرگ شیخ ارشاد علی ہی نے ان شعلوں کو بجھایا، سرسید احمد خاں کی تعلیمی تحریک کا ایک ستون، نواب وقار الملک (مولوی مشتاق حسین) اسی سرزمین امروہہ سے تعلق رکھتا تھا، یہ کہنا تو صحیح نہ ہوگا کہ

رہتے تھے یہاں منتخب ہی روزگار کے

لیکن اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اس سرزمین نے بہت سے لعل و گوہر پیدا کیے، ہندوستان کی کوئی علمی اور مذہبی تاریخ امروہہ کے علمی اور تہذیبی کارناموں کو نظر انداز نہیں کرسکتی، جس سرزمین سے ''ریاض الفصحاء، عقد ثریا، تفسیر شاہی، مقاصد العارفین، بشیر الصائح، بشیر المدائح، قرابادین جلالی، تشخیص الکامل'' وغیرہ

کتابیں لکھی گئی ہوں، جہاں سیّد شرف الدین سہروردیؒ، شیخ چاندلدہؒ، پیر شاہ ابنؒ نے اپنا رخت سفر کھولا ہو، جہاں شاہ عضدالدین جعفریؒ، شاہ عبدالہادیؒ، شاہ عبدالباریؒ نے تزکیہ نفس کے درس دیے ہوں، جہاں (سیّدالعلماء) مولانا سید احمد حسنؒ جیسے محدث، حکیم بخش اللہ جیسے طبیب، حکیم مولانا محمد حسن جیسے متبحر عالم پیدا ہوئے ہوں، علمی دنیا میں اس کے مقام سے کون انکار کرسکتا ہے۔''

ابھی زمانۂ حال میں ایک ایسی ہی شخصیت، ایک بلند پایہ محقق، محدث وفقیہ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی نور اللہ مرقدہٗ کی گزری ہے، جن کا وصال ابھی (۲۷) سال قبل (۱۹۸۸ء) ہوا ہے اور جن کا ذکر خیر ''حیاتِ فریدی'' کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔

جس کی ضو سے ظلمتیں کافور تھیں
بجھ گیا وہ چراغ رہ گزر
۱۴۰۹ء

''حیاتِ فریدی'' جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے سابق صدر المدرسین وشیخ الحدیث وصدر مفتی حضرت مولانا نسیم احمد فریدی امروہی نور اللہ مرقدہٗ کی سوانح حیات ہے۔ یہ اس عظیم شخصیت کا تذکرہ ہے، جس نے اپنے علمی معارف، زہد وتقویٰ اور حسن اخلاق کے ذریعہ فیض رسانی کا ابر کرم برسایا، جس کا علم وفضل امت کے لیے چراغِ راہ ثابت ہوا۔ یہ اس شخصیت کا ذکر خیر ہے، جس کے فیوض وبرکات عام تھے اور ہر کوئی ان سے استفادہ کرسکتا تھا۔ یہ اس عظیم المرتبت انسان کی کہانی ہے جو حصولِ علم کی پر مشقت راہوں، زہد وتقویٰ کی وادیوں اور اخلاص وللّٰہیت کے پل صراط سے بصد شوق گزرا اور جس نے اپنی

مخلصانہ علمی و عملی جدوجہد کا انعام دُنیا میں بھی پایا اور ان شاء اللہ آخرت میں بھی ان کا رب کریم ان سے راضی ہوگا۔

مؤلف محترمؒ نے صاحبِ تذکرہ مولانا فریدی قدس سرہٗ کی تعلیم و تربیت کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے کہ:

> ''آپ نے علمی و دینی گھرانے میں پرورش پائی، جہاں قدیم روایات اور پرانی قدروں کا احترام و اہتمام تھا اور خلوص و محبت اور رواداری کا یہ عالم تھا کہ چھوٹوں پر شفقت اور دوسروں کے رنج و غم میں شریک ہونا عبادت کا درجہ رکھتا تھا۔ آپ کا گھرانہ سادگی پسندی، صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور دینی خدمات کے لیے مشہور تھا، اس گھرانے میں متواتر صاحبانِ علم و فضل ہوتے رہے ہیں۔ آپ کے برادرزادے ڈاکٹر نثار احمد فاروقی مرحوم اور خواہرزادے پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم صاحبان تصانیف ہوئے ہیں، جن کا ابھی چند سال قبل انتقال ہوا ہے۔ یہ دونوں برصغیر کے مایہ ناز ادیب و محقق تھے۔ آپ کے دادا کے برادر بزرگ مولوی ارشاد علی فریدیؒ نے اپنے چھوٹے بھائی مولوی ڈپٹی بشیر احمد فاروقی کی تعلیم و تربیت خود کی اور متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن میں ''بشیر المدائح، بشیر النصائح بشیر الانشاء اور مصدر انشاء وارشاد' مشہور ہیں۔''

''حیاتِ فریدی'' چھ ابواب پر مشتمل ہے اور پھر ہر باب کو متعدد فصلوں پر تقسیم کیا گیا ہے، جس نے قاری کے لیے سہولت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ پہلے باب میں امروہہ کی مختصر تاریخ، اس کا تاریخی پس منظر اور اس کا علمی مقام بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے

باب میں خاندانِ فریدی کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔تیسرا باب سوانحی خاکہ پر مشتمل ہے۔اس باب کو ولادت باسعادت، تعلیم و تربیت، تدریس، بیعت وسلوک و اجازت، جماعتی و اصلاحی سرگرمیاں، علمی و تحقیقی انہماک، اکابر دیوبند، اوصافِ حمیدہ، اسفار وغیرہ، شاعرانہ ذوق اور علالت و رحلت پر مشتمل متعدد فصلوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔چوتھے باب میں تصنیفات و تالیفات کے موضوع پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ پانچواں باب ملفوظات پر مشتمل ہے۔چھٹے باب میں منظوم خراجِ عقیدت کی جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔ان تمام ابواب میں مؤلف مرحوم نے جس شرح وبسط کے ساتھ حالات بیان کیے ہیں، اس نے اس کتاب کی جامعیت کے ساتھ اسے تذکرہ نگاری کے فن میں ایک نمونہ کی حیثیت عطا کردی ہے۔

اس تالیف لطیف میں مؤلف مرحوم نے سمندر کو کوزہ میں بند کردیا ہے اور مولانا فریدی مرحوم کی مبارک ہستی کو زندۂ جاوید بنادیا ہے۔اس سے جہاں قارئین کرام ایک عظیم اور مثالی ہستی سے متعارف ہوں گے، وہیں ان کے فیوض و برکات سے بھی انھیں مستفیض ہونے کا موقع ملے گا۔

اللہ تعالیٰ اس تالیف کو قبولیت عامہ سے نوازے اور ہر خاص وعام کے لیے مفید بنائے اور مؤلف مرحوم کے لیے بلندیٔ درجات کا ذریعہ بنائے، آمین۔

ہزاروں رحمتیں ہوں اے میرِ کارواں تجھ پر
فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تیری

محمد سالم جامعی
ایڈیٹر ہفت روزہ الجمعیۃ، نئی دہلی
۱۲/ربیع الاوّل ۱۴۳۷ھ

پہلا باب

امروہہ کی مختصر تاریخ

ہے بے وہم و گماں توحید کا ایوان امروہہ
بلا ریب و گماں ہے فقر کا ایمان امروہہ
فریدی

پہلی فصل
امروہہ کا تاریخی پس منظر

امروہہ ایک قدیم تاریخی شہر ہے، جو مردم خیز بھی ہے اور علم پرور بھی۔ مؤرخین کے مطابق یہ بستی زائد از ڈھائی ہزار برس قدیم ہو چکی ہے، ''ہستناپور'' کے ایک راجہ ''امر جودہ'' کو، جو ۴۷۴ قبل مسیح ''ہستناپور'' کی راج گدی پر بیٹھا تھا، اسی کو امروہہ کا بانی بتایا جاتا ہے، وجہ تسمیہ کے سلسلے میں تاریخ یہ بتاتی ہے کہ امروہہ دراصل سنسکرت زبان کے ایک لفظ ''अमरोवनम'' (امرونم) سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں ''آموں کی جگہ'' اُس وقت بھی آموں کے باغ یہاں بکثرت پائے جاتے تھے اور آج بھی یہ علاقہ آموں کی کیفیت وکمیت کے لحاظ سے مشہور ہے پھر مرورِ ایام کی بناء پر حرفوں میں کچھ تبدیلی ہوتی رہی اور آخرکار یہ لفظ ''امروہہ'' رہ گیا۔

امروہہ کی ایک وجہ تسمیہ اور بیان کی جاتی ہے، جو لغو اور مہمل ہے:

مؤرخ امروہہ محمود احمد عباسی [متوفی ۱۴/ جمادی الآخر ۱۳۰۲ھ=۳۱/ مارچ ۱۸۸۵ء] ''تاریخ امروہہ'' میں لکھتے ہیں:

> ''امروہہ کے عوام میں، امروہہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق آم اور روہو مچھلی کی ایک من گھڑت کہاوت شہرت رکھتی ہے، جو محض لغو اور مہمل ہے، جن بزرگ کا نام اس سلسلہ میں لیا جاتا ہے کہ انھوں نے آم اور روہو کی مناسبت سے اس بستی کا نام یہ رکھا یعنی شاہ شرف الدین شاہ ولایتؒ (حالانکہ) آپ کی تشریف آوری

سے بھی پہلے سے اس مقام کا یہی نام رہا ہے، اس کا اسلامی
تاریخوں میں بھی جا بجا ذکر ملتا ہے۔‘‘(۱)

امروہہ شمالی ہندوستان کی ایک قدیم مردم خیز بستی ہے، جس کو بڑے بڑے علماء، فضلاء، صوفیا، اولیاء، اطباء، شعراء اور صاحبانِ علوم وفنون کا مولد ومسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس شہر کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ یہاں تقریباً تمام مروّجہ سلاسلِ طریقت کے مشائخ نے اپنے اپنے عہد میں چشمہائے فیوض وہدایت سے مخلوق کو سیراب کیا ہے، یہاں ہر دور میں بڑے بڑے باکمال علماء ہوئے اور بعض خاندانوں میں مسلسل علماء پیدا ہوتے رہے ہیں، اسی طرح بعض خاندانوں کو یہ امتیاز حاصل رہا کہ اس میں نسلاً بعد نسلٍ بڑے بڑے ذی علم اور حاذق اطباء پیدا ہوتے رہے ہیں، جنھوں نے خدمت خلق کو اپنا شعار بنائے رکھا، فن شاعری میں بھی امروہہ نے کافی نام پیدا کیا۔

یہاں پر ہر زمانہ میں نامور شخصیتیں پیدا ہوئیں، یہاں ’’معز الدین کیقباد‘‘ [۱۲۸۷ء-۱۲۹۰ء] کے عہد میں سب سے پہلا عربی مدرسہ ’’معزیہ‘‘ کے نام سے قائم ہوا تھا، یہاں کی خانقاہوں میں علم وعرفان کی بارشیں ہوتی تھیں، اکبری دور کے مشہور میر عدل مولانا سید محمدؒ [مدۃ القضاء ۱۵۷۹ء-۱۵۸۱ء، متوفی ۹۸۶ھ] اسی سرزمین کے باشندے تھے، (۲) صاحبِ ’’منتخب التواریخ‘‘ ملا عبدالقادر بدایونیؒ [۱۷/ ربیع الآخر ۹۴۷ھ=۱۵۴۰ء-۱۰۰۴ھ=۱۵۹۵ء] نے آپ سے درس حاصل کیا۔

برصغیر کے مشہور مؤرّخ پروفیسر خلیق احمد فریدی نظامی امروہوی مرحوم (۳)

---

(۱) تاریخ امروہہ

(۲) [’’وفیات اعیان الہند‘‘ میں آپ کا پورا نام: محمد میر سید میر عدل امروہی لکھا ہے۔ ص: ۴۰۴، مرتبہ ڈاکٹر ابوالنصر محمد خالدی۔]

(۳) [پروفیسر خلیق احمد نظامی امروہوی مرحوم۔ آپ حضرت مولانا فریدی امروہیؒ کے ہمشیرہ زادے (بھانجے) تھے۔ آپ دونوں کا سلسلہ نسب حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے واسطے سے............

[ت ۵/دسمبر ۱۹۹۷ء] امروہہ کے متعلق ''تذکرہ بدر چشت'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''امروہہ کا یہ حسن اس کے محل وقوع یا جغرافیائی خصوصیات کے باعث نہیں بلکہ علماء، مشائخ، اصحاب ذکر وفکر کے ان خانوادوں کے جمال وکمال کا پرتو تھا، جس نے یہاں کی مختصر آبادی میں وہ دل کشی پیدا کردی تھی کہ ایک غیر ملکی سیاح بھی اس کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا''۔

مشہور ہے کہ امروہہ پر مسلمانوں کے تسلط کی ابتداء سلطان محمود غزنوی [۱۵/دسمبر ۹۶۷ء= ۹/محرم ۳۵۷ھ-۲۳/ربیع الآخر ۴۲۱ھ= ۳۰/اپریل ۱۰۳۰ء] کے صاحبزادے کے زمانہ میں سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ [متوفی ۴۲۴ھ=۱۰۳۳ء] کی مجاہدانہ جدوجہد سے ہوئی، سلطان غیاث الدین تغلق [ت فروری ۱۳۲۵ء= ربیع الآخر ۷۲۵ھ] کے ابتدائی عہد میں سید العارفین سید حسن المعروف بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ العزیز ملتان سے مع اپنے خلفاء اور اعزاء کے امروہہ تشریف لائے اور یہیں مقیم ہو گئے اور اپنے روحانی مرتبہ کے سبب یہاں کے ''شاہ ولایت'' کہلائے۔

سلسلۂ چشتیہ کے تین مشہور اور پائے کے بزرگ: شاہ عضد الدین علیہ الرحمہ

..........امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظمؓ سے متصل ہوتا ہے۔ نظامی صاحب کے دادا مولوی ارشاد علی فاروقی اور حضرت مولانا فریدیؒ کے دادا ڈپٹی بشیر احمد فاروقی دونوں حقیقی بھائی تھے۔ نظامی صاحب کا مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں تاریخ کے استاد کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ ترقی کرتے ہوئے پہلے پرووائس چانسلر پھر وائس چانسلر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ بعدہٗ حکومت ہند کی طرف سے شام کے سفیر رہے۔ ہندوستان کے صوفیا پر گہری نظر تھی۔ ''تاریخ مشائخ چشت'' ''حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' ''سلاطین دہلی کے مذہبی رجحان'' ''ماثر مولانا ابوالکلام آزاد'' ''شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات'' ''ڈاکٹر ذاکر حسین اور نگاہِ فقر'' وغیرہ نظامی صاحب کی تصنیفات میں سے ہیں۔ ۵/دسمبر ۱۹۹۷ء میں انتقال ہوا۔ علیگڑھ میں دفن ہوئے۔ (محب الحق)]

(متوفی: ۱۱۷۲ھ)، شاہ عبد الہادی علیہ الرحمہ (متوفی: ۱۱۹۰ھ) اور شاہ عبد الباری علیہ الرحمہ (متوفی: ۱۲۲۶ھ) بھی یہیں آسودۂ خواب ہیں۔

حضرت مولانا فریدیؒ کے خواہر زادے پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم لکھتے ہیں:

''امروہہ شمالی ہندوستان کی ان قدیم بستیوں میں ہے، جہاں اسلامی تہذیب اور تمدن کی بہترین آبیاری ہوئی ہے، محمد بن تغلق کے زمانہ میں ایک غیر ملکی سیاح ''ابن بطوطہ'' نے محسوس کیا تھا کہ ''وهي بلدة صغيرة حسنة'' : یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے۔ (رحلہ ۹۰/۲) لیکن امروہہ کی حقیقی دل کشی اور رعنائی کا باعث وہ مذہبی، تہذیبی اور تمدنی رجحانات تھے، جنھوں نے اس کے آغوش میں پرورش پائی تھی، اس کا تمدنی ماحول روحانی سلاسل کے لیے سازگار ثابت ہوا، اور تھوڑے ہی عرصہ میں چشتی، سہروردی، نقشبندی اور قادری بزرگوں کی نوا سنجیوں سے ساری فضا گونج اٹھی تھی، یہاں گیسوئے اردو سنوارے گئے، لکھنوی دبستاں کے عظیم شاعروں ناسخؔ اور آتشؔ کو اس سرزمین نے استاد فراہم کیا، سعادت امروہوی نے میرؔ شہنشاہِ متغزلین کو اردو شعر کہنے پر راغب کیا، مرزا عبد القادر بیدلؔ نے امروہہ ہی کے ایک شاگرد عطاؔ کو اپنا قلم دان بخشا۔ جب دہلی کے شب و روز مرزا مظہر جان جاناں پر گراں گزرنے لگے، تو امروہہ ہی میں ان کو امن و عافیت کا سانس لینا نصیب ہوا، مولانا سید احمد شہید (رائے بریلویؒ) نے جب جہاد کا نعرہ بلند کیا، تو یہاں کے در و دیوار سے '' لبّيك'' کی صدائیں بلند ہوئیں، جب برطانوی انتقام کے شعلے درگاہ بابا فرید

پاک پٹن تک پہنچے، تو اس قصبہ کے ایک فریدی بزرگ شیخ ارشاد علی ہی نے ان شعلوں کو بجھایا، سرسید (احمد خاں) کی تعلیمی تحریک کا ایک ستون، نواب وقارالملک (مولوی مشتاق حسین) اسی سرزمین امروہہ سے تعلق رکھتا تھا، یہ کہنا تو صحیح نہ ہوگا کہ ؎

رہتے تھے یہاں منتخب ہی روزگار کے

لیکن اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اس سرزمین نے بہت سے ''لعل و گوہر'' پیدا کیے، ہندوستان کی کوئی علمی اور مذہبی تاریخ امروہہ کے علمی اور تہذیبی کارناموں کو نظر انداز نہیں کر سکتی، جس سرزمین سے ''ریاض الفصحاء، عقد ثریا، تفسیر شاہی، مقاصد العارفین، بشیر النصائح بشیر المدائح، قرابادین جلالی، تشخیص الکامل'' وغیرہ کتابیں لکھی گئی ہوں، جہاں سید شرف الدین سہروردیؒ، شیخ چاندلدہؒ، پیر شاہ ابنؒ نے اپنا رخت سفر کھولا ہو، جہاں '' شاہ عضد الدین جعفریؒ، شاہ عبدالہادیؒ شاہ عبدالباریؒ'' نے تزکیہ نفس کے درس دیے ہوں، جہاں (سید العلماء) مولانا سید احمد حسنؒ جیسے محدث، حکیم بخش اللہ جیسے طبیب، حکیم مولانا محمد حسن جیسے متبحر عالم پیدا ہوئے ہوں، علمی دنیا میں اس کے مقام سے کون انکار کر سکتا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ امروہہ کی وہ دنیا، جس نے ان بزرگوں کو پیدا کیا تھا، تاریخ کے دھندلکوں میں غائب ہو چکی ہے۔

خزاں کے دن جو جا دیکھا، نہ تھا جز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

❑ ❑ ❑

دوسری فصل
امروہہ کا علمی مقام

ہر دور میں علماء و مشائخ نے سرزمین امروہہ میں علوم و معارف کے دریا بہائے اور شریعت و طریقت کے اسرار و رموز کے آشنا اور علوم نبوت کے شناور اس سرزمین سے تیار ہوئے اور ایک عالم کو اپنی علمی ضیا پاشیوں سے منور کیا، ان باکمال سیکڑوں علماء میں سے ان چند کا ذکر مختصر تعارف کے ساتھ نذر ناظرین کیا جاتا ہے کہ جن کے علوم و معارف سے نہ صرف برِ صغیر؛ بلکہ ایشیا، یورپ، افریقہ، امریکہ اور آسٹریلیا نے بھی فیض حاصل کیا۔

قاضی نظام الدین صدیقیؒ:

قاضی نظام الدین، عہد فیروز شاہ خلجی [ت ۱۹/ ذی الحجہ ۶۹۵ھ] میں امروہہ کے قاضی تھے، آپ کے جدِ چہارم قاضی جلال الدین، عہدِ بلبنی کے اکابر فضلاء میں سے تھے، سلطان شمس الدین التمش [ت ۶۳۳ھ = ۱۲۳۶ء] کے عہد میں بخارا سے ہندوستان آئے اور درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔(۱)

ضیاء الدین برنی [۶۸۳ھ = ۱۲۸۴ء – ۱۳۵۷ء] بلبنی عہد کے علماء کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''قاضی جلال الدیں وچندیں استادان ومفتیان وسرآمدگان کہ..... علماء عہد شمسی بودند، در گفتنِ سبق ونوشتنِ جوابِ فتویٰ معتبر بودند۔'' (۲)

[ترجمہ: قاضی جلال الدین، سلطان شمس الدین التمش کے عہد

(۱) تذکرۃ الکرام
(۲) تاریخ فیروز شاہی

کے ان اساتذہ، مفتیان کرام اور معزز لوگوں میں تھے، جو درس و
تدریس اور فتوی نویسی میں لائق اعتماد سمجھے جاتے تھے۔]

قاضی نظام الدینؒ کی شادی قصبہ ''سرسی'' میں حضرت شاہ جمال عاشق چشتیؒ (م:۶۹۰ھ) کی صاحبزادی سے ہوئی، جن کے بطن سے آپ کے ایک فرزند قاضی نصر اللہ ہوئے، جو عہدِ فیروز شاہ تغلق [ت ۲۱/ستمبر ۱۳۸۸ء=۱۸/رمضان ۷۹۰ھ عہد حکومت: ۲۰/مارچ ۱۳۵۱ء=۲۱/محرم ۷۵۲ھ-۲۱/ستمبر ۱۳۸۸ء=۱۸/رمضان ۷۹۰ھ] کے فضلاء میں سے تھے۔

محمود احمد عباسی لکھتے ہیں:

''روایت ہے کہ بادشاہ کے دربار میں کوئی مسئلہ فقہی، جس کے حل کرنے
سے علماء وقت عاجز تھے، قاضی نصر اللہ مذکور نے حل کیا تھا۔''(۱)

قاضی نظام الدین کے اخلاف میں بہت سی نامور ہستیاں ہوئی ہیں، خصوصاً حضرت شاہ عبدالہادیؒ اور حضرت شاہ عبدالباریؒ چشتیہ سلسلہ کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔

قاضی شیخ چاندہ منور فاروقی خطیب:

شیخ المشائخ شیخ چاندہ منور، بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ [ت ۵/محرم ۶۷۰ھ= ۱۳/اگست ۱۲۷۱ء] کی اولاد میں تھے، شیخ منور [ولادت ۸۴۴ھ] کی تعلیم و تربیت میں آپ کے والد(۲)، دادا(۳) اور پردادا(۴) تینوں کا ہاتھ رہا اور آپ نے ہر سہ حضرات سے فیض حاصل کیا، تفسیر، حدیث اور فقہ کی تحصیل کی، ۸۶۲ھ میں پرگنہ رجب پور کا منصب قضاء و خطابت تفویض ہوا، سلطان سکندر لودھی[۷/ ذی قعدہ ۹۱۵ھ=۱۷/

(۱) تذکرۃ الکرام
(۲) [شیخ المشائخ حضرت نور الدین محمد موسیٰ حاجیؒ-۸۱۱ھ-۸۹۸ھ]
(۳) [شیخ ضیاء الدین فریدی-۷۹۰ھ-۸۷۲ھ]
(۴) [خواجہ بہاء الدین فریدی-۷۶۸ھ-۱۴/صفر ۸۶۳ھ]

فروری۱۵۱۰ء] نے مضافات سنبھل میں دوگاؤں: مدن پور اور سید پور بطورِ عقیدت نذر کیے اور اپنے فرمان (۸۹۹ھ) میں اس طرح تحریر کیا ہے:

"شیخ المشائخ شیخ چائلدہ منور نبیرہ قطب العالم بندگی شیخ فرید گنج شکر۔"

۹۱۸ھ میں وفات ہوئی، شیخ منور کے برادرِ خورد شیخ محمد طاہر [ت ۹۲۱ھ] کی اولاد میں حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ تھے۔

مولانا محمد میر عدل حسینی:

مولانا محمد میر عدل حسینی، شاہ شرف الدین حسن معروف بہ شاہ ولایت حسینی کے احفاد میں سے تھے، عہد اکبری کے مشاہیر علماء، فضلاء اور ارکینِ سلطنت میں سے تھے، آپ ۹۰۰ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد سنبھل جاکر شیخ حاتم سنبھلیؒ کے درس میں شریک ہوئے اور کافی عرصہ وہاں رہ کر تحصیل علم کی، مولانا جلال دانشمند سے بدایوں جاکر علم حدیث حاصل کیا، علم وفن میں خوب مہارت بہم پہنچائی اور وطن واپس آکر درس وتدریس میں مشغول ہوگئے، تقریباً پندرہ بیس سال تک یہ سلسلہ جاری رہا، صاحب "منتخب التواریخ" ملاّ عبدالقادر بدایونی نے بھی آپ سے درس لیا، ۹۶۶ھ میں بیرم خاں [ت ۱۴/ جمادی الاخری ۹۶۸ھ = ۳۱/جنوری ۱۵۶۱ء] کے ذریعہ اکبر [۹۴۹ھ=۱۵/اکتوبر۱۵۴۲ء- ۱۳/ جمادی الاخری ۱۰۱۴ھ=۱۶/اکتوبر۱۶۰۵ء] کے دربار میں پہنچے اور کچھ ہی عرصہ میں وہاں اپنی علمیت کی وجہ سے نمایاں مقام حاصل کیا۔ ۹۸۱ھ میں میر عدل کے عہدے پر فائز ہوئے۔

محمود احمد عباسی لکھتے ہیں:

> "وہ اپنے خاندان کے پہلے فرد تھے، جو شاہی ملازمت میں داخل ہوکر اعلیٰ مرتبہ پر پہنچے، ملازمت بھی اگرچہ آخر حصہ عمر میں اختیار کی تھی؛ لیکن بایں ہمہ ان کا تبحر علمی، ان کا زہد وتقوی، ان کا تدین، ان کی راست بازی، ان کا بے لاگ انصاف، ان کی شجاعت، ان

کی شہامت، ان کا تدبر، ان کی حمیت دینی، ان کا جوش اسلامی یہ
اور اسی قسم کے وہ مختلف اوصاف اور کمالات تھے، جن کی بدولت
بہت جلد انہیں درجہ اختصاص اور علوئے مرتبت حاصل ہو گیا اور وہ
۹۸۱ھ میں میر عدلی کے اعلیٰ منصب پر مامور ہوئے۔"(۱)

ملاّ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

"اس منصب جلیل القدر میں انھوں نے عدالت و انصاف اور
صدق و امانت کا طریقہ اختیار کیا تھا، یہاں تک کہ "قاضی
القضاۃ" بھی ان کی بزرگی عمر کے لحاظ سے خیانت اور خباثت
سے باز رہتا تھا، جب تک وہ شاہی دربار میں رہے، کسی بدعتی اور
ملحد کو دینِ اسلام میں رخنہ ڈالنے کی جرأت نہ تھی۔"(۲)

۹۸۳ھ میں صوبہ سندھ کے صوبہ دار (گورنر) مقرر ہوئے، وہاں کے انتظامات کو آپ نے بڑی خوبی سے انجام دیا، آپ کی بزرگی، زہد و ورع اور علمی تبحر کی وجہ سے اکبر بادشاہ بھی آپ کا ادب واحترام کرتا تھا۔ ۸/شعبان ۹۸۵ھ میں وفات ہوئی۔ بھکر صوبہ سندھ کے پرانے قلعہ میں تدفین ہوئی۔

مولانا اِلٰہ داد عباسیؒ:

مولانا الٰہ داد عباسی، عہد اکبری کے فضلاء میں سے تھے۔

ملاّ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

"ہوشیار، عالم، خوش اخلاق، بے فکر، شیریں سخن، خوش صحبت،
ملنسار تھے، ظرافت میں لطافت رکھتے تھے، محفل کی رونق اور اہل

---

(۱) بحوالہ تذکرۃ الکرام
(۲) بحوالہ منتخب التواریخ

مجلس کے لیے وجہِ شادمانی تھے۔'' (۱)

آپ ابتداءً جلال الدین محمد اکبر کی فوج میں ملازم تھے۔ ۹۸۹ھ مطابق ۱۵۸۱ء میں کابل کی مہم میں جس میں اکبر خود شریک تھا، آپ ایک فوجی دستہ کے سردار تھے۔ آپ ''یک صد و پنجاہی ذات'' کے منصب پر سرفراز اور بادشاہ اکبر کے معتمد علیہ تھے، صوبہ پنجاب کی حکومت جب راجہ بھگوان داس [ت ۹۹۸ھ] (۲) اور سعید خاں کے سپرد ہوئی، تو ''معافیات'' کی تحقیقات کے لیے علماء کا ایک کمیشن مقرر کیا گیا، آپ بھی اس کمیشن میں شامل تھے۔ ۹۹۰ھ میں سیالکوٹ کے نواح میں وفات ہوئی، جسد کو وطن (امروہہ) لاکر سپرد رحمت کیا گیا۔

مولانا شاہ سید ضیف اللہ نقشبندی مجدّدیؒ:

حضرت مولانا شاہ ضیف اللہ نقشبندی مجدّدیؒ کے دادا محمد اشرف حسینی، عہد محمد شاہ بادشاہ [۱۴/ ربیع الاول ۱۱۱۴ھ = ۷/ اگست ۱۷۰۲ء - ۲۷/ ربیع الآخر ۱۱۶۱ھ = ۱۶/ اپریل ۱۷۴۸ء] میں دہلی سے امروہہ آئے، آپ احمد شاہ ابدالی [ت ۱۱۸۲ھ = ۱۷۷۲ء] کے منصب دار، ذی علم، صوفی منش اور مولانا حاجی محمد اعتماد الدین کے مرید اور داماد تھے۔ مولانا شاہ ضیف اللہ صاحب کی ولادت ۱۱۴۵ھ میں دہلی میں ہوئی، صغر سنی میں دہلی سے والدین کے ساتھ امروہہ آئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، پھر دہلی جاکر علمائے وقت خصوصاً حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ [۱۱۵۹ھ = ۱۷۴۶ء - ۷/ شوال ۱۲۳۹ھ = جون ۱۸۲۴ء] سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تکمیل کی اور حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ [۱۱۱۰ھ = ۱۶۹۸ء - ۱۰/ محرم ۱۱۹۵ھ = ۶/ جنوری ۱۷۸۱ء] سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور خلافت پائی۔ آپ سلسلۂ چشتیہ قادریہ

(۱) بحوالہ منتخب التواریخ

(۲) [یہ جے پور کا راجہ، راجہ کچھواہہ کا بیٹا تھا، اسے اکبر کی طرف سے ''امیر الامراء'' کا لقب ملا تھا، یہ اکبر کا نہایت وفادار سردار اور بے تعصب شخص تھا۔ قاموس المشاہیر ۱/۱۴۳]

میں بھی اپنے والد سے بیعت تھے، تعلیم سے فراغت کے بعد امروہہ میں اپنے مکان کے قریب محلّہ ''کٹ کوئی'' میں ایک مسجد اور جانب شمال خانقاہ تعمیر کی، مدۃ العمر درس و تدریس کا شغل رہا، کثرت سے تشنگانِ علوم دینیہ کو مستفیض فرمایا۔

محمود احمد عباسی لکھتے ہیں:

> ''حضرت شاہ صاحب (مولانا شاہ ضیف اللہ) اعلیٰ درجہ کی روحانیت کے مالک، سراپا نور، صاحب جلال و جمال، طہارت ظاہری و باطنی میں بے مثال، نہایت قانع اور متوکل بزرگ تھے، آپ کے علم و فضل اور کمالات باطنی کا شہرہ سن کر نواب فیض اللہ خاں والی رامپور نے آپ کے رامپور میں قیام فرمانے کی خواہش کی، جاگیر و وظیفہ مقرر کرنا چاہا؛ مگر آپ نے فقر و توکل کی مسند چھوڑ کر دربارِ امراء کی حاضری پسند نہ فرمائی۔''(۱)

آپ نے ایک کتاب ''مصباح الایمان'' تصنیف فرمائی تھی، جس میں احادیث صحیحہ کا انتخاب تھا۔ ۹ رجب ۱۲۴۰ھ، بوقت عصر، بحالت سجدہ انتقال کیا، اپنی خانقاہ کے صحن کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔

مولانا قاری امام الدین نخشبیؒ:

قاری امام الدین نخشبیؒ کی ۱۱۹۳ھ میں ولادت ہوئی، آپ کے والد خاندانِ نخشبی میں پہلے شخص تھے، جنھوں نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا، آپ بھی ابتدائے عمر میں اپنے باپ کے مسلک پر رہے، حضرت شاہ ضیف اللہ نقشبندیؒ سے تحصیل علم کی، اسی کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ آپ نے اپنے آبائی مذہب اہل سنت والجماعت کو اختیار کر لیا، مذہب کی تبدیلی کی بنا پر باپ کی سختیوں سے عاجز آ کر، حضرت شاہ ضیف اللہؒ کے مشورے سے دہلی چلے گئے، وہاں

---

(۱) بحوالہ تذکرۃ الکرام

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ [ت ۹/ رجب ۱۲۴۳ھ=۱۸۳۶ء] کے درس میں شامل ہو گئے اور تکمیل کی۔

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ [۱۲۰۸ھ=۱۷۹۳ء-۲۲/صفر ۱۳۱۳ھ = ۱۸۹۵ء] بھی آپ کے ہم درس تھے، طالب علمی کے زمانہ میں وہ بھی اپنے رفیقِ درس کے ہمراہ امروہہ آتے رہتے تھے اور قاری صاحب کی مسجد میں ٹھہرتے تھے، قاری صاحبؒ نے سلوک کی منازل حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجدّدیؒ (۱) [۱۱۵۶ھ=۱۷۴۳ء-۲۲/صفر

(۱) [حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ آپ کی ولادت ۱۱۵۶ھ میں بٹالہ پنجاب میں ہوئی۔ اپنے علاقہ میں تحصیل علوم کرنے کے بعد بقیہ علوم کی تکمیل کے لیے دہلی آئے وہاں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے تحصیل و تکمیل کرکے سند حدیث حاصل کی۔ ۲۲ سال کی عمر میں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ سے منازل سلوک طے کر کے نقشبندیہ مجددیہ میں خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت مرزا صاحبؒ کی شہادت کے بعد ان کی مسند ارشاد پر رونق افروز ہو کر جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ عرب و عجم کے علماء، مشائخ آپ کی مجلس میں حاضر ہو کر ''یقین محکم'' کی دولت حاصل کرتے تھے۔ آپ روزانہ دس پارہ کی تلاوت کرتے تھے، خود بھی اتباع شریعت کا اہتمام کرتے، اپنے مریدین کے اعمال، اخلاق اور اوراد و اذکار کی نگرانی فرماتے۔ سرسید احمد خاں ''آثار الصنادید'' میں آپ کی خصوصیات و معمولات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''آپ زہد، قناعت، تسلیم و رضا، توکل و ایثار اور ترک و تجرید میں یگانۂ دہر تھے۔ سادہ زندگی بسر کی قیمتی لباس اور لذیذ کھانوں سے پرہیز کیا۔ اول وقت نماز فجر پڑھ کر تلاوت قرآن مجید کر کے اپنے اصحاب کو توجہ دیتے۔ نماز اشراق پڑھ کر تفسیر و حدیث کا درس دیتے۔ دوپہر کو تھوڑا سا کھانا تناول فرما کر قیلولہ فرماتے۔ اول وقت نماز ظہر پڑھ کر فقہ، حدیث اور تصوف کا درس دیتے تھے۔ عصر تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ پھر بعد نماز عصر اپنے اصحاب کو توجہ دیتے۔ رات کا اکثر حصہ عبادت میں صرف فرماتے۔ بہت کم سوتے۔ آپ کا سونا مصلی پر ہی ہوتا تھا۔ آپ کی خانقاہ میں سیکڑوں طالبین اور درویش رہتے تھے جن کو آپ کے مطبخ سے کھانا ملتا تھا۔'' آپ کے خلفاء بڑی تعداد میں تھے ہندوستان کا شاید ہی کوئی شہر ہو جہاں آپ کا کوئی خلیفہ نہ ہو، صرف انبالہ شہر میں پچاس خلفاء تھے۔ ان خلفاء میں بہت سے علماء اور مشائخ تھے۔ آپ کی تصانیف کافی ہیں جن میں ''مقامات مظہریہ'' اور ''ایضاح الطریقہ'' بہت اہم ہیں۔ آپ کا وصال ۲۲ صفر ۱۲۴۰ھ کو دہلی میں ہوا اور خانقاہ مظہریہ چتلی قبر میں اپنے شیخ کے پہلو میں آغوش رحمت ہوئے۔ (ماخوذ از: قافلہ اہل دل) (محب الحق)]

۱۲۴۰ھ=۱۸۲۴ء] سے طے کیں اور خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے، پیر و مرشد کے حکم کے مطابق قاری صاحب اپنے وطن امروہہ واپس آئے اور درس وافادہ میں مصروف ہوئے، تواضع اور کسر نفسی آپ کا شیوہ تھا، مرید بہت کم کرتے تھے۔

چہرہ نورانی، خندہ پیشانی، عابد وزاہد بزرگ تھے، کوئی سنت؛ بلکہ مستحب بھی نہیں چھوڑتے تھے، بعد نمازِ فجر، اشراق سے فارغ ہوکر تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیتے تھے، دور دور سے تشنگانِ علوم آتے اور ان کے دریائے فیض سے سیراب ہوتے تھے، ظہر کے بعد بھی درس دیتے تھے، بعد نمازِ عصر طالبانِ حق کی تعلیمِ باطنی میں مشغول ہوجاتے تھے، جمعہ کے دن وعظ کہتے تھے، قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتیؒ (۱) نے امروہہ آکر آپ سے تجوید پڑھ کر سند حاصل کی اور بخاری کے بھی چند پارے پڑھے۔

مولانا آلِ حسن نخشی (۲) لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا قاری امام الدین کے ذریعہ علم تجوید وقرأت کی

---

(۱) [آپ کا وطن پانی پت صوبہ ہریانہ تھا، نحو اور عربی کے رسائل اپنے والد سے پڑھے پھر قاری سید امام الدین نخشی امروہیؒ سے شاطبی، مشکوٰۃ، طریقۃ المحمدیہ، فرائض اور سبعہ کی قرأت بھی پڑھی اور بخاری شریف کے چند پارے بھی پڑھے۔ دہلی جاکر مولانا رشید الدین خاں دہلویؒ سے ادب کی کتابیں پڑھیں مولانا سید محمد دہلویؒ سے شرح عقائد، حاشیہ خیالی پڑھی۔ مولانا مملوک علی صدیقی نانوتویؒ سے سوائے صحاح ستہ کے معقولات ومنقولات پڑھے۔ حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے صحاح ستہ کی تکمیل کرکے سند فراغت حاصل کی۔ بعد فراغت ''باندہ'' چلے گئے۔ نواب ذوالفقار الدولہ نے جو وہاں کے نواب تھے وظیفہ مقرر کردیا۔ اپنے استاذ شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ کی ہجرت کے بعد مستقل پانی پت میں قیام کیا اور وہاں بھی تفسیر وحدیث کی خدمت میں مصروف رہے۔ مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ اور مولانا محمود حسن عثمانی دیوبندیؒ نے بھی آپ سے حدیث کی اجازت حاصل کی۔ بہت سے رسائل تصنیف کیے۔ ۵/ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ میں وصال ہوا۔ پانی پت میں مدفون ہیں۔ مفصل حالات مقالاتِ فریدی جلد دوم مرتبہ راقم اور تذکرہ رحمانیہ میں ملاحظہ کریں۔]

(۲) نخبۃ التواریخ۔ مولانا آل حسن نخشی صاحب نخبۃ التواریخ مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ آپ کے داماد تھے۔

بھی بڑی اشاعت ہوئی۔ ''کشف الغطاء، ردّ الرباء، السماع والغناء'' اور چند تجویدی رسائل آپ نے تالیف فرمائے تھے''۔

۶ رذی قعدہ ۱۲۵۶ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔(۱)

مولانا امداد العلی امروہیؒ:

شیخ وزیر علی کے صاحبزادے تھے اور امروہہ کے ساکن تھے، آپ فاضل کامل، عالم متبحر، حافظ و قاری، محدث، مقتدائے وقت اور طبیب بے بدل تھے، ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتیؒ سے، جن کا قیام اس زمانہ میں امروہہ میں تھا، علم تجوید و قرأت سیکھی، مولانا مملوک علی صدیقی نانوتویؒ [۱۲۰۴ھ=۱۷۸۹ء - ۱۲۶۷ھ= ۱۸۵۱ء] (۲) اور حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر مکیؒ [۱۱۹۷-۱۲۶۲ھ](۳) سے اخذ علوم

---

(۱) بحوالہ قافلہ اہل دل

(۲) [الشیخ العالم الکبیر المحدث (محمد) یعقوب بن (مولانا) مملوک علی الصدیقی الحنفی النانوتوی، آپ ہندوستان کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس آپ ہی تھے۔ اکابر دیوبند میں جن حضرات کی دستار بندی و تعلیم ۱۳۰۱ھ تک ہوئی وہ آپ ہی کے تلامذہ میں سے تھے۔ ۳ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ میں نانوتہ میں آپ کا وصال ہوا۔ (ماخوذ از: نزہۃ الخواطر جلد ہشتم) فریدی] (جواہر پارے-۷۵)

(۳) [مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر مکیؒ کی ولادت ۸ رذی الحجہ ۱۱۹۶ھ یا ۱۱۹۷ھ کو دہلی میں ہوئی۔ آپ نے اپنے نانا کی گود میں پرورش پائی اور صرف ونحو کافیہ تک مولانا عبدالحی بڈھانویؒ سے پڑھی۔ تمام کتب درسیہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ سے پڑھیں اور حدیث بھی۔ اپنے نانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے سند حدیث حاصل کی۔ آپ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نزدیک بیٹے کے مانند تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ کو اپنا جانشین بنایا، اپنی تمام کتابیں اور سکنائی جائیداد ہبہ کردی۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے وصال کے بعد آپ ان کے قائم مقام ہوئے۔ ''حرمین شریفین'' کا پہلا سفر ۱۲۴۰ھ میں کیا اور حج سے مشرف ہوئے۔ ''مکہ معظمہ'' میں حدیث کی سند شیخ عمر بن عبدالکریمؒ (متوفی ۱۲۴۵ھ) سے بھی حاصل کی۔ پھر ہندوستان واپس آئے اور دہلی میں درس حدیث کا سلسلہ سولہ سال تک جاری رکھا۔ ۱۲۵۸ھ میں اپنے بھائی شاہ محمد یعقوبؒ اور تمام اہل وعیال کے ساتھ ''مکہ معظمہ'' کی ہجرت کی اور دوبارہ حج کے بعد ''مکہ'' میں اقامت پذیر ہوگئے۔ مکہ معظمہ میں وبائے عام کے اندر روزہ کی حالت میں ۲۷ ررجب ۱۲۶۲ھ میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے مزار مبارک کے قریب دفن ہوئے۔ (ماخوذ از: مقالاتِ فریدی جلد دوم) (محب الحق)]

کیا،طب کی تکمیل حکیم غلام حسنؒ اور حکیم امام الدین خاں دہلویؒ سے کی، بعد تحصیل وتکمیلِ علوم امروہہ ہی میں قیام رہا اور مدت العمر اپنے مکان واقع محلّہ مولانا (ملّانہ) پر درس و تدریس اور مطب کا شغل رہا، نہایت نیک نہاد، گوشہ نشین وعزلت گزیں بزرگ تھے۔ تصنیف وتالیف کا بھی شوق تھا، علم طب کے عملی ونظری فنون میں ایک مبسوط کتاب ''سراج الوہّاج'' نامی عربی میں تالیف کی، اس کے علاوہ متعدد رسائل ''مجمع البحرین'' وغیرہ مختلف مسائل کی تحقیقات میں لکھے، تاحیات جامع مسجد امروہہ کی امامت بھی آپ سے متعلق رہی، خاندانِ بنی القضاۃ میں شیعی عقائد کا شیوع ہونے لگا، تو عیدین کی نماز بھی آپ ہی پڑھانے لگے، تقریباً ۱۲۸۲ھ میں وفات ہوئی۔(۱)

حضرت مولانا حافظ سید عبد الحی نقشبندی مجدّدی دہلوی ثم امروہیؒ:

مولانا حافظ عبد الحی دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی، حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددی دہلویؒ [۱۱۵۶-۱۲۴۰ھ] کی خدمت میں سلوک طے کیا اور خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے، پیر ومرشد کے حکم سے امروہہ تشریف لائے اور یہیں سکونت اختیار کی، محلّہ ملّانہ کی ایک مسجد کے حجرے میں ذکر وفکر میں مشغول رہ کر اپنی پوری عمر گذاری، معمولات کے پابند رہے، آپ کمالات ظاہری وباطنی سے آراستہ عالم وفاضل اور مقتدائے وقت تھے، متوکلانہ زندگی بسر کی، اہل دنیا سے اجتناب رہتا تھا، کثرت سے تلاوت قرآن فرماتے تھے اور مراقبہ ومجاہدہ کا شغل بھی رہتا تھا، اگر کوئی ملنے آتا، تو ایک دو باتوں کے بعد سلام کرکے حجرے میں واپس ہوجاتے تھے، غیر ضروری بات کسی سے نہیں کرتے تھے۔ ۱۲۵۱ھ میں وصال ہوا اور اسی مسجد کے صحن میں، جس کے حجرے میں رہتے تھے، مدفون ہوئے۔(۲)

---

(۱) ماخوذ از تذکرۃ الکرام مؤلفہ محمود احمد عباسی، ومقالاتِ فریدی جلد دوم

(۲) بحوالہ قافلہ اہل دل

سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدثؒ:

مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ ساداتِ رضویہ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ عہد اکبری کے مشہور مشائخ شاہ عبد اللہ معروف بہ شاہ ابّن [متوفی ۹۸۷یا۹۹۵ھ=۱۵۷۹ء] (۱) کی اولاد میں سے تھے، آپ کی ولادت ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۰ء میں ہوئی۔

فارسی، عربی کی ابتدائی تعلیم امروہہ کے بلند پایہ علماء مولانا سید رافت علیؒ، مولانا کریم بخش نخشیؒ اور مولانا محمد حسین جعفریؒ سے حاصل کی، بعدہٗ حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں پہنچ کر حدیث اور دوسرے علوم کی تکمیل کی، مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ [تقریباً ۱۲۲۵ھ = ۱۸۰۸ء- ۶/ جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ = ۱۷/ اپریل ۱۸۸۰ء]، مولانا عبد القیوم بڈھانوی ثم بھوپالیؒ (۲) [۱۲۳۱ھ-۱۲۹۹ھ] اور مولانا قاری عبد الرحمٰن محدث پانی پتیؒ [۱۳۱۴ھ= ۱۸۹۶ء] سے بھی اجازت حدیث حاصل کی، حضرت شاہ عبد الغنی مجدّدی دہلوی مہاجر مدنیؒ [شعبان ۱۲۳۴ھ = جون ۱۸۱۹ء- ۷/محرم ۱۲۹۶ھ = ۳۱/ دسمبر ۱۸۷۸ء] سے مدینہ منورہ میں سند حدیث حاصل کرنے کا شرف پایا، قاسم العلوم والمعارف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ [شوال ۱۲۴۸ھ=۱۸۳۳ء-۴/ جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ=۱۵/ اپریل ۱۸۸۰ء] کے علاوہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۳) [۳۱/ دسمبر ۱۸۱۷ء - ۱۸/ اکتوبر ۱۸۹۹ء]

---

(۱) آپ علاء الدین فیل مست فریدی کے مرید وخلیفہ تھے، ملا عبد القادر بدایونی نے آپ کا سن وفات ۹۸۷ھ لکھا ہے، جب کہ صاحب اسراریہ نے ۹۹۵ھ لکھا ہے اور ساتھ ہی یہ مصرعہ تاریخ بھی لکھا ہے ”آہ آہ شیخ ابّن آہ آہ“۔

(۲) [مفصل تذکرہ کے لیے دیکھیں: مقالات فریدی ۱/ ۱۱۵-۱۱۸]

(۳) [شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔ آپ کا پدری وطن تھانہ بھون، مادری وطن نانوتہ ضلع سہارنپور ہے۔ نانوتہ ہی میں ۲۲/صفر ۱۲۳۳ھ/۱۸ اپریل ۱۸۱۸ء میں ولادت باسعادت ہوئی۔ سلسلۂ نسب فرخ شاہ کابلی کے واسطے سے حضرت عمر فاروق اعظمؓ سے متصل ہوتا ہے۔ علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد جو کافیہ تک تھی، حضرت شیخ نور محمد جھنجھانویؒ سے منازل سلوک طے کیں۔ ان سے پہلے شاہ نصیر الدین دہلویؒ سے نقشبندیہ سلسلہ میں اجازت تھی۔ آپ کے خلفاء ہندوستان کی عظیم شخصیتیں تھیں۔ خصوصاً قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، قاسم العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، سید العلماء مولانا......

سے بھی اجازت بیعت اور خلافت حاصل تھی۔

درس و تدریس کا آغاز مدرسہ قاسمیہ، خورجہ، ضلع بلندشہر سے ہوا، پھر منشی حمید الدین بیخود سنبھلی نے اپنے مدرسہ سنبھل میں بلالیا، وہاں سے مدرسہ عبدالرب دہلی چلے گئے، حضرت نانوتویؒ کی ایماء سے ۱۲۹۶ھ میں مدرسۃ الغرباء (مدرسہ شاہی) مراد آباد قائم ہوا(۱)، تو اس کے پہلے صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی مسند جلیلہ پر جلوہ افروز ہوئے، حضرت محدث امروہیؒ ہر جگہ صدر مدرس کے منصب پر فائز رہے، شوال ۱۳۰۳ھ میں مدرسہ شاہی

........سید احمد حسن محدث امروہیؒ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ مریدین کی تعداد لاکھوں تک ہے۔ آپ کے فیض سے نہ صرف ہندوستان بلکہ سارا عالم فیضیاب ہوا۔ وطن کی آزادی کے لیے ۱۸۵۷ء میں آپ کی امارت میں شاملی کے میدان میں اکابر دیوبند نے بھرپور حصہ لیا مگر ناکامی ہوئی۔ شکست کے بعد ''مکہ معظّمہ'' ہجرت کر گئے۔ وہاں چودہ سال قیام رہا۔ رشد وہدایت کی مشغولیت کے باوجود خلفاء اور مریدین کی رہبری کے لیے ''ضیاء القلوب، ارشاد مرشد، جہاد اکبر، غذائے روح'' کتابیں تصنیف کیں۔ ۲۲/ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ موافق ۱۸/ اکتوبر ۱۸۹۹ء میں وصال ہوا۔ ''جنت المعلیٰ'' ابدی آرام گاہ بنی۔]

(۱) [مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی اپنی کتاب: ''قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، احوال و آثار و باقیات ومتعلقات'' میں لکھتے ہیں: مراد آباد کا مدرسہ ''مدرسۃ الغرباء'' واقع شاہی مسجد مراد آباد، جو مدرسہ شاہی کے نام سے مشہور ہے اور ہندوستان کے اہم اور ممتاز دینی مدارس میں شمار کیا جاتا ہے، ۱۹/ صفر ۱۲۹۶ھ (۱۲/ فروری ۱۸۶۹ء) کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی سرپرستی میں مدرسہ کا افتتاح ہوا اور مدرسہ کے مطبوعہ ریکارڈ کے مطابق مولانا سید احمد حسن امروہوی پہلے استاد اور صدر مدرس مقرر ہوئے۔ ملاحظہ ہو: تاریخ شاہی نمبر، ماہنامہ ندائے شاہی مراد آباد، صفحہ ۴۶ مراد آباد: ۱۴۱۳ھ یہی مولانا فریدیؒ نے بھی لکھا ہے (مکتوبات سید العلماء، صفحہ ۲۹۶ مولانا احمد حسن امروہوی، مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی (امروہہ: ۱۴۱۰ھ) مگر یہ اطلاع صحیح نہیں ہے، حضرت نانوتویؒ کے اس خط (یہ خط کتاب میں موجود ہے، جس پر تخمینی تاریخ شعبان ۱۲۹۱ھ ستمبر ۱۸۷۴ء لکھی ہے) سے نیز دارالعلوم دیوبند کے محافظ خانہ میں موجود بعض تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدرسہ کے سب سے پہلے مدرس مولانا فخرالحسن گنگوہی تھے اور مدرسے کا اس تاریخ سے کئی سال پہلے آغاز ہو چکا تھا۔ (قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، احوال و آثار و باقیات ومتعلقات-۲۹۹)]

سے مستعفی ہوکر اپنے وطن کی جامع مسجد میں ایک پرانے مدرسے کی نشأۃِ ثانیہ کی اور اس میں جملہ علوم وفنون کی تعلیم جاری کی۔

آپ کی شخصیت کی وجہ سے بہت جلد سمرقند، بخارا، کابل، پشاور کے طلباء سے مدرسہ معمور ہوگیا اور یہ امروہہ کی قدیم دور کی علمی روایات کا گہوارہ بن گیا۔ آپ علم الادیان کے ساتھ علم الابدان کی بھی تعلیم دیتے تھے، حضرت محدث امروہیؒ کی تقریر نہایت جامع، شستہ اور پُرمغز ہوتی تھی، آپ تقریر میں اپنے استاذ حضرت نانوتویؒ کا مکمل نمونہ تھے، اپنی مخصوص صلاحیتوں کی بنا پر علوم قاسمی کے امین اور حضرت نانوتویؒ کی مجسم تصویر تھے، علوم قاسمی کی ترویج واشاعت میں پوری عمر مصروف رہے۔

درس وتدریس کی مشغولیت کے ساتھ اپنے استاذ معظم مولانا نانوتویؒ کے نصب العین پر پوری طرح کمربستہ تھے، جب بھی باطل فرقوں نے سر اٹھایا، اس کو بیخ وبُن سے اکھاڑ پھینکا۔ امروہہ ہو یا یہاں سے دور دراز دہرہ دون، بھاگلپور ہو ہر جگہ آپ دینِ محمدی کی حفاظت کے لیے کمربستہ نظر آتے ہیں، اگر آپ ایک طرف مفسر ومحدث تھے، تو دوسری طرف مبلغ، مقرر، واعظ اور مناظر بھی تھے، گلاؤٹھی، نگینہ اور رامپور کے مناظرے مشہور ومعروف ہیں۔ آپ کی تحریر وتقریر میں قاسمی علوم پوری طرح نمایاں ہیں، گویا کہ اس وقت کے تمام اکابر کے آپ مرجع تھے۔

محمود احمد عباسی لکھتے ہیں:

> ''آپ ان جملہ علوم کی جو درس نظامی کے نظام تعلیم میں شامل ہیں، تعلیم دیتے؛ لیکن زیادہ تر شغل حدیث، تفسیر اور فقہ کی تدریس سے تھا۔ آپ کے تلامذہ سے سنا گیا کہ بیان ایسا واضح اور پُرشوکت ہوتا کہ دقیق سے دقیق مسائل طلباء کی سمجھ میں بہت سہولت سے آجاتے تھے اور اس کے ساتھ مضمون کی عظمت بھی ذہن نشین

ہو جاتی تھی"۔(۱)

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ [۱۳۰۵ھ=۱۸۸۷ء-۱۳۶۹ھ=۱۹۴۹ء] تحریر فرماتے ہیں:

"ہر شخص جس کو کچھ بھی تجربہ ہو یہ جانتا ہے کہ دنیا میں بہت کم علماء ایسے ہوئے ہیں، جن کو علمی شعبوں کی ہر شاخ میں پوری دستگاہ حاصل ہو، مثلاً جن حضرات کو وعظ کہنے میں ملکہ ہوتا ہے، وہ تدریس پر پورے قادر نہیں ہوتے اور جو تدریس کے کام میں مشغول ہوتے ہیں، ان کو کسی مجمع میں وعظ یا تقریر کرنا مشکل ہوتا ہے، دینیات میں انہماک رکھنے والے اکثر معقول وفلسفہ سے ناآشنا ہوتے ہیں اور معقولات کے ماہرین کو علوم دینیہ سے بے خبری ہوتی ہے؛ لیکن قدرت نے اپنی فیاضی سے ہمارے مولانا میں یہ سب اوصاف اعلیٰ طور پر جمع کر دیے تھے، مولانا کی تقریر، تحریر، ذہانت، تبحر، اخلاق، علوم عقلیہ اور نقلیہ میں کامل دستگاہ ضرب المثل تھی اور سب سے زیادہ قابل قدر اور ممتاز کمال مولانا کا یہ تھا کہ حضرت قاسم العلوم والخیرات کے دقیق اور غامض علوم کو ان ہی کے لب ولہجہ اور طرز ادا میں صفائی اور سلاست کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔"(۲)

حضرت محدث امروہیؒ کا وصال ۲۹/ربیع الاول ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹/مارچ ۱۹۱۲ء میں ہوا۔

(ان ہی باکمال شخصیتوں میں ایک بلند پایہ نامور شخصیت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ کی تھی جن کا ذکر خیر آج کی صحبت میں نذرِ ناظرین کیا جارہا ہے؟) □□□

(۱) بحوالہ تذکرۃ الکرام (۲) بحوالہ سید العلماء

دوسرا باب

فریدی خاندان کا مختصر تذکرہ

نہ سو سو ناز ہو کیوں کر بھلا امدآد کمتر کو
وہ ہے اولاد میں خواجہ فریدالدین کاملؒ کی

فریدی خاندان کا مختصر حال

[فریدی خاندان امروہہ میں](۱)

امروہہ میں سب سے پہلے آباد ہونے والے فاروقی بزرگ حضرت شیخ سالار فریدیؒ (۷۰۷ھ-۸۰۰ھ) ہیں، آپ ۷۵۶ھ مطابق ۱۳۵۵ء کو سلطان فیروز شاہ تغلق (۷۵۱ھ-۷۹۱ھ) کی جانب سے جاگیر ملنے پر دہلی سے امروہہ آ کر آباد ہوئے۔(۲)

مؤرخ امروہہ محمود احمد عباسی لکھتے ہیں:

> ”شیخ سالار ابتدائے عہد سلطان فیروز شاہ تغلق میں بعطائے جاگیر امروہہ آئے۔ شیخ موصوف اسرار حقیقت کے راز دار اپنے بزرگوں کے فیض یافتہ اور خانوادۂ چشتیہ کے سربرآوردہ بزرگوں میں تھے۔ اپنے جد اعلیٰ شیخ الاسلام فریدالحق والدین مسعود گنج شکرؒ اور حضرت کے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے تمام تبرکات بھی اپنے ساتھ لائے......(۳) نصف صدی سے زیادہ عرصے تک یہ خاندان امروہہ میں بہ اعزاز و اکرام متوطن رہا۔

---

(۱) [بابا فریدؒ کی اولاد میں جن بزرگ کا تعلق سب سے پہلے امروہہ سے قائم ہوا، وہ ان کے فرزند شیخ محمد یعقوبؒ تھے؛ لیکن وہ غائب ہو گئے تھے اور امروہہ میں ان کی اولاد نے قیام نہیں کیا؛ اس لیے ان کا تذکرہ نہیں کیا جاتا ہے۔ دیکھیں ص (۵۹-۶۰) زیرعنوان نگاہِ فقر کا اقتباس]

(۲) نظام الفرائد

(۳) تبرکات پر مولانا فریدیؒ کا مضمون مقالات فریدی جلد سوم میں ملاحظہ کریں۔

شیخ سادہ (سالارؒ) کے نبیرہ شیخ بہاء الدینؒ [ولادت تقریباً ۷۶۸ھ - ۱۴/صفر ۸۶۳ھ] بعطائے جاگیر رجب پور میں سکونت پذیر ہوئے، شیخ موصوف فضائل وکمالات سے متصف اور مقتدائے وقت تھے۔(۱)

شیخ سالارؒ کے لائے ہوئے تبرکات کی زیارت ہر سال بعد نماز عید الفطر جھنڈا شہید کی مسجد میں کرائی جاتی ہے۔

[خواجہ بہاء الدین فریدیؒ]

خواجہ بہاء الدین فریدیؒ [ولادت تقریباً ۷۶۸ھ-۱۴/صفر ۸۶۳ھ] کو سلطان فیروز شاہ تغلق [۷۵۱ھ- ۷۹۱ھ] نے ۷۸۹ھ کو چوبیس گاؤں جاگیر میں دیے تھے، رجب پور (ضلع مراد آباد) انہیں میں سے ایک ہے۔ خواجہ صاحبؒ کی اولاد رجب پور اور امروہہ میں آباد رہی، محلّہ جھنڈا شہیدان کا قدیم مسکن ہے، جو شیخ سالارؒ کو رہائش کے لیے عطا ہوا تھا۔

حضرت شیخ سالارؒ کا سلسلہ حضرت بابا صاحبؒ تک اس طرح ہے: شیخ سالارؒ بن شیخ علی شیر بن خواجہ نظام الدین شہید بن حضرت بابا فرید گنج شکر فاروقیؒ۔

[خواجہ نظام الدینؒ]

خواجہ نظام الدین بابا صاحبؒ کے چوتھے اور چہیتے فرزند تھے۔

بقول امیر خورد کرمانی:

''بڑے ذہین، عقلمند اور بہادری میں حیدر ثانی کہلاتے تھے'' (۲)

آپ علاء الدین خلجی کی فوج میں ایک دستے کے کمانڈر تھے، رنتھن بور (۳) (راجستھان)

---

(۱) تذکرۃ الکرام

(۲) سیر الاولیاء

(۳) [اب اس علاقہ کا نام ''سوائی مادھو پور'' ہے، جو ایم. پی کا ایک ضلع ہے۔]

کا ناقابل تسخیر قلعہ آپ ہی نے فتح کیا تھا۔(۱)

[محلّہ جھنڈا شہید ایک تعارف]

''تاریخ اصغریٰ'' میں محلّہ جھنڈا شہید کے تعارف میں ہے:

''یہ محلّہ شیخ زادوں کا ہے...... اس محلّہ میں اکثر فاروقی شیخ اولاد حضرت شیخ فرید گنج شکرؒ کے رہتے ہیں...... ان شیوخ کے اجداد میں شیخ نظام الدین بڑے بزرگ ہوئے ہیں۔ علاء الدین خلجی کے زمانہ سلطنت میں قلعہ رتھن بور ان کی ذات سے فتح ہوا اور وہیں ان کی شہادت بھی ہوئی''۔(۲)

شیخ نظام الدین [ت ۷۰۰ھ] کا مزار رتھن بور کے قلعہ میں ہے۔(۳)

[خواجہ نظام الدینؒ کی اولاد]

شیخ نظام الدینؒ کے دو بیٹے تھے: خواجہ ابراہیم اور خواجہ علی شیرؒ، سلطان علاء الدین خلجی نے دونوں کو دہلی میں آباد کیا تھا۔ خواجہ ابراہیمؒ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مزار کے متولی رہے۔

بقول پروفیسر نثار احمد فاروقی:

''یہ سلسلہ آپ کی اولاد میں مغل بادشاہ محمد شاہ کے عہد تک رہا''۔(۴)

خواجہ علی شیر ۹۲۹ھ میں پاک پٹن گئے ہوئے تھے کہ وہاں منگولوں کا حملہ ہوا

(۱) تاریخ رتھنبور
(۲) تاریخ اصغری [مزید تفصیل کے لیے دیکھیں ص ۵۷-۵۸ اور ۶۴]
(۳) جواہر فریدی
(۴) تذکرہ جھنڈا شہید

آپ نے ان سے مقابلہ کیا اور دلیرانہ لڑتے ہوئے شہادت پائی۔(۱)

[شیخ علی شیرؒ کی اولاد واحفاد]

آپ کے چار بیٹوں میں سب سے بڑے شیخ سالار تھے، جو بسلسلۂ جاگیر دہلی سے امروہہ تشریف لائے۔ اور شیخ سالار کے پانچ بیٹوں میں خواجہ مجیر الدینؒ [ت ۸۱۵ھ]، جو سب سے چھوٹے تھے، امروہہ میں رہے، باقی دوسری جگہ جاگیریں ملنے پر وہاں جاکر آباد ہوگئے۔ خواجہ مجیر الدین کی شادی امروہہ میں خواجہ فخر الدین چشتی (نواسۂ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ) کی صاحبزادی بی بی عصمت سے ہوئی تھی، جن کے صاحبزادے خواجہ بہاء الدین فریدیؒ (متوفی ۸۶۳ھ) تھے۔ آپ کا مزار رجب پور میں زیارت گاہ خلائق ہے۔ آپ کے اکلوتے فرزند خواجہ ضیاء الدین فریدیؒ (۷۹۰ھ-۸۷۲ھ) تھے۔ آپ سلطان بہلول لودی [ت یکم رجولائی ۱۴۸۹ء=۲رشعبان ۸۹۴ھ] کی جانب سے علاقہ رجب پور کے قاضی وخطیب تھے۔ سلطان نے آپ کو باون (۵۲) گاؤں کی جاگیر نذر کی تھی۔(۲)

ان مواضعات کی زمینداری آخر تک آپ کی اولاد کے پاس رہی۔(۳)

[حاجی نور الدین محمد موسیٰ فریدیؒ]

خواجہ ضیاء الدینؒ کے بھی ایک ہی صاحبزادے حضرت حاجی نور الدین محمد موسیٰ فریدیؒ [۸۱۱ھ-۸۹۸ھ] ہوئے۔

مولانا آل حسن نخشبی نے آپ کے بارے میں لکھا ہے:

''حضرت حاجی موسیٰ از کبار اولیاء و اعاظم اتقیاء بود''۔(۴)

---

(۱) نظام الفرائد
(۲) ایضاً
(۳) نگاہ فقر
(۴) نخبۃ التواریخ

یعنی: حضرت حاجی موسیٰؒ بڑے ولیوں اور عظیم متقیوں میں سے تھے۔

سلطان بہلول لودی نے ۸۷۹ھ میں آپ کو چار گاؤں نذر کیے اور اپنے فرمان میں آپ کو ''شیخ المشائخ'' تحریر کیا۔ آپ نے ۸۹۸ھ میں وفات پائی اور اپنے دادا کے حضیرے میں دفن ہوئے۔

[حاجی نورالدین محمد موسیٰ فریدیؒ کے صاحبزادگان]

آپ کے تین صاحبزادے: شیخ المشائخ شیخ چاہلدہ منورؒ [۸۴۴ھ-۹۱۸ھ]، شیخ محمد طاہرؒ [ت ۹۲۱ھ] اور شیخ لہرہؒ [ت ۹۱۰ھ] ہوئے۔ امروہہ اور اس کے اطراف کی بستیوں کے فریدی خانوادے انہیں تینوں بھائیوں کی اولاد ہیں، تینوں بھائی اپنے علاقہ اور اپنے وقت کے عظیم بزرگوں میں تھے اور انہیں اپنے وقت میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''امروہہ اور اس کے نواح میں شیخ سالارؒ اور ان کے بیٹے شیخ مجیر الدینؒ اور ان کی اولاد کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔''(۱)

[شیخ المشائخ شیخ چاہلدہ منورؒ]

شیخ چاہلدہ منورؒ [۸۴۴ھ-۹۱۸ھ] کو ۸۹۹ھ میں سلطان سکندر لودی [ت ۱۷/ فروری ۱۵۱۰ء = ۷/ ذیقعدہ ۹۱۵ھ] نے ۸۹۹ھ میں دو گاؤں مدن پور اور سید پور جاگیر میں دیئے تھے۔ سلطان کے فرمان میں آپ کا اسم گرامی اس طرح تحریر ہے:

''شیخ المشائخ شیخ چاہلدہ منور نبیرہ قطب العالم بندگی شیخ فرید گنج شکرؒ''

آپ اپنے دادا کے بعد ۸۷۲ھ میں قاضی و خطیب مقرر ہوئے اور والد ماجد کے بعد ۸۹۸ھ میں صاحب سجادہ ہوئے، آخر عمر میں امروہہ میں قیام رہا، یہیں ۹۱۸ھ میں وفات پائی۔

---

(۱) نگاہ فقر

[محلّہ شیخ چاند کا صحیح نام اور وجہِ تسمیہ]

جس جگہ آپ کا مزار ہے، وہ محلّہ آپ کے نام سے موسوم ہوکر ''شیخ چائلدہ'' اور اب مخفف ہوکر ''شیخ چاہن یا شیخ چائین'' کہلاتا ہے۔ (شیخ چاند جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں، غلط ہے۔)

محمود احمد عباسی لکھتے ہیں:

''مزار شیخ چاہن فاروقیؒ متصل آبادی جانب مشرق تالاب پانباڑی اس محلّہ کا نام ہی شیخ چاہن پڑ گیا ہے''۔(۱)

[شیخ المشائخ شیخ چائلدہ منورؒ کی اولاد]

آپ کے دو بیٹے ہوئے: قاضی اسماعیل فریدیؒ [۸۶۳ھ-۹۴۵ھ] اور شیخ عیسیٰ فریدیؒ (چائلدہ) [ت ۹۵۴ھ]، قاضی اسماعیل فریدیؒ اپنے والد کے سامنے نائب قاضی اور ان کے بعد قاضی وخطیب مقرر ہوئے، نیز رجب پور میں آبائی سجادے پر متمکن ہوئے۔ آپ کی اولاد امروہہ، رجب پور، مراد آباد، دہلی اور پاکستان کے مختلف شہروں میں ہے۔ امروہہ میں نشاط اکرم فاروقی ایڈوکیٹ اور مہتاب احمد فریدی وغیرہ کا گھرانہ انہیں میں سے ہے۔

شیخ عیسیٰ فریدیؒ امروہہ میں اپنے والد کی درگاہ کے متولی اور سجادہ نشین ہوئے، فرامین شاہی میں آپ کے نام کے ساتھ ''قدوۃ العارفین، برہان الکاملین'' وغیرہ القاب تحریر کیے گئے ہیں۔(۲)

[شیخ عیسیٰ فریدیؒ کی اولاد و احفاد]

آپ کو امروہہ کے علاوہ ''کالپی'' میں بھی جاگیر ملی تھی، جو آپ کے چھوٹے بیٹے شیخ عبدالقادر فریدیؒ کے حصے میں آئی اور وہ وہاں آباد ہو گئے۔ حیدرآباد کے امراء پائیگاہ،

---

(۱) تاریخ امروہہ
(۲) تذکرۃ الکرام

نواب سر آسمان جاہ، نوابانِ والا جاہ، نواب شمس الامراء، نواب وقار الامراء اور نوابان یار جنگ وغیرہ کے خاندان ان کی اولاد میں ہیں۔(۱)

نیز قاضیانِ مالوہ وغیرہ کے خاندان بھی ان کی اولاد میں ہیں۔ امروہہ میں شیخ لطف اللہ بن شیخ عیسیٰ فریدیؒ کی اولاد آباد رہی؛ لیکن اب ان میں سے امروہہ میں کوئی نہیں ہے، یہ تقریباً سبھی لوگ پاکستان منتقل ہوگئے، کچھ لوگ رجب پور میں ہیں، ان میں سے ایک گھرانہ کاسگنج، ضلع ایٹہ اور ایک گھرانہ کوٹہ بوندی (راجستھان) چلا گیا تھا۔(۲) اور ان کے چچازاد بھائی ممتاز فریدی اور شکیل فریدی ساکن دہلی اسی گھرانے سے ہیں۔(۳)

[شیخ محمد طاہر]

شیخ محمد طاہر بن حاجی محمد موسیٰ فریدیؒ [ت ۹۲۱ھ] امروہہ میں نائب قاضی رہے تھے، آپ ولی کامل اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے(۴) آپ کی اولاد میں حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ، پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم، پروفیسر نثار احمد فاروقی مرحوم وغیرہ کے خاندان ہیں۔

[شیخ لہرہ]

شیخ لہرہ بن حاجی محمد موسیٰ فریدیؒ [ت ۹۱۰ھ] کی اولاد، عمری، بچھرایوں، ڈھکہ، بانس کھیڑی وغیرہ میں ہے۔

[فاروقیانِ فریدی مؤرخین کی نگاہ میں]

۱۳۵۵ء سے اب تک اس خانوادہ میں بہت سے صاحب علم وفضل اور قابل ذکر

---

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر

(۲) جرنلسٹ منصور فریدی

(۳) ایضاً

(۴) نخبۃ التواریخ ص: ۹۴

شخصیات ہوئی ہیں، جن کی وجہ سے یہ خاندان معزز اور معروف رہا۔

مولوی آل حسن نخشی نے ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''فاروقیانِ فریدی از باشندگانِ پیشیں و مستند ترین و اشہر ترین فاروقیانِ امروہہ اند''۔(۱)

ترجمہ: فاروقیانِ فریدی امروہہ کے قدیم باشندے اور مستند ترین اور مشہور ترین فاروقیوں میں ہیں۔

ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی سابق (O.S.D.) رضا لائبریری رامپور لکھتے ہیں:

''بلاشبہ یہ خاندان اس علاقہ میں بلحاظ علم و فضل اور باعتبار عزت و وجاہت ممتاز خاندان ہے۔ امروہہ کے ایک مؤرخ نخشی نے اس خاندان کو ''مستند ترین و اشہر ترین فاروقیان امروہہ'' لکھا ہے، دوسرے مؤرخ عباسی نے ''سب سے قدیم، معزز، صحیح النسب اور حامل آثار خاندان لکھا ہے''۔(۲)

مؤرخ امروہہ محمود احمد عباسی لکھتے ہیں:

''ان میں سب سے قدیم، معزز اور صحیح النسب خاندان اولاد حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ، ساکنان محلّہ شیخ زادگان (جھنڈا شہید) کا ہے۔ ان میں بعض لوگ محلّہ مولانا (ملّانہ) میں ساکن ہیں اور ایک گھر محلّہ چلّہ (CHILLA) میں بھی ہے''۔(۳)

محلّہ شیخ زادگان (جھنڈا شہید) امروہہ میں فریدیوں کا سب سے پہلا محلّہ ہے، ان

---

(۱) نخبۃ التواریخ

(۲) پیش لفظ نظام الفرائد

(۳) تاریخ امروہہ

کے مورث حضرت شیخ سالار فریدیؒ نے ۷۵۶ھ مطابق ۱۳۵۵ء میں اس محلہ کو آباد کیا تھا، یہیں ان کے بیٹے خواجہ مجیر الدینؒ (متوفی ۸۱۵ھ) کی سکونت رہی، یہیں حضرت خواجہ بہاء الدین فریدیؒ معروف بہ بابا فریدی کی ولادت ہوئی، یہیں سے آپ بعطائے جاگیر رجب پور منتقل ہوئے؛ لیکن آپ کی اولاد اپنے اسی قدیم مسکن میں ساکن رہی۔ حضرت شیخ چاپلدہ منور فاروقیؒ (متوفی ۹۱۸ھ) اور شیخ محمد طاہر فاروقیؒ (متوفی ۹۲۱ھ) کی جائے سکونت یہی محلہ ہے۔

مولوی آل حسن بخشی نے دونوں کے بارے میں لکھا ہے:

''ہر دو کامل و مکمل بودند وخوارقِ بسیار از ایشاں نقل می کنند''۔(۱)

ترجمہ: دونوں بھائی کامل اور مکمل تھے، عوام ان کی بہت سی کرامات بیان کرتے ہیں۔

جھنڈا شہید پر اس وقت حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ کے برادر زادگان اور خواہر زادگان کے مکانات ہیں، ان میں سے اس وقت انیس احمد فاروقی یہاں ساکن ہیں، آپ وسیع المطالعہ شخصیت رکھنے کے ساتھ اردو، فارسی اور انگریزی زبان پر عبور رکھتے ہیں۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی مرحوم [۱۹۳۴ء-۲۷/نومبر ۲۰۰۴ء] کے بیٹے نجم الہادی بٹلہ ہاؤس دہلی میں اور نذر الہادی آسٹریلیا میں مقیم ہیں۔ جلیس احمد فاروقی مرحوم کے بیٹے خطیب احمد فاروقی دہلی میں اور نجیب احمد فاروقی جدہ میں ہیں۔

[پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم]

جھنڈا شہید پر پروفیسر خلیق احمد نظامی اور پروفیسر توفیق احمد نظامی کے مکانات ہیں، پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر، نیز شام میں ہندوستان کے سفیر رہے تھے، آپ کئی مایہ ناز کتابوں کے مصنف ہیں، تاریخ اور تذکرہ میں آپ

(۱) نخبۃ التواریخ

کو امتیاز اور درجہ اختصاص واستناد حاصل تھا۔

[پروفیسر خلیق احمد نظامی کی اولاد واحفاد]

آپ کے چار صاحبزادے ہوئے، ان میں سے ایک یعنی ڈاکٹر وجیہ احمد نظامی (پروفیسر زولوجی ڈیپارٹمنٹ، علیگڑھ) انتقال فرما گئے ہیں، [دیگر صاحبزادوں میں] ڈاکٹر احتشام احمد نظامی (پروفیسر انجینئرنگ کالج، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)، مجیب احمد نظامی (منیجر اومان بینک دبئی) اور ڈاکٹر فرحان احمد نظامی (ڈائریکٹر آف اسلامک اسٹڈیز سینٹر، آکسفورڈ یونیورسٹی، لندن) ہیں۔

وجیہ احمد نظامی کے دو بیٹے معین احمد اور یمین احمد ہیں۔ فرحان احمد نظامی کے ایک بیٹے عثمان احمد ہیں۔

[پروفیسر توفیق احمد نظامی]

پروفیسر توفیق احمد نظامی شعبۂ سیاسیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں پروفیسر رہے۔ آپ کے ایک بیٹے ایاز احمد نظامی اور ان کے بیٹے احراز احمد نظامی ہیں۔

جھنڈا شہید ہی پر ایک مکان انور مسعود نظامی کا ہے، اسی محلّہ میں ریحان احمد فاروقی اور ان کے بیٹے فیصل فاروقی ہیں۔(۱)

[نگاہِ فقر کا اقتباس]

حضرت مولانا فریدیؒ کے خواہرزادہ پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم نے خاندانی حالات میں ''نگاہِ فقر'' کے نام سے فریدی خاندان کی ایک تاریخ ارقام کی ہے، اس کتاب کے باب چہارم میں ''رجب پور اور امروہہ میں فریدی خاندان'' کا عنوان قائم کرکے بابا فریدکی اولاد کا مفصل تذکرہ کیا ہے، جو ناظرین کے افادے کے لیے پیش کیا جارہا ہے:

بابا فریدؒ کی اولاد میں جن بزرگ کا تعلق سب سے پہلے امروہہ سے قائم ہوا، وہ ان

---

(۱) فاروقیانِ امروہہ

کے فرزند شیخ محمد یعقوبؒ تھے۔ معلوم نہیں کن حالات میں اور کیوں وہ امروہہ آ گئے تھے۔ یہاں ان کا غائب ہو جانا بھی تعجب خیز ہے، لیکن ان کی اولاد نے یہاں قیام نہیں کیا۔ ان کے ایک بیٹے خواجہ عزیز الدینؒ کو شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے خلافت دے کر ''دیوگیر'' بھیج دیا تھا، دوسرے بیٹے خواجہ قاضیؒ دہلی ہی میں رہے اور ''چبوترہ یاران'' میں دفن کیے گئے۔

خواجہ نظام الدینؒ کے اخلاف و احفاد نے امروہہ اور رجب پور کی طرف توجہ کی اور یہاں فریدیوں کی بستی بسائی۔ خواجہ نظام الدینؒ بلبن کی فوج میں ملازم تھے اور پٹیالی میں رہتے تھے، پٹیالی اور امروہہ دونوں ''توابع سنبھل'' میں تھے، ممکن ہے امروہہ سے پہلا رابطہ اسی انتظامی تعلق کی بنا پر پیدا ہوا ہو۔ کٹہیر کے علاقہ کی انتظامی حالت درست کرنے کی طرف بلبن کی خصوصی توجہ تھی، اس بنا پر مشائخ کے خانوادوں کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

خواجہ نظام الدینؒ کے دو بیٹے تھے، (۱) خواجہ عضد الدین (معروف بہ شیخ ابراہیم) اور (۲) خواجہ علی (معروف بہ علی شیر)

خواجہ عضد الدین کے تینوں بیٹے اور ان کی اولاد مہوبہ، امروہہ اور دہلی میں بس گئی تھی۔

علی اصغر چشتی کا بیان ہے:

''این ہر سہ آسامی مذکورہ اولاد دارند و شہر ہا بمثل مہوبہ و بعضی در انبروہہ و بعضی در حضرت دہلی آباد اند''۔

ترجمہ: ان تینوں کی اولاد مہوبہ، امروہہ اور حضرت دہلی میں آباد ہیں۔

خواجہ علی معروف بہ علی شیرؒ کے بیٹے شیخ سالار، جن کو شیخ سادہ بھی کہا جاتا تھا، فیروز شاہ تغلق کے ابتدائی عہد میں کچھ تبرکات کے ساتھ، جن میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت بابا صاحبؒ دونوں کے تبرکات شامل تھے، امروہہ آ گئے تھے، یہ تبرکات آج تک خاندان میں محفوظ ہیں۔ فیروز شاہ تغلق کے ایک فرمان مؤرخہ ۲۸ ربیع الآخر ۷۷۲ھ

مطابق ۱۳۷۰ء سے پتہ چلتا ہے کہ مبلغ تین سو تنکہ ان کے اخراجات کے لیے امروہہ کے علاقہ میں مقرر تھا، اس فرمان میں ان کا نام ''شیخ سادہ نبیرہ شیخ الاسلام فریدالحق والدین قدس سرہٗ العزیز'' درج ہے۔

سلاطین تغلق کو باباصاحبؒ کے خاندان سے بہت عقیدت تھی۔ غازی ملک (جو بعد کو غیاث الدین تغلق کے نام سے مشہور ہوا) ایک مدت تک دیبال پور اور ملتان کا عامل رہا، ایک مرتبہ وہ اپنے بیٹے جونا خاں (جو بعد کو محمد بن تغلق کے نام سے مشہور ہوا) اور بھتیجے فیروز (جو بعد کو فیروز شاہ تغلق بنا) کے ساتھ شیخ علاء الدین اجودھنیؒ بن شیخ بدرالدین سلیمانؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، شیخ نے بغیر سلا ہوا جامۂ کرپاس منگایا اور اس میں سے ساڑھے چار گز غازی ملک کو، ۲۷ گز جونا کو اور ۴۰ گز فیروز کو عنایت فرمایا اور کہا کہ اس کو اپنے سروں پر باندھ لو، جب یہ تینوں رخصت ہوگئے تو فرمایا:

''این ہر سہ نفر صاحب تخت وتاج شوند۔''

یعنی: یہ تینوں صاحب تخت وتاج ہوں گے۔

''معارج الولایت'' میں لکھا ہے کہ غیاث الدین، دیبال پور کے قیام کے زمانہ میں، ان کا مرید بھی ہوگیا تھا، اس کی تصدیق معاصر تذکروں سے نہیں ہوتی؛ لیکن اس کا بیٹا محمد بن تغلق، شیخ علاء الدینؒ کے حلقۂ ارادت میں ضرور شامل ہوگیا تھا، ''سیرت فیروز شاہی'' میں اس کی خاندانِ فریدی سے عقیدت کی طرف، اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

''برحسب اعتقادے و ارادتے کہ حضرت سلطنت سلطان مغفور مرحوم رادراں خاندان بود۔''

ترجمہ: اس اعتقاد وارادت کی بنا پر جو حضرت سلطنت سلطان مغفور و مرحوم (محمد بن تغلق) کو اس خاندان سے تھی۔

محمد بن تغلق، خانوادۂ بابا فریدؒ سے عقیدت وارادت کے روابط رکھتا تھا؛ لیکن صوفیا

سے عموماً اس کے تعلقات اچھے نہیں تھے؛ بلکہ مشائخ کے حلقوں میں اس کے خلاف شدید بیزاری تھی؛ لیکن جب فیروز شاہ تخت پر آیا، تو حالات میں یک لخت تبدیلی پیدا ہوگئی، وہ سندھ میں تخت نشینی کے بعد جب عازم دہلی ہوا، تو راستہ میں اجودہن قیام کیا اور بابا صاحبؒ کے مزار پر حاضری دی۔

برنی کا بیان ہے کہ:

''آں خانوادۂ بزرگوار را کہ بکلی پریشان شدہ بود از سر نو ملتم و منظّم گردانید۔''

ترجمہ: ان بزرگوار کے خانوادہ کو جو بالکل منتشر ہوگیا تھا، اس نے نئے سرے سے جوڑا اور منظّم کیا۔

اس نے شیخ علاء الدینؒ کے پوتوں کو خلعتیں، جاگیریں اور زمینیں دیں، اس طرح فریدی خانوادہ کی جو خانقاہیں عرصے سے خراب اور تباہ حال پڑی تھیں، ان میں ایک بار پھر رونق آگئی، یہی زمانہ تھا جب شیخ سالار معروف بہ شیخ سادہ کو فیروز شاہ نے امروہہ میں جاگیر دی اور فریدی خاندان اس علاقہ میں مستقلاً آباد ہوگیا۔

امروہہ اور اس کے نواح میں شیخ سالارؒ اور ان کے بیٹے شیخ مجیر الدینؒ اور ان کی اولاد کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ شیخ مجیر الدینؒ کے اخلاف کو رجب پور میں جاگیر ملی اور انھوں نے وہاں سکونت اختیار کرلی۔

شیخ بہاء الدینؒ، شیخ ضیاء الدینؒ اور شیخ موسیٰ حاجیؒ کے مزارات رجب پور میں مرجع خلائق ہیں۔ شیخ بہاء الدین کے متعلق صاحب ''تذکرۃ الکرام'' نے ''تکملۂ جواہر فریدی'' کی عبارت نقل کی ہے:

''حضرت خواجہ قطب الاخیار بندگی شیخ بہاء الدین بن شیخ مجیر الدین قدس اللہ سرہ العزیز در علوم شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت کامل

بودند، ولی اکمل وصاحب معرفت (بودند)''۔(۱)

ترجمہ: حضرت خواجہ قطب الاخیار بندگی شیخ بہاء الدین بن شیخ مجیرالدین قدس اللہ سرہ العزیز علوم شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت میں کامل تھے، بڑے ولی اور صاحب معرفت تھے۔

شیخ موسیٰ حاجی کے متعلق نخشی کا بیان ہے کہ:

''از کبار اولیاء واعاظم اتقیاء بود''۔(۲)

[یعنی: بڑے اولیاء اللہ اور متقیوں میں تھے]

فیروز شاہ تغلق کی جانب سے جو جاگیر مدد معاش میں ملی تھی، وہ چوبیس مواضعات پر مشتمل تھی، عرصہ تک یہ جاگیر مشترک رہی پھر ذی الحجہ ۱۰۷۶ھ مطابق ۱۶۶۶ء کو یہ جاگیر شیخ موسیٰ حاجی کے تینوں بیٹوں: شیخ منور، شیخ طاہر، شیخ لہرہ کی اولاد نے آپس میں تقسیم کرلی، ہر ایک کے حصے میں آٹھ آٹھ مواضعات آئے۔

یہ جائیداد نسلاً بعد نسلٍ شیخ ضیاء الدین کی اولاد میں چلتی رہی اور اس کی آمدنی جو ایک زمانہ میں کثرت ورثاء کے باعث ہر ایک کا حصہ چندروپے رہ گئی تھی، تقسیم ہوتی رہی۔ منشی ارشاد علی کا بیان حاشیۂ پندنامہ میں نقل کیا گیا ہے:

''موصوف الذکر (خواجہ ضیاء الدینؒ) درعہد سلاطین ہندوستان بمقام امروہہ تشریف بردہ بودند کہ بفور قدردانی دربارشاہی تاحال بہ عطیۂ مدد معاش بنام خواجہ ضیاء الدین قدس اللہ سرہٗ حق بسوہ داری پنجاہ و دو نیم موضع پرگنہ رجب پور تحصیل امروہہ ضلع مرادآباد مع املاک وچکوک وباغات ریاست اولاد آنحضرت قریب دوصد خانہ

(۱) تذکرۃ الکرام
(۲) نخبۃ التواریخ

بمقام امروہہ و رجب پور بذریعۂ وراثت مذکورہ موجود و برقرار اند''۔(۱)

عرصہ تک خاندان کے بیشتر افراد رجب پور میں مقیم رہے، پھر شیخ منور کے فرزند شیخ عیسیٰ معروف بہ شیخ چاپلدہ اور شیخ محمد طاہر کے پر پوتے شیخ عبدالغفور حاجی امروہہ منتقل ہو گئے۔ شیخ اسماعیل کا قیام رجب پور میں رہا اور ان ہی کی اولاد میں سجادہ نشینی بھی رہی۔ شیخ چاپلدہؒ اور شیخ عبدالغفور حاجیؒ نے امروہہ میں قیام کا فیصلہ کرلیا، امروہہ میں جس جگہ ان بزرگوں نے سکونت اختیار کی، اس پورے علاقہ میں اس خاندان کی رہائش گاہیں نظر آنے لگیں۔

مؤلف تذکرۃ الکرام نے لکھا ہے:

''جس مقام پر شیخ المشائخ موصوف (شیخ چاپلدہ) اور ان کے برادر عم زاد حاجی عبدالغفور کی سکونت رہی وہ محلّہ شیخ زادگان ومحلّہ فرزندان حضرت فرید گنج شکرؒ سے موسوم ہوا اور اب محلّہ جھنڈا شہید سے مشہور ہے، کہنہ [پرانی] دستاویزات سے ثابت ہے کہ کوچہ گھاٹہ (متصل مکانات شاہ ابوالقاسم بن حضرت شاہ ابن بدر چشتؒ) سے کوچہ حجامان (متصل چاہ ملا امان) تک یہ سب قطعات اسی خاندان کے مملوکہ ومقبوضہ تھے''۔(۲)

پرانی دستاویزوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس علاقہ میں مکانات کا ایک طویل سلسلہ تھا، جس میں اس خاندان کے افراد عزت ووقار سے زندگی گزارتے تھے۔

صاحب ''نخبۃ التواریخ'' نے شیخ محمد طاہر اور شیخ چاہنؒ کے متعلق لکھا ہے:

''وبسیار از اولاد ہر دو بزرگوار ارباب سلوک ومعنی واصحاب وکمال

(۱) شیخ عطار مشہور بہ پند نامہ وکریمہ ونام حق ومحمود نامہ
(۲) تذکرۃ الکرام

گذشتند"۔(۱)

ترجمہ: ان دونوں بزرگوں کی اولاد میں بہت سے لوگ اربابِ سلوک اور اصحابِ کمال گزرے ہیں۔

شیخ عیسیٰ المعروف بہ شیخ چاندہ کے ساتھ سلاطین لودھی نے بڑی عقیدت واحترام کا برتاؤ کیا، سکندر لودھی (۹۲۳ھ/۸۹۴ھ) کے فرمان مؤرخہ ۸۹۸ھ مطابق ۱۴۹۲ء سے معلوم ہوتا ہے کہ قصبہ "نیندڑ ومضافات خطۂ سنبھل" ان کو مدد معاش میں ملے تھے، علاوہ ازیں کالپی میں بھی ان کی جاگیر تھی۔

[الفرقان "فریدی نمبر" کا اقتباس]

حضرت مولانا فریدیؒ کے برادرزادہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی مرحوم نے ماہنامہ "الفرقان" کے "فریدی نمبر" میں اپنے خاندان کے متعلق جو لکھا ہے، اس کا مختصر اقتباس نذرِ ناظرین کیا جاتا ہے:

> "حاجی محمد موسیٰ کے تین فرزند تھے، شیخ منور، شیخ طاہر، شیخ لہرہ۔ شیخ منور کے پوتوں میں سے (ایک) پوتے عبدالقادر، کالپی میں جا بسے تھے اور ان کی اولاد میں حیدرآباد کے امرائے پائیگاہ (نواب ظہیر یار جنگ وغیرہ) کا خاندان ہے۔ شیخ طاہر کے فرزند شیخ مجاہد، ان کے بیٹے شیخ صلاح اور ان کے فرزند شیخ مظفر ہوئے اور مؤخرالذکر کے بیٹے حاجی عبدالغفور امروہہ میں رہے، جانب غرب ان کا مدفن ہے، ان کے بیٹے شیخ محمد معمور تھے، شیخ محمد معمور کے پانچ فرزند ہوئے، چار غیر معقب [لاولد] رہے، صرف ایک شیخ بدر عالم سے نسل چلی، جن کے بیٹے شہاب الدین اور ان کے

(۱) نخبۃ التواریخ

دو بیٹے محمد منیر اور محمد حارث تھے۔ شیخ محمد حارث کے فرزند محمد عبدالغفور ثانی ہوئے۔ ان کے دو بیٹے تھے: محمد بخش عرف بساون اور شیخ اولاد محمد۔ مؤخرالذکر کے تینوں بیٹوں میں صرف ابدال محمد سے نسل چلی۔ ان کے چار بیٹے ہوئے: محمد ارشاد علی، بشیر احمد، ولی محمد اور حافظ نذیر احمد (متوفی ۱۸۵۷ء) مولوی ارشاد علی (متوفی ۱۹۰۰ء) نے انگریزوں کی حکومت میں مختلف عہدوں پر کام کیا، ۱۸۵۷ء میں وہ کرنل جارج ہملٹن کے ساتھ علاقہ ملتان میں سررشتہ دار تھے"۔(۱)

"مولوی بشیر احمد کی اولاد میں زوجہ اولیٰ سے ایک فرزند مولوی حسین احمد اور زوجہ ثانیہ سے مولوی حسنین احمد، مولوی حسن احمد، طفیل احمد اور مولوی شبیر احمد ہوئے۔

مولوی حسین احمد کی عمر زیادہ نہ ہوئی، ان کی تعلیم لاہور، بھاولپور اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں ہوئی تھی، پھر امروہہ میں اپنی زمینداری کا انتظام سنبھال لیا تھا۔ ایک بار موسم سرما میں گھوڑے کی سواری کر کے گاؤں سے آئے، تو ڈبل نمونیا ہو گیا، اسی میں واصل بحق ہوئے۔ مولوی حسین احمد مرحوم کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں: تحسین احمد فریدی، تسلیم احمد فریدی، ابرار احمد فریدی اور نسیم احمد فریدی، سارہ خاتون اور سیدہ خاتون، یہی چوتھے بیٹے حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی قدس اللہ سرہ العزیز ہیں"۔(۲)

---

(۱) فریدی نمبر
(۲) نسیم سحر

تیسرا باب

سوانحی خاکہ

کیا جس نے مجھ کو لاشیَ سے شیَ اور خلق فرمایا
فریدی ہوں اسی کے فضل کے امیدواروں میں

پہلی فصل
ولادت باسعادت

آپ کا اسم گرامی نسیم احمد فریدی الفاروقی، کنیت ابوالسحر اور تخلص امدادؔ تھا، بعدہٗ فریدیؔ اختیار کیا۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲/رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ مطابق ۶/ستمبر ۱۹۱۱ء کو اپنے آبائی مکان واقع محلّہ جھنڈا شہید، امروہہ میں ہوئی۔ مولانا فریدیؒ کا سلسلۂ نسب شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ [ت ۵/محرم ۶۷۰ھ=۱۳/اگست ۱۲۷۱ء] سے ملتا ہے اور ان کا سلسلۂ نسب خلیفہ دوم امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظمؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد ماجد مولوی حسین احمد فریدی الفاروقی (متوفی ۱۹۱۴ء) تھے اور دادا ڈپٹی بشیر احمد فریدی الفاروقی (متوفی ۱۹۱۵ء) جو مظفر گڑھ اور جھنگ (۱) میں محکمۂ انہار کے ڈپٹی کلکٹر تھے۔

محمود احمد عباسی ''تحقیق الانساب'' میں، آپ کے دادا مولوی بشیر احمد کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''ڈپٹی بشیر احمد صوبۂ پنجاب کے محکمہ نہر میں ڈپٹی مجسٹریٹ رہے، بہ صلہ خدمات، حکومت سے دو مرتبہ خلعت و انعام پایا، ابتداءً ضلع مظفر گڑھ میں ڈپٹی کلکٹر تھے، پابند مذہب و متبع شریعت تھے، حکام بالا دست سے عرض کیا کہ مقدمات میں سود کی ڈگری دینا پڑتی ہے، جو اپنے معتقدات مذہبی کی رو سے جائز نہیں سمجھتا، میرا تبادلہ محکمہ انہار میں کر دیا جائے، حکام نے سمجھایا کہ اس محکمہ میں چار سو روپئے ماہوار سے زیادہ ترقی نہ ہو سکے گی اور موجودہ صورت میں نو سو روپئے ماہوار تک مشاہرہ پانے کا موقع ہے؛ مگر انھوں نے کم تنخواہ پر قانع رہنا منظور کیا مگر سود کی

(۱) [یہ دونوں اب پاکستانی پنجاب کے دو اضلاع ہیں]

ڈگری دینی قبول نہ کی"۔(۱)

بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے علاوہ، ہندوستان کے بعض اور مشہور خانوادوں کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق اعظمؓ تک پہنچتا ہے، جیسے صاحب "مشارق الانوار" شیخ حسن بن محمد العمری الصغانی [۵۷۷ھ=۱۱۸۱ء-۶۵۰ھ=۱۲۵۲ء]، حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ [۱۵۶۱ء-۱۶۲۴ء]، شیخ جلال الدین تھانیسریؒ [۸۹۴ھ=۱۴۸۹ء- ۹۸۹ھ= ۱۵۸۱ء]، شاہ عبدالغفور اعظم پوریؒ [ت ۹۸۵ھ]، شیخ سلیم چشتیؒ [۸۸۴یا۸۹۷ھ-۹۷۹ھ]، شاہ محب اللہ الہ آبادیؒ [ت ۹/رجب ۱۰۵۸ھ]، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ [۱۱۱۴ھ=۱۷۰۳ء- ۱۱۷۶ھ = ۱۷۶۲ء]، صاحب "شمس بازغہ" ملا محمود جونپوریؒ [۹۹۳ھ- ۹/ربیع الاول ۱۰۶۲ھ = فروری ۱۶۵۱ء]، صاحب "شرح سلّم العلوم" قاضی مبارک گوپاموئیؒ [ت ۵/شوال ۱۱۶۴ھ] حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ [۱۲۳۳ھ=۱۸۱۷ء-۱۳۱۷ھ=۱۸۹۹ء]، مولانا شیخ محمد فاروقی تھانویؒ [۲۰/جمادی الاولی ۱۲۳۰ھ-۷/ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ]، مولانا اشرف علی تھانویؒ [۱۲۸۰ھ = ۱۸۶۳ء-۱۳۶۲ھ=۱۹۴۳ء] وغیرہم حضرت فاروق اعظمؓ کی اولاد میں تھے۔

ننھیال

آپ کی والدہ ماجدہ روہیل کھنڈ کے مشہور بزرگ مخدوم ابوالفتح حضرت سید عبداللہ معروف بہ شاہ ابّن بدر چشت کرمانی الامروہویؒ کی اولاد میں سے تھیں، جن کا سلسلہ نسب بواسطۂ حضرت علی رضاؒ جگر گوشۂ رسول شہید کربلا حضرت حسینؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے نانا اور ماموں روہیل کھنڈ کے مشہور اطباء میں سے تھے۔ حضرت شاہ ابّنؒ حضرت شیخ علاء الدین فریدی فیل مستؒ کے خلیفہ تھے۔ وہ آگرہ سے آکر امروہہ میں رونق افروز ہوئے تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ ان سے ملے ہیں اور ان کی بزرگی کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرتے ہیں۔ شاہ ابّن کا انتقال ۹۸۷ھ موافق ۱۵۸۰ء میں ہوا۔

حضرت شاہ ابّن بدر چشتؒ کی نسل ان کے چھ بیٹوں سے چلی، ان میں شیخ شاہ احمد

(۱) تحقیق الانساب ص ۲۴۸

کی اولاد میں بڑے نامی طبیب اور علماء بھی گذرے ہیں۔ ریاست حیدرآباد کے پہلے افسر الاطباء حکیم احمد سعید(۱) اسی خانوادہ سے تھے۔ اسی خاندان میں ایک جلیل القدر شخصیت حکیم نثار علی کی تھی۔ ان کے چار فرزند ہوئے حکیم ابن حسن، حکیم احمد حسن، حکیم علی حسن اور حکیم نور الحسن۔ حکیم ابن حسن کے لائق فرزند مولانا حکیم سید طفیل حسن تھے، جو ابوالنظر رضوی کے نام سے مضامین لکھا کرتے تھے۔ بڑے صاحب علم اور صاحب نظر انسان تھے۔ حکیم احمد حسن حضرت مولانا فریدیؒ کے نانا تھے۔ حضرت شاہ ابّن بدر چشتؒ کی اولاد میں ہی سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ تلمیذ رشید قاسم العلوم والمعارف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند بھی تھے۔

حضرت مولانا فریدیؒ لکھتے ہیں:

”میں دو ڈھائی سال کا ہوں گا کہ میرے والد مولوی حسین احمد فریدی کا انتقال ہوگیا، ماموں صاحب نے میری والدہ اور میرے بھائیوں اور بہنوں کا بہت خیال رکھا۔ کئی کئی دن ماموں صاحب کے یہاں والدہ صاحبہ اور ہم سب بھائی بہن رہتے

---

(۱) [حکیم سید احمد سعید رضوی ابن حکیم سید علی اکبر امروہیؒ امروہہ کے مشہور طبی خاندان ”خاندان عسکریہ“ کے ممتاز ماہر فن تھے۔ ۱۲۵۶ھ میں امروہہ میں پیدا ہوئے، امروہہ اور رامپور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے والد اور چچا حکیم سید نثار علی مرحوم سے طب کی تحصیل کی۔ اپنے عہد میں امام فن تسلیم کیے گئے نواب آسماں جاہ نے آپ کو حیدرآباد بلایا اور منصب مقرر کیا وہاں افسر الاطباء مقرر ہوئے۔ تشخیص کامل اور معیار الاطباء عربی میں آپ کی بہترین طبی شاہکار ہیں۔ تسکین الانفس فی تحقیق ذیابیطس، تالیفات سعیدیہ مدار العلاج اور رسالہ مرض جذام وغیرہ آپ کی تالیفات ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ سے بیعت تھے۔ آپ کی بیعت کا واقعہ تذکرۃ الرشید میں تفصیل سے موجود ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کے حلقۂ بیعت میں جہاں مختلف علوم وفنون کے ماہرین موجود تھے حکیم احمد سعید صاحب امروہیؒ اور حکیم عبدالوہاب صاحب نابینا دہلویؒ جن طب کی عظیم شخصیتیں بھی شامل تھیں۔ آپ نے ۱۳۱۴ھ میں وفات پائی۔ حیدرآباد میں مزار ہے۔] (جواہر پارے-۵۹)

تھے۔ حکیم سلطان احمد مرحوم کھیل کود میں میرے ساتھ رہتے تھے،
ان کی (رسم) مکتب مجھے خوب یاد ہے، بڑی دھوم دھام سے
ہوئی تھی، سوا چار سال کی عمر میں یہ تقریب ہوئی تھی اور چاندی کی
تختی بڑی خوبصورت بنوائی گئی تھی، میں نے پہلے پڑھنا شروع
کر دیا تھا اور مجھے بچپن ہی سے پڑھنے کا شوق تھا۔ میری رسم
مکتب بھی نہیں ہوئی۔ ماموں صاحب کی خاص عنایت میرے
اوپر رہتی تھی اور ممانی صاحبہ بھی میرے اوپر خاص نظر عنایت رکھتی
تھیں۔ میں نے پان کھانا انہیں کے پاندان سے سیکھا تھا۔" (۱)

اے فلک دیکھ، اسے چشم حقارت سے نہ دیکھ
یہ فریدیؔ دل افگار، غلام ان کا ہے

(۱) بحوالہ سالنامہ دُرِ مقصود جلد ۶۹، ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء بحوالہ مقالات فریدی جلد سوم

دوسری فصل
تعلیم و تربیت

آپ نے علمی و دینی گھرانے میں پرورش پائی، جہاں قدیم روایات اور پرانی قدروں کا احترام واہتمام تھا اور خلوص و محبت اور رواداری کا یہ عالم تھا کہ چھوٹوں پر شفقت اور دوسروں کے رنج و غم میں شریک ہونا عبادت کا درجہ رکھتا تھا۔ آپ کا گھرانہ سادگی پسندی، صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور دینی خدمات کے لیے مشہور تھا، اس گھرانے میں متواتر صاحبانِ علم و فضل ہوتے رہے ہیں۔ آپ کے برادرزادے ڈاکٹر نثار احمد فاروقی مرحوم اور خواہرزادے پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم صاحبان تصانیف ہوئے ہیں۔ جن کا ابھی چند سال قبل انتقال ہوا ہے۔ یہ دونوں برصغیر کے مایہ ناز ادیب و محقق تھے۔ آپ کے دادا کے برادر بزرگ مولوی ارشاد علی فریدیؒ نے اپنے چھوٹے بھائی مولوی ڈپٹی بشیر احمد فاروقیؒ (۱) کی تعلیم و تربیت خود کی اور متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن میں ''بشیر المدائح، بشیر النصائح بشیر الانشاء اور مصدر انشاء وارشاد'' مشہور ہیں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم فریدی نمبر میں ارقام کرتے ہیں:

''علم اور دین سے تعلق اس خاندان کا امتیازی وصف تھا، مولانا فریدی کے دادا مولوی بشیر احمد صاحب مرحوم اور ان کے برادرِ بزرگ منشی ارشاد علی صاحب مرحوم سے انگریزی ملازمت کا

---

(۱) تعلیم کے بعد مولوی ارشاد علی فریدی نے آپ کو ملازمت دلوائی، مظفر گڑھ جھنگ اور ملتان کے محکمہ انہار میں ڈپٹی کلکٹر رہے۔

سلسلہ شروع ہوا۔ بشیر احمد صاحب کی عمر ۳ سال تھی جب ان کے
والد کا انتقال ہوا۔ ان کی ساری تعلیم وتربیت منشی ارشاد علی مرحوم
نے کی اور ان کی دینی اور اخلاقی تربیت کے لیے ''بشیر المدائح''
''بشیر النصائح''، لکھیں، جو اپنی افادیت کی بنا پر ایک زمانہ میں
نصاب میں شامل کر لی گئی تھیں، گو مولوی بشیر احمد صاحب نے
سرکاری ملازمت اختیار کر لی تھی لیکن ان کی زندگی میں دینی
جذبات کی ہمیشہ کارفرمائی رہی''۔(۱)

سید غیور حسن امروہوی مرحوم لکھتے ہیں:

''مولانا کا خاندان ہمیشہ ہی علمی اور ادبی رہا ہے۔ آج بھی
مولانا کے حقیقی خواہر زادے خلیق احمد نظامی مسلم یونیورسٹی علی
گڑھ کے پرووائس چانسلر (۲) اور تاریخ مشائخ چشت کے
مؤلف ہیں۔ مولانا کے برادر زادے نثار احمد فاروقی بلند پایہ
ناقد اور معتبر محقق ہیں۔ خود مولانا کی شخصیت علم وادب میں بلند
ترین مقام رکھتی ہے لیکن کیونکہ نام نمود سے بچتے ہیں اور شہرت
کی خواہش نہیں''۔ (۳)

آپ کی تربیت پر آپ کی والدہ ماجدہ اور ماموں حکیم سید علی احمد رضوی مرحوم کی
خاص توجہ رہی۔ آپ بچپن ہی سے نہایت ذکی، ذہین، فطین اور شائق علم تھے۔ آپ کو ہم عمر
بچوں کے ساتھ کھیل کود سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ایسے گھرانے اور ماحول میں پرورش پانے کا

---

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر
(۲) پھر وائس چانسلر ہوئے بعدہٗ حکومت ہند کی طرف سے شام کے سفیر رہے۔
(۳) حلیے اور خاکے

لازمی نتیجہ تھا کہ آپ کا مزاج بچپن سے ہی سنجیدہ اور دینی رہا۔

آپ نے سب سے پہلے قرآن شریف ناظرہ حافظ قاری رئیس احمد امروہی (۱) ثم پاکستانی مرحوم متوفی ۱۲ ر رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۴ ر جون ۱۹۸۳ء سے پڑھا۔

پرائمری اسکول محلّہ پیرزادہ

ابتدائی تعلیم کے لیے پرائمری اسکول میں داخل کیا گیا۔ آپ کے پرائمری کے استاد منشی نسیم احمد امروہی مرحوم تھے، جن کی شفقتوں سے آپ نے جغرافیہ اور ریاضی میں مہارت اور ہمیشہ اپنے درجہ میں امتیازی کامیابی حاصل کی۔ آپ اسکول میں ہمیشہ مانیٹر رہتے تھے۔ پرائمری درجات پاس کرنے کے بعد مڈل اسکول میں داخلہ لیا، جہاں آپ اردو، ہندی، انگریزی میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

> ''محلّہ جھنڈا شہید پر ایک پیرزادہ اسکول قائم تھا جس میں ایک ماہرِ فن معلم منشی نسیم احمد مرحوم (۲) تعلیم دیتے تھے۔ خاندان کی کئی نسلوں کو انھوں نے ابتدائی درجوں کی تعلیم دی تھی۔ ان سے کچھ عرصہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا فریدیؒ مڈل اسکول میں داخل ہوئے اور ۳ سال بعد مڈل پاس کر کے اگلے سال انٹرینس کا امتحان دیا۔ پھر منشی، کامل، مولوی اور اعلیٰ قابلیت کے امتحان پاس کیے۔'' (۳)

---

(۱) آپ ۲۸ سال سے جامع مسجد نعمانیہ نرسری سوسائٹی کراچی میں خطیب وامام رہے۔ قیام پاکستان سے پہلے حیدر آباد دکن میں مسجد اللہ والی بی صاحبہ پنجہ کٹہ جوبلی ہل میں امامت کے فرائض انجام دیئے تھے۔

(۲) منشی نسیم احمد محلّہ نوبت خانہ، امروہہ کے رہنے والے تھے۔

(۳) الفرقان فریدی نمبر

الیکشن اور مولانا فریدیؒ

حضرت مولانا فریدیؒ اور حکیم سید سلطان احمد رضوی (۱) جو کہ آپ کے ماموں زاد بھائی اور ہمدرس تھے، کے مابین ایک مصنوعی الیکشن ہوا۔ اس الیکشن میں حکیم صاحب کامیاب ہوئے اور مولانا فریدیؒ رہ گئے۔

حضرت مولانا فریدیؒ اس الیکشن سے متعلق اپنے مضمون ''حکیم سید سلطان احمد رضوی مرحوم کی یاد میں'' جو لکھا ہے، درِ مقصود کے حوالے سے یہاں درج کیا جاتا ہے:

> ''اسی زمانہ میں ڈاکٹر شفاعت احمد خاں کونسل کی ممبری کے لیے امروہہ سے کھڑے ہوئے تھے۔ الیکشن بڑے زور شور سے ہوا۔ غالباً ڈاکٹر شفاعت احمد خاں مرادآباد سے کامیاب ہوئے، اس الیکشن کے بعد ہم دونوں نے آپس میں ایک مصنوعی الیکشن لڑایا، جھنڈا شہید پر مزار کے قریب والے مکان میں پولنگ اسٹیشن تھا، دو تین محلوں کے کثیر تعداد لڑکوں نے حصہ لیا اور بھاری اکثریت کے ساتھ حکیم سلطان احمد کو جتایا۔ میں

(۱) [الحاج حکیم سید سلطان احمد رضوی، آپ امروہہ، محلّہ پیرزادہ کے رہنے والے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب روہیل کھنڈ کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم ابوالفتح سید عبداللہ معروف بہ شاہ ابّن بدرچشت کرمانی امروہیؒ کے واسطے سے حضرت حسینؓ تک پہنچتا ہے، آپ کے والد اور دادا؛ بلکہ آپ کا خاندان روہیل کھنڈ کے مشہور اطباء میں سے تھا، مدتوں سے رامپور میں مطب کرتے تھے، ہر ماہ تین دن امروہہ میں بھی مطب ہوتا تھا، آپ کا مطب بہت اونچا تھا، نہایت ذہین، ذکی اور نباض تھے، مفسر قرآن حافظ عبدالرحمٰن صدیقی امروہیؒ سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا، آپ حضرت استاذ مکرم مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ کے ماموں زاد بھائی تھے، آپ دونوں میں بہت محبت اور یگانگت تھی، آپ دونوں نے پرائمری درجات سے لے کر منشی تک ساتھ تعلیم حاصل کی، منشی کے امتحان کے بعد آپ طب کی طرف متوجہ ہو گئے، ۱۱/ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ = ۱۸/ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو وفات ہوئی تدفین احاطہ روضہ شاہ ابّن میں ہوئی۔]

نے محسوس کیا کہ ان کے ووٹوں کے زیادہ ہونے کی وجہ یہ ہے
کہ وہ ایک بڑے حکیم صاحب کے صاحبزادے ہیں اور میں
ایک یتیم اور نادار ہوں۔ اسی وجہ سے ان کے اثرات زیادہ اور
میرے اثرات کم ہیں۔ اس کے بعد اس زمانہ سے آج تک
الیکشن سے دلچسپی نہ ہوئی اور میں کسی الیکشن میں حصہ لینے کے
لیے آج تک تیار نہ ہوا۔"(۱)

نور المدارس محلّہ دانشمندان

ایک فارسی داں نے عرفی شیرازیؔ [ت ۹۹۹ھ] کا یہ شعر آپ کے سامنے پڑھا اور مطلب معلوم کیا:

من کہ باشم عقل کل راناوک اندازِ ادب
مرغِ اوصاف تو از اوجِ بیاں انداختہ

یہی شعر نور المدارس میں داخلے کا سبب بنا۔ یہاں منشی عبدالرب شکیبؔ صدیقی (۲) فارسی کے استاد تھے، ان کی نگرانی میں آپ نے منشی، منشی کامل، اعلیٰ قابلیت، مولوی، مولوی فاضل کے امتحانات اعلیٰ نمبروں کے ساتھ پاس کیے۔ یہ تمام امتحانات میرٹھ اور مظفر نگر میں ہوئے۔

حضرت مولانا فریدیؒ اپنے مضمون "حکیم سید سلطان احمد رضوی کی یاد میں" ارقام فرماتے ہیں:

"میں نے ۱۹۲۷ء میں مڈل پاس کیا، اس کے کچھ عرصے بعد میں
نے اور مرحوم نے منشی (الہ آباد بورڈ) کے امتحان کی تیاری کی

(۱) سالنامہ ذرّ مقصود، جلد: ۶۹، ۵،۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء بحوالہ مقالات فریدی جلد سوم۔
(۲) منشی عبدالرب صاحب شکیبؔ ولد شبیر علی صاحب صدیقی محلّہ چاہ غوری شیش محل، امروہہ کے ساکن تھے۔ ۲۶/ مئی ۱۹۶۹ء کو انتقال ہوا۔

اس امتحان میں حصہ لینے کا سبب عرفی شیرازی کا ایک شعر بنا، جو یہ تھا ۔

من کہ باشم عقل کل را ناوک اندازِ ادب
مرغِ اوصاف تو از اوجِ بیاں انداختہ

ایک فارسی خواں نے اس شعر کو ہم دونوں کے سامنے پیش کر کے اس کا مطلب معلوم کیا، ہمیں پہلی دفعہ فارسی کے ایک مشکل شعر پر غور کرنے کا موقع ملا۔ غرض ہم دونوں نے نورالمدارس میں داخلہ لیا، منشی عبدالرب صاحب شکیبؔ وہاں فارسی کے استاذ تھے۔ وہ بڑے صاحب ذوق اور شفیق استاذ تھے۔ منشی کے امتحان کے لیے ہم دونوں نے خوب محنت کی۔ میرٹھ میں امتحان ہوا، میں پاس ہوا، حکیم صاحب رہ گئے"۔(۱)

پروفیسر خلیق احمد نظامی تحریر کرتے ہیں:

"منشی اور منشی کامل کی تیاری مدرسہ نورالمدارس (دانشمندان) امروہہ میں کی۔ فارسی میں خاص طور پر منشی عبدالرب شکیبؔ مرحوم سے استفادہ کیا وہ فارسی کے مشہور صاحب کمال استاد تھے۔ انھوں نے فارسی زبان اور ادب کا صحیح مذاق پیدا کیا۔"(۲)

جمعیۃ علماء ہند کا نواں اجلاسِ امروہہ

۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۳۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کا عظیم الشان نواں اجلاس جامعہ اسلامیہ

---

(۱) سالنامہ ذرِ مقصود، جلد: ۶۹، ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء بحوالہ مقالات فریدی جلد سوم۔
(۲) فریدی نمبر

عربیہ جامع مسجد، امروہہ میں مولانا سید معظم حسنین مرحوم(۱)[ت۱۳۸۸ھ=۱۹۶۷ء] کے اہتمام کے زمانہ میں ہوا تھا، جس میں ہندوستان کے کثیر التعداد علماء و مشاہیر شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں آپ ڈیلی گیٹ تھے اور مجلس مضامین میں شریک ہوتے تھے۔ یہ اجلاس ۳،۴،۵،۶/ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ مطابق ۳،۴،۵،۶/مئی ۱۹۳۰ء ہفتہ، اتوار، پیر، منگل کو مولانا معین الدین اجمیری، صدر مدرس مدرسہ معینیہ اجمیر کی صدارت میں منعقد ہوا۔ خطبہ استقبالیہ حکیم سید طفیل حسن ابوالنظر رضوی مرحوم نے پڑھا اور اسی اجلاس میں مکمل آزادئ ہند کا ریزولیشن (Resolution) باتفاق رائے پاس ہوا۔

اس اجلاس سے متعلق حضرت مولانا فریدیؒ اپنے مضمون ''حکیم سید سلطان احمد کی یاد میں'' تحریر کرتے ہیں:

''۱۹۳۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کا نواں سالانہ اجلاس امروہہ میں منعقد ہوا۔ یہ ایک عظیم الشان اجلاس تھا۔ تمام ہندوستان کے

(۱) [مولانا سید معظم حسنین صاحب: آپ نے تمام علوم متداولہ کی تحصیل و تکمیل جامعہ ہذا میں حضرت محدث امروہیؒ اور دیگر اساتذہ سے کی۔ آپ امروہہ کے روساء میں سے تھے اور خاندانِ حضرت شاہ ولایت سید حسن حسینیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ باصلاحیت عالم دین تھے۔ نامور علماء میں شمار ہوتا تھا۔ حافظ عبدالرحمٰن توکلی نقشبندی مرادآبادیؒ سے بیعت تھے۔ تصنیف وتالیف کا بھی ذوق تھا۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جامعہ ہذا کی مجلس شوریٰ نے منصب اہتمام آپ کو تفویض کیا۔ آپ ہی کے اہتمام میں جمعیۃ علماء ہند کا نواں اجلاس ۳،۴،۵،۶/ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ موافق ۳،۴،۵،۶/مئی ۱۹۳۰ء ہفتہ، اتوار، پیر، منگل میں ہوا تھا۔ اس اجلاس میں رئیس الاحرار مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے علاوہ تقریباً پانچ سو علماء نے شرکت کی تھی۔ یہ اجلاس مولانا معین الدین سیتاپوری خیرآبادیؒ صدر مدرس مدرسہ معینیہ اجمیر کی صدارت میں ہوا تھا۔ اور مولانا حکیم سید طفیل حسن ابوالنظر رضویؒ نے خطبہ استقبالیہ پڑھا تھا۔ اس اجلاس میں مکمل آزادئ ہند کا ریزولیشن باتفاقِ رائے پاس ہوا۔ آپ کی وفات ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ موافق ۱۴/فروری ۱۹۶۷ء بروز جمعہ ہوا۔] (بحوالہ: سید العلماء: ۱۷۱-۱۷۲)

سیکڑوں علماء ہر صوبے سے شرکت کے لیے آئے تھے۔ شیخ الاسلام
حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مفتی کفایت اللہؒ، سحبان الہند
مولانا احمد سعیدؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا سید سلیمان
ندویؒ(۱) مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صدیقی
سیوہارویؒ، مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی امروہیؒ اس اجلاس میں
شریک تھے۔ اجلاس میں ہم دونوں ''ڈیلی گیٹ'' کی حیثیت سے
سبجیکٹ کمیٹی (مجلس مضامین) میں شرکت کرتے تھے''۔(۲)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ [۱۸/شوال ۱۳۲۳ھ=۱۸/نومبر ۱۹۰۵ء-۲۶-۲۷/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ = ۴-۵/مئی ۱۹۹۷ء] بانی ماہنامہ ''الفرقان'' کا اس زمانہ میں مدرسہ دارالعلوم چلہ

(۱) [مولانا سید سلیمان ندویؒ۔ آپ کی ولادت ۲۳/صفر ۱۳۰۲ھ موافق ۲۲/نومبر ۱۸۸۴ء میں دیسنہ ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ آپ نسباً سادات حسینی تھے۔ آپ کے والد مولانا سید ابوالحسن ممتاز عالم دین تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم والد ماجد اور اپنے برادرِ اکبر سید ابوحبیب سے حاصل کی۔ دیگر علوم وفنون پھلواری شریف اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں حاصل کرکے بقیہ علوم کی تکمیل کے لیے ۱۹۰۱ء میں دارالعلوم ندوہ میں داخلہ لیا اور تمام علوم متداولہ کی تکمیل کرکے ۱۹۰۶ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔ وہاں مولانا شبلی نعمانیؒ کی صحبت نے آپ کے ذوقِ علم وادب میں جلا بخشی۔ آپ اپنے وقت کے مفکر، دانشور، ادیب، عالم، مورخ اور ماہرِ تعلیم تھے۔ تمام عمر تصنیف وتالیف میں صرف ہوئی۔ ماہنامہ ''الندوہ'' لکھنؤ اور ''الہلال'' کلکتہ سے بھی متعلق رہے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ اپنے استاذ علامہ شبلی نعمانیؒ کی ''سیرت النبی'' کی تکمیل ہے۔ خود بھی صاحبِ تصنیف تھے۔ ''ارض القرآن، سیرت عائشہ، حیات شبلی، خطبات مدراس، دروس الادب'' وغیرہ بلند پایہ تصنیف ہیں۔ دارالمصنفین کے ماہنامہ ''معارف'' کے مدیر رہے، ساتھ ہی خلافت کمیٹی، جمعیۃ علماء ہند اور دارالعلوم دیوبند کے رُکن رہے۔ جمعیۃ علماء ہند کے ساتویں اجلاس بمقام کلکتہ کی صدارت کی۔ منازلِ سلوک حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے طے کرکے اجازت بیعت حاصل کی۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان منتقل ہوگئے اور وہیں ۲۲/نومبر ۱۹۵۳ء کو سپردِ رحمت ہوئے۔]

(۲) بحوالہ: سالنامہ دُرِ مقصود، جلد: ۲۹، ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء، بحوالہ مقالات فریدی جلد سوم۔

سے درس وتدریس کا تعلق تھا۔اس اجلاس سے متعلق لکھتے ہیں:

''جمعیۃ کا اجلاس شروع ہونے سے ایک دو دن پہلے ہی قریبی مقامات سے جمعیتی رضاکاروں کے جتھے انتظام کے لیے آنا شروع ہوگئے۔میرے وطن سنبھل کا ایک جتھا ایک دن پہلے پہنچنے والا تھا اس میں کے بعض آدمی علی الصباح پہنچ گئے اور انھوں نے بتایا کہ ہمارا پروگرام یہ ہے کہ ہمارا جتھا ایک جلوس کی شکل میں امروہہ میں داخل ہو۔ اس جلوس میں کچھ اونٹ اور ان پر نقارے ہوں،اس لیے ہمارے واسطے اونٹوں اور نقاروں کا انتظام کردیا جائے۔ہم لوگ جو امروہہ میں اس وقت اجلاس کے کاموں کے ذمہ دار تھے، ان کے سامنے یہ مسئلہ آیا۔تقریباً آٹھ نو بجے صبح کا وقت تھا،مجلس استقبالیہ کے دفتر میں بیٹھے ہم اسی مسئلہ پر مشورہ کررہے تھے کہ اونٹوں اور نقارہ والا یہ حجازی نما جلوس یہاں نکلنا مناسب ہے یا نہیں۔میری اور اکثر کارکنوں کی رائے اس وقت کے عام حالات میں جلوس کے حق میں تھی،لیکن ہم سب کے مخدوم اور ہر حیثیت سے بزرگ حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰنؒ صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ امروہہ کی رائے نہیں تھی۔ ان کو غالباً اس کے جواز میں بھی شبہ تھا یا وہ اس کو ثقاہت اور سنجیدگی کے خلاف سمجھتے تھے۔ یہ مشورہ چل ہی رہا تھا کہ اچانک دو حضرات دفتر میں داخل ہوئے۔ ان میں ایک تو حضرت مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ تھے جو میرے لیے جانے پہنچانے ہی نہیں بلکہ میرے استاد تھے۔ اور ان کے ساتھ جو دوسرے صاحب تھے ان کو ہم میں سے کوئی نہیں پہچانتا تھا۔ ان کی وضع یہ تھی کہ ہاتھ میں بہت موٹا سا

ایک سونٹا جسم پر کھدر کا چھوٹا سا قمیص نما آستین کرتا اور غالباً کھدر ہی کا رنگا ہوا نیلا تہبند۔ جسم بالکل پہلوانوں کا سا، میں سمجھا کہ یہ مفتی صاحب کے ساتھ کوئی رضا کار ہیں۔ اتنے میں خود مفتی صاحب نے بتایا کہ یہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری(۱) ہیں۔ یہ سن کر سب کی خاص کر میری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی کیونکہ میرے تصور میں تو ان کی صورت اور وضع بخاریؒ کے کسی مقدس شیخ خانقاہ کی سی ہے۔ مصافحہ اور ملاقات کے بعد بڑی بے تکلفی کے ساتھ شاہ صاحب نے ہم لوگوں سے فرمایا کیا ہو رہا ہے؟ میں نے کہا ہم لوگ ایک چھوٹے سے مسئلہ پر غور کر رہے ہیں۔ سنبھل کے رضا کاروں کا جتھا آرہا ہے وہ اس طرح کا جلوس نکالنا چاہتا ہے۔ ہم میں سے کچھ کی رائے ہے کہ نکلنا چاہیے اور بعض حضرات اس کو ٹھیک نہیں سمجھتے۔ شاہ صاحب نے اپنے خاص انداز میں فرمایا کہ اس وقت کے مفتی ہم ہیں، ہم

---

(۱) امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔ آپ کی ولادت ۱۸۹۱ء میں پٹنہ کے معزز دینی، روحانی خانوادہ میں ہوئی۔ والد کا نام ضیاء الدین احمد تھا۔ آپ کا خاندان سادات حسنی سے تعلق رکھتا ہے۔ شجرۂ نسب ۳۹ویں پشت میں حضرت حسنؓ سے ملتا ہے۔ آپ کی نشوونما دینی ماحول میں ہوئی۔ خواجہ عنبر کی مسجد پٹنہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور وہیں قرآن کریم حفظ کیا۔ ۱۹۱۳ء میں آپ کے دادا امرتسر چلے گئے ،وہاں آپ نے مفتی غلام مصطفیٰ قاسمیؒ، مولانا نور احمد امرتسریؒ، مفتی محمد حسن امرتسریؒ سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ سے بیعت ہوئے اور سلوک کی منزلیں طے کیں۔ وطن کی آزادی کے سلسلے میں آٹھ سال تک جیل میں رہے۔ تقسیم ملک کے بعد یہ خاندان لاہور بعدہٗ ملتان منتقل ہوگیا ،قادیانیت کی تردید میں تین مرتبہ جیل گئے۔ قدرت نے غیر معمولی فصاحت و بلاغت عطا کی تھی۔ اپنی شعلہ بیانی، خطابت، سیاست اور تبلیغ دین میں بے نظیر تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے ۱۹۳۰ء کے اجلاس امروہہ میں شرکت کی۔ ۲۱/اگست ۱۹۶۱ء میں یہ مرد مجاہد اور برصغیر کی آزادی کا علمبردار موت کی آغوش میں چلا گیا۔ ملتان کے قبرستان جلال باقری میں محو آرام ہیں۔

فتویٰ دیتے ہیں کہ ایسا جلوس نکلنا چاہئے۔ منگواؤ اونٹ اور نقارے
ایک اونٹ پر میں خود بھی بیٹھوں گا''۔(۱)

اس کے بعد حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ (۲) تحریر کرتے ہیں کہ وہ جمعہ کا دن تھا اور جامع مسجد امروہہ میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر کا شہر میں اعلان بھی اسی جلوس سے کیا گیا۔

انجمن مصباح السنہ

آپ نے اور حکیم سید سلطان احمد رضوی مرحوم نے مولانا سید محمد صالح رضویؒ (۳) کے مشورہ سے انجمن مصباح السنہ قائم کی، جس کے سالانہ اجلاس بڑے اہتمام سے ہوا کرتے تھے۔ اس اجلاس میں ملک کے مشاہیر علماء کو دعوت دی جاتی تھی۔

حضرت مولانا فریدیؒ اس انجمن کے متعلق اپنے مضمون ''حکیم سید سلطان احمد رضوی مرحوم کی یاد میں'' لکھتے ہیں:

''مولانا سید محمد صالح رضوی کے مشورہ سے ہم دونوں نے ایک انجمن

---

(۱) الفرقان وفیات نمبر

(۲) [حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نہ صرف برصغیر بلکہ عالمِ اسلام کے مشہور و معروف علماء میں سے تھے۔ آپ ماہنامہ رسالہ ''الفرقان'' کے بانی تھے جو ۷۸ر سال سے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔ مولانا نعمانیؒ بہترین مصنف بھی تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ خصوصاً احادیث کا انتخاب کر کے ''معارف الحدیث'' ۸ر جلدوں میں مرتب کی۔ آپ کا وصال ۲۶ر ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ موافق ۴ر مئی ۱۹۹۷ء میں لکھنؤ میں ہوا اور وہیں عیش باغ کے قبرستان میں ابدی آرام گاہ بنی۔] (زیارت حرمین-۳۴۳)

(۳) مولانا سید محمد صالح رضوی امروہی ثم کراچوی، آپ امروہہ کے سادات رضویہ میں سے تھے۔ تمام علوم متداولہ کی تحصیل جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں کی۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے اور وہیں کی خاک میں سپرد رحمت ہوئے۔ مولانا فریدیؒ کے احباب میں سے تھے۔

مصباح السنہ کے نام سے بنائی تھی۔ شہر کے ہر ہر محلّہ سے اس
کے ممبر بنائے گئے تھے۔ اس کے ایک سالانہ جلسہ میں مولانا
سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی تشریف لائے تھے۔ حکیم صاحب
شاہ صاحب موصوف کے بہت معتقد اور گرویدہ تھے۔ شیخ
الاسلام حضرت مدنیؒ اور مجاہد ملتؒ سے ان کے بہت کچھ روابط
تھے''۔(۱)

جامعہ حسینیہ دارالعلوم چلہ امروہہ

فارسی کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا فریدیؒ نے ایک سال مدرسہ دارالعلوم چلہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ درس کے ساتھ ہی حضرت مولانا انوارالحق صدیقی امروہیؒ سے ہدایت النحو پڑھنے کی درخواست کی تو مولاناؒ نے فرمایا کہ جب میں ظہر کا وضو کروں اس وقت پڑھ لینا۔ حضرت مولانا فریدیؒ میزان، نحومیر، پنج گنج، شرح مأۃ عامل اور علم الصیغہ وغیرہ پڑھ چکے تھے۔

مولوی حکیم صیانت اللہ صدیقی امروہوی مرحوم سابق مہتمم دارالعلوم چلہ ماہنامہ الفرقان کے فریدی نمبر میں اپنے مضمون ''کچھ مشاہدات اور تأثرات'' میں رقمطراز ہیں:

''مدرسہ چلہ سے معلّمی کا سلسلہ شروع ہوا مگر طالب علمانہ جذبہ کے
ساتھ۔ عربی اساسی کتب میں ایک کتاب ''ہدایۃ النحو'' بھی ہے۔ اس
کی تکمیل کے لیے حضرت مولانا انوارالحق صدیقیؒ سے درخواست کی
گئی جن کا ہر سانس، ہر لمحہ درس وتدریس کے لیے وقف تھا۔ حکم ملا کہ
جب ظہر کی نماز کا وضو شروع ہو، درس لے لیا جائے۔ حکم کی تعمیل اور

(۱) سالنامہ دُرِ مقصود، جلد: ۶۹، ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء بحوالہ مقالات فریدی جلد سوم۔

کتاب کی تکمیل اس مختصر و بابرکت وقت میں ہوئی۔ میری نظر میں
یہیں سے طلب علم کی نشاۃ ثانیہ کا دینی و روحانی سفر شروع ہوا۔
''بعد منزل نہ بود در سفر روحانی'' آخرش مقررہ منزل مل ہی گئی''۔(۱)

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''مولانا فریدیؒ نے ایک سال مدرسہ دارالعلوم حسینیہ عربیہ محلّہ
چلہ امروہہ میں فارسی پڑھائی، پھر عربی تعلیم کی طرف متوجہ
ہوئے''۔(۲)

مولانا فریدیؒ کے برادرزادہ انیس احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''عربی کی باقاعدہ تعلیم شروع کرنے سے پہلے تقریباً ایک سال
تک مدرسہ عربیہ دارالعلوم چلہ امروہہ میں فارسی کے مدرس
رہے''۔(۳)

جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں تعلیم

حضرت مولانا فریدیؒ نے باقاعدہ علوم اسلامیہ اور عربیہ کی تعلیم حاصل کرنے کے
لیے مدرسہ جامع مسجد، امروہہ میں داخلہ لیا۔ یہ مدرسہ قاسم العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد
قاسم نانوتویؒ کے ایما سے یہاں کے سربرآوردہ اور علم دوست حضرات نے تقریباً ۱۲۹۶ھ
میں تاج المدارس کے نام سے قائم کیا، جو مختلف محلوں میں اپنی خدمات انجام دیتا رہا۔ وہاں
سے منتقل ہوکر جامع مسجد امروہہ میں باقاعدہ قائم کیا گیا۔ سید العلماء حضرت مولانا سید احمد
حسن محدث امروہیؒ ذی قعدہ ۱۳۰۴ھ میں مدرسہ شاہی مرادآباد سے استعفیٰ دے کر اپنے
وطن تشریف لے آئے اور اس مدرسہ کو جملہ علوم وفنون سے مستحکم کیا اور اسی سال سے دورۂ

(۱) الفرقان فریدی نمبر (۲) ایضاً (۳) ایضاً

حدیث کا آغاز ہوا، جو اب تک جاری ہے۔

یہاں آپ نے حضرت مولانا سید رضا حسن رضوی امروہیؒ برادر زادہ و داماد حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ، حضرت مولانا انوار الحق عباسی امروہیؒ، مفسر قرآن حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰن امروہیؒ (۱) سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ نے علم فرائض حضرت مولانا انوار الحق عباسی امروہیؒ سے صرف ایک دن میں حاصل کیا؛ کیونکہ آپ کا حساب اچھا تھا۔ مدرسہ جامع مسجد، امروہہ میں موقوف علیہ بلکہ بیضاوی شریف اور ترمذی شریف تک پڑھا۔

---

(۱) [مولانا حافظ عبد الرحمٰن صدیقی سندیلوی ثم امروہیؒ۔ آپ کا آبائی وطن سندیلہ ضلع ہردوئی تھا۔ آپ کے والد مولانا عنایت اللہ نے بمبئی کو اپنا مستقر بنایا۔ وہاں ریاست بھوپال کی جانب سے محافظ حجاج تھے۔ وہیں ۱۲۷۷ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ۹ سال کی عمر میں اپنی بہن کے ساتھ ''مکہ معظمہ'' چلے گئے۔ وہاں اپنے ہم نام حافظ صاحب سے قرآن کریم حفظ کیا جو کہ معلم عبید الرحمٰن کے دادا تھے۔ پہلی محراب ''مسجد الحرام'' کے صحن میں سنائی ۱۲۹۰ھ میں بمبئی واپس ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۲۹۲ھ سے ۱۲۹۷ھ تک دار العلوم دیوبند میں بغرض تعلیم مقیم رہے اور حضرت نانوتویؒ سے مسجد چھتہ میں ترمذی شریف پڑھی۔ حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد مدرسہ شاہی مرادآباد میں حضرت محدث امروہیؒ سے صحاح ستہ کی تکمیل کر کے سند فراغت ۱۳۰۱ھ میں حاصل کی۔ آپ کے مفصل حالات مقالاتِ فریدی جلد اول میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ بعدہٗ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بھی دورۂ حدیث پڑھا۔ قاضی محمد ایوبؒ اور حسین ابن محسن یمنی خزرجیؒ سے سند حدیث حاصل کی۔ حضرت محدث امروہیؒ کی وفات کے بعد جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ کی مسند حدیث پر رونق افروز ہوئے۔ امروہہ سے پہلے مدرسہ شاہی میں بھی صدر مدرس رہے۔ مسلسل ریاست منڈھو، مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات، دار العلوم دیوبند میں بھی درس دیا۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ تفسیر بیضاوی، مطول پر حواشی ہیں۔ ۲۳؍ جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ میں وصال ہوا۔ حضرت محدث امروہیؒ کے پہلو میں مدفون ہیں۔] (زیارت حرمین: ۶۶-۶۷)

حضرت مولانا فریدیؒ رقمطراز ہیں:

''یہ مدرسہ بنیادی حیثیت سے قاسم العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد قاسمؒ کا قائم کردہ ہے۔ انھیں کے ایما پر اس مدرسہ کی داغ بیل پڑی تھی۔ شمالی ہند کے جہاں اور بہت سے مدارس اسلامیہ حضرت قاسم العلومؒ کی یادگار ہیں وہاں یہ مدرسہ بھی انہیں کی یادگار اور ان کے دریائے فیض کی ایک نہر ہے۔ حضرت نانوتویؒ کی حیات میں اور ان کی وفات کے کچھ سال بعد تک یہ مدرسہ متعدد محلوں میں مختلف ناموں (تاج المدارس وغیرہ) سے ابتدائی و متوسط حالت میں چل رہا تھا۔ آپ نے اس کا مختصر نام ''مدرسہ اسلامیہ امروہہ'' رکھا۔ حضرت امروہیؒ نے مرادآباد سے آکر جامع مسجد امروہہ میں اس کو باقاعدہ اور باضابطہ طریقہ پر قائم کیا۔ از سر نو اس کی بنیادوں کو مضبوط کر کے اس میں تمام علوم و فنون کی تعلیم جاری کی پہلے ہی سال اس مدرسہ کی شہرت حضرت محدث امروہیؒ کی شخصیت کی بنا پر دور و نزدیک ہوگئی''۔(۱)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی زبانی حضرت مولانا فریدیؒ کے متعلق سنئے:

''قریباً ۶۲-۶۳ سال پہلے کی بات ہے امروہہ ضلع مرادآباد کے مدرسہ عالیہ (چلہ) میں یہ عاجز مدرس تھا، تین سال وہاں اس سلسلے میں قیام رہا۔ ایک نوجوان جن کی عمر اس وقت ۱۶-۱۷ سال کے قریب رہی ہوگی، بہت مہذب اور اس نوجوانی میں بہت صالح تھے، اکثر ملتے تھے۔ ان کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا

(۱) سید العلماء، سوانح حیات حضرت محدث امروہیؒ

کہ بہت فہیم اور سلیم الفطرت ہیں۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا ہو کہ آپ نے کیا پڑھا ہے اور کیا پڑھ رہے ہیں، بعد میں معلوم ہوا کہ انھوں نے مڈل، ہائی اسکول، اردو اعلیٰ قابلیت اور منشی کامل (فارسی) کے امتحانات پاس کر لیے تھے۔ اس زمانہ کے خاص حالات میں ان امتحانات کے پاس کر لینے کے بعد ان کو کسی اسکول یا کالج میں اردو فارسی کے استاذ کی حیثیت سے اچھی ملازمت مل سکتی تھی اور ان کے گھر کے معاشی حالات کا یہی تقاضا بھی تھا کہ وہ اسی لائن کو اختیار کر لیتے؛ لیکن انھوں نے خالص دینی جذبہ اور حسنۂ آخرت کی طلب میں دینی تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہی نوجوان تھے جو بعد میں مولانا مفتی نسیم احمد فریدی کے نام سے معروف ہوئے''۔(۱)

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''عربی تعلیم کی ابتداء مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ میں ہوئی۔ یہ مدرسہ مولانا احمد حسن صاحبؒ سے نسبت کی بناء پر ہمیشہ علوم دینیہ کا مرکز رہا ہے اور ہندوستان کے بعض مشہور علماء یہاں کے درس و تدریس سے متعلق رہے ہیں۔ مولانا فریدیؒ نے مولانا سید رضا حسن (داماد و برادرزادۂ مولانا احمد حسن محدث امروہی) مولانا انوارالحق عباسی وغیرہما سے حدیث تفسیر، فقہ اور دیگر علوم متداولہ حاصل کیے ہیں۔ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب صدیقی مفسر امروہیؒ سے قدوری پڑھی۔

(۱) الفرقان فریدی نمبر

امروہہ میں بیضاوی اور ترمذی شریف تک پڑھ کر دیوبند چلے
گئے''۔(۱)

سید غیور حسن امروہوی مرحوم لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا فریدی نے عربی کی تعلیم حضرت مولانا
رضا حسنؒ، مولانا انوار الحق عباسیؒ سے حاصل کی اور ایک کتاب
حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہیؒ سے بھی پڑھی''۔(۲)

نظم

جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

حضرت مولانا فریدیؒ نے یہ نظم جمعیۃ علماء ہند کے نویں اجلاس منعقدہ مئی ۱۹۳۰ء بمقام جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ، میں پڑھی تھی۔ اس موقع پر آپ کے استاذ منشی عزیز احمد عزیزؔ امروہوی بھی موجود تھے:

ساقیٔ عرفاں پلا مجھ کو وہ جامِ خوش گوار
تا ابد باقی رہے جس کا مرے سر میں خمار
جنت الفردوس آجائے نظر جس کے سبب
اور رہے پیشِ نظر صحنِ بہشتِ لالہ زار
نقشہ کھنچ جائے مری نظروں میں بیت اللہ کا
سامنے آجائے سردار دو عالمؐ کا دیار

---

(۱) الفرقان فریدی نمبر

(۲) حلیے اور خاکے

ہو تصور مجھ کو دربارِ رسالت کا نصیب
جس جگہ حلقہ کیے بیٹھے ہوں اصحابِ کبارؓ
اپنی ان آنکھوں سے دیکھوں منظر خیرالقرون
جس میں تھا ہر ایک مسلم اہل دل، ایماندار
منزل صبر و تحمل میں رہوں ثابت قدم
پائے استقلال کو حاصل ہو ایسا استوار
دور بینی، دور اندیشی وہ حاصل ہو مجھے
سوچ لوں ہر کام کے آغاز کا انجام کار
باغِ ظاہر میں تو قمری کہتی ہے حق سرّہٗ
یاں بھی ہے ''قال رسول اللہ'' پیہم، باربار
باغِ ظاہر میں جو بلبل ہے گلوں پہ شیفتہ
یاں بھی ہر اک فرد ہے حکمت کے پھولوں پر نثار
جھومتا ہے کوئی طالب گر وفورِ شوق سے
میں سمجھتا ہوں کہ گویا ہل رہی ہے شاخسار
نصب ہیں گر باغِ ظاہر میں قرینے سے نہال
یاں بھی سب طلاب بیٹھے ہیں قطار اندر قطار
رٹ رہا ہے کوئی لڑکا صفحۂ ''میزانِ صرف''
''فعل فعلاً'' سے نہیں اُس کی زباں کو ہے قرار
پڑھ رہا ہے کوئی ابوابِ ''گلستاں بوستاں''
دیکھتا ہے شیخ سعدیؔ کی عبارت کی بہار

اک جگہ پر ہو رہا ہے درس تفسیر و حدیث
حل جہاں پر ہورہے ہیں نکتہ ہائے بے شمار
مدرسے کے بانیٔ اول کا بتلاؤں میں نام؟
حضرت نانوتویؒ(۱) مسکن گُن دارالقرار
قاسمِ ثانیؒ (۲) نے پھر اس میں لگائے چار چاند
مرکزِ انوارِ ربانی بنے ان کا مزار
صدریاں کے جانشین قاسم ثانی(۳) ہیں اب
جن کے دم سے ہوگئیں دیواریں یاں کی استوار
ماہرِ علمِ شریعت، فاضلِ دینِ متین
نکتہ فہم و دور بین و باکمال و ذی وقار
ظل رحمانی رہے اُن کا سر امروہہ پر
عمر خضری بخش دے ان کو خدائے کردگار
حافظ و قاری و حاجی، عالم شرع مبیں
آپ استادِ عرب ہیں، ہے عجم کا کیا شمار
جس کو اقصائے جہاں میں فہمِ قرآں پر ہو ناز
ان سے سن جائے وہ تفسیرِ کلامِ کردگار
مہتمم طلاب نائب سب کے سب ہیں ان سے خوش
ان کا خادم ان سے راضی کیا صغار و کیا کبار

(۱) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ (۲) حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ۔
(۳) حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر امروہیؒ

ہر کوئی مدح و ثناء میں ان کی ہے رطب اللسان
کیوں نہ ہو، ہے نام تک ان کا عزیز (۱) کردگار
ہیں شریکِ جلسہ وہ ممتاز وہ اعلیٰ ہستیاں
خاکِ امروہہ کو تھا جن کا مدت سے انتظار
اے فریدیؔ اب دعا پر ختم کر اپنا کلام
تا کجا یہ خامہ فرسائی بجائے اختصار
یا الٰہ العالمیں در صدقۂ شاہِ رسلؐ
"تا معاد ایں مدرسہ را قائم و پائندہ دار"

□□□

دارالعلوم دیوبند

موقوف علیہ بلکہ بیضاوی شریف اور ترمذی شریف پڑھنے کے بعد شوال ۱۳۵۴ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے لیے مرکز علوم دارالعلوم دیوبند پہنچے۔(۲) یہ چمنستان علوم دینیہ اس وقت بھی اسی طرح پُر بہار تھا، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ [۱۲۹۵ھ=۱۸۷۹ء-۱۳۷۷ھ=۱۹۵۷ء] مسند صدارت پر جلوہ افروز اور حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی قدس سرہٗ [محرم ۱۳۱۵ھ = جون۱۸۹۷ء-۶/شوال ۱۴۰۳ھ -

(۱) حافظ قاری عزیز الحق عباسی امروہیؒ

(۲) مولانا فریدیؒ فرماتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند جانے سے پہلے میں نے دارالعلوم اور قصبہ دیوبند کو خواب میں دیکھا تھا، جب دیوبند پہنچا تو دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کو جیسا خواب میں دیکھا تھا ویسا ہی پایا۔

۱۷/ جولائی ۱۹۸۳ء] مہتمم تھے۔ نیز اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن محدث دیوبندیؒ (۱)

(۱) [شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی دیوبندیؒ۔ آپ دیوبند کے خانوادہ عثمانی میں سے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت بریلی میں ۱۲۶۸ھ موافق ۱۸۵۱ء میں ہوئی۔ وہاں آپ کے والد مولانا ذوالفقار علی ملازم تھے۔ ابتدائی تعلیم میاں جی منگلوریؒ سے حاصل کی۔ عربی اپنے چچا مولانا مہتاب علی سے پڑھیں۔ اسی دوران ۱۵/محرم ۱۲۸۳ھ موافق ۳۰/مئی ۱۸۶۶ء بروز پنجشنبہ دارالعلوم کی بنیاد پڑی۔ اس کے پہلے طالب علم آپ اور پہلے معلم ملا محمود دیوبندیؒ مقرر ہوئے۔ آپ نے تمام وفنون کی تحصیل کے بعد صحاح ستہ کی تکمیل قاسم العلوم والمعارف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے دیوبند، میرٹھ اور نانوتہ میں رہ کر کی۔ ۱۸۷۳ء میں فراغت کے بعد دارالعلوم میں مدرسہ چہارم مقرر ہوئے۔ ترقی کرتے ہوئے ۱۳۰۸ھ میں صدر مدرس کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے اور اس منصب سے ہزاروں تشنگانِ علوم کو سیراب کیا۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ جیسے اساطین تھے۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اجازت بیعت دی۔ تحریک آزادی میں آپ کی خدمات اور کارنامے بے مثال ہیں۔ آپ نے اپنی جدوجہد کا آغاز ۱۸۷۸ء میں انجمن ثمرۃ التربیت قائم کرکے کی۔ پھر جمعیۃ الانصار، نظارۃ المعارف القرآنیہ اور تحریک ریشمی رومال کے ذریعہ آپ کی انقلابی سرگرمیاں ظاہر ہوئیں۔ استخلاص وطن کا ایسا منصوبہ تیار کیا تھا جس کا دائرہ ہندوستان کے علاوہ روس، جرمنی، افغانستان اور ممالک عربیہ تک پھیلا ہوا تھا۔ مگر تحریک کامیابی سے پہلے ہی ناکام ہوگئی اور ''مکہ معظمہ'' میں گرفتار کرکے مالٹا کی جیل میں مقید کردئے گئے۔ وہاں اپنے رفقاء کے ساتھ ساڑھے چار سال قید رہنے کے بعد ۱۲/مارچ ۱۹۲۰ء کو رہائی ہوئی۔ مالٹا کی جیل میں درس حدیث کے علاوہ آپ کا عظیم کارنامہ ''ترجمہ قرآن بنام موضح فرقان'' ہے۔ مالٹا سے واپسی کے بعد صحت کی خرابی کے باوجود وطن کی آزادی کی مساعی جاری رہی۔ فتاویٰ ترک موالات، جامعہ ملیہ کا سنگ بنیاد، دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کی صدارت فرمائی۔ اس سفر کے بعد آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہو جانے کے بعد بغرض علاج دہلی لے جائے گئے۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور حکیم محمد اجمل خاں کے زیر علاج رہے مگر وطن عزیز کو آزاد نہ دیکھ سکے۔ ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۹ھ موافق ۳۰/نومبر ۱۹۲۰ء میں اپنے رب حقیقی سے جاملے۔ آپ کی جنازہ کی نماز علاوہ دیوبند کے دہلی، میرٹھ اور میرٹھ چھاونی میں بھی ہوئی۔ اور مزار قاسمی میں ہمیشہ کے لیے سپرد رحمت کردئے گئے۔]

[۱۲۶۸ھ=۱۸۵۱ء-۱۳۳۹ھ=۱۹۲۰ء] کے دیگر باکمال تلامذہ اس گلشن کی آبیاری کررہے تھے اور تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور تمام ہی علوم عقلیہ ونقلیہ کا درس دے رہے تھے۔

اس وقت اس گلشن قاسمی و رشیدی کی فضاء عجیب روحانی تھی۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے علاوہ شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ [۱۳۰۰ھ= ۱۸۸۲ء-۱۳۷۴ھ=۱۹۵۵ء] حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندیؒ [ت ۱۳۶۴ھ = ۱۹۴۴ء] حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ(۱) [ت ۱۳۶۷ھ=۱۹۴۸ء] حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ [۱۳۰۴ھ=۱۸۸۶ء-۱۳۸۷ھ=۱۹۶۷ء] اور حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ [ت ۱۳۶۶ھ=۱۹۴۶ء] خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا فریدیؒ نے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھی۔ شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ سے شمائل ترمذی پڑھی اور حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندیؒ سے ابوداؤد شریف پڑھی۔ ان اسباق میں اساتذہ کی تقریروں کے لکھنے کا خاص اہتمام کرتے رہے۔ ترمذی میں حضرت مولانا مدنیؒ کی تقریر اور شمائل میں شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ کی تقریر کے مسودے آپ کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ کاش! کہ یہ دونوں علمی جواہر پارے بھی

---

(۱) [مفتی محمد سہول صاحب بھاگلپوریؒ، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور حضرت گنگوہیؒ کے مرید تھے۔ تذکرۃ الرشید میں بھی آپ کا ذکر آیا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ نے کثرت سوال کی وجہ سے آپ کو سئول فرمایا۔ سی آئی ڈی کی رپورٹ میں ہے مولوی محمد سہول نے دیوبند میں مولانا محمود حسن سے تعلیم حاصل کی وہ مولانا رشید احمد گنگوہی کا مرید تھا، تکمیل درس کے بعد مولوی سہول نے دیوبند کے مدرسہ میں چند سال تک مدرس کی حیثیت سے کام کیا جس کے بعد وہ مدرسہ عالیہ عربیہ کلکتہ کے اسٹاف میں شامل ہوگئے جہاں اب وہ سینیر مدرس ہیں ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود حسن کے ہمراہ عرب چلے گئے تھے (تحریک شیخ الہند) (فریدی)] (بحوالہ: مقالات فریدی ۱/۱۷۷)

منصۂ شہود پر آجائیں۔(۱) حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندی کے درس ابوداؤد کی تقریر کے بارے میں مولانا فریدیؒ کا ایک مضمون الفرقان اگست، ستمبر ۱۹۸۶ء میں بعنوان ''مختصر درس ابوداؤد شریف کی چند جھلکیاں'' (۲) دو قسطوں میں شائع ہو چکا ہے۔ مسلم شریف مولانا علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے پڑھی۔ ۱۳۵۵ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''دارالعلوم دیوبند میں مولانا فریدیؒ نے دورۂ حدیث پڑھا دیوبند کی فضا میں مولانا فریدی کے دینی مزاج کو تقویت حاصل ہوئی اور اس کا رنگ پختہ ہوگیا۔ انھوں نے مولانا مدنیؒ کے درس حدیث کا نقشہ بڑے کیف و سرور کے عالم میں ایک مضمون میں پیش کیا ہے۔ (۳) دیوبند کی زندگی کے یہ شب و روز ہمیشہ ان کے ذہن و دل پر چھائے رہے''۔(۴)

سید غیور حسن امروہوی مرحوم لکھتے ہیں:

''مولانا حصول تعلیم کی نیت سے دیوبند چلے گئے اور وہاں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے حدیث شریف کا درس لیا اور انہیں کے دست مبارک پر بیعت کی''۔(۵)

---

(۱) یہ دونوں علمی جواہر پارے حضرت مولانا فریدیؒ کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ یہ بھی شائع ہوجاتے تو اچھا ہوتا
(۲) درس ابوداؤد شریف کی چند جھلکیاں مقالات فریدی جلد سوم میں ملاحظہ کریں۔
(۳) شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے درس حدیث کی ایک جھلک، روزنامہ الجمعیۃ کا شیخ الاسلام نمبر۔ اب یہ مضمون مقالاتِ فریدی جلد دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔
(۴) الفرقان فریدی نمبر
(۵) حلیے اور خاکے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں

حضرت مولانا فریدیؒ قیام دارالعلوم دیوبند کے زمانہ میں چند طلباء کے ساتھ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ [۱۲۸۰ھ۱۸۶۳ء-۱۳۶۲ھ۱۹۴۳ء] (۱) سے ملاقات کے لیے تھانہ بھون پہنچے۔ بر وقتِ ملاقات آپ نے کہا کہ ہم طلباء ہیں، دارالعلوم دیوبند سے آئے ہیں، دودن قیام رہے گا۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے بڑی تعریف کی۔ حضرت تھانویؒ دورانِ تعلیم طلباء کو بیعت وغیرہ نہیں کرتے تھے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم لکھتے ہیں:

> ''دیوبند کے قیام کے زمانہ میں ایک بار مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں جانے کا موقع ملا۔ دو طالب علم اور ساتھ تھے۔ مولانا تھانویؒ کے مزاج اور قواعد کے متعلق وہ سن چکے تھے۔

---

(۱) [حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی فاروقی تھانویؒ۔ آپ ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میرٹھ اور اپنے وطن میں پاکر ۱۲۹۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ۱۳۰۱ھ میں فراغت کے بعد دستارِ فضیلت حاصل ہوئی۔ آپ کی تصانیف سیکڑوں ہیں، کئی سو وعظ بھی آپ کے طبع ہو چکے ہیں۔ سلوک و طریقت کی رہنمائی کے لیے بھی آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ فراغت کے بعد تقریباً چودہ سال آپ نے کانپور میں مدرسہ فیضِ عام اور مدرسہ جامع العلوم میں درس دیا۔ آپ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خواص خلفاء میں سے تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں آپ کا ارادہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بیعت ہونے کا تھا مگر حضرتؒ نے تعلیم کے زمانہ میں بیعت کرنا مناسب نہ جانا۔ آپ حضرت گنگوہیؒ کا اتنا ہی ادب واحترام کرتے تھے جتنا کہ پیر و مرشد کا کیا جاتا ہے۔ آپ کے تلامذہ اور آپ کے خلفاء کی بھی بہت بڑی تعداد ہے۔ آپ کے علمی روحانی کمالات اظہر من الشمس ہیں خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے اشرف السوانح کے نام سے چار جلدوں میں آپ کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ ۱۶؍رجب ۱۳۶۲ھ شب سہ شنبہ ۱۹، ۲۰؍جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی شب میں بعد نمازِ عشاء آپ کا وصال ہوا۔ عمر شریف ۸۲ سال تین ماہ گیارہ دن کی ہوئی۔ مزار تھانہ بھون میں ہے۔ (تذکرہ مشائخ دیوبند بحوالہ اشرف السوانح) (فریدی)]

جب خدمت میں حاضر ہوئے، مولانا اشرف علیؒ نے پوچھا کون ہو؟ مولانا فریدیؒ نے نہایت مؤدبانہ جواب دیا، ہم دیوبند کے طالب علم ہیں۔ آپ سے ملنے کے لیے آئے ہیں، دو دن قیام کا ارادہ ہے۔ یہ مکمل جواب سن کر مولانا تھانویؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ طالب علموں کا یہی انداز ہونا چاہیے۔ پھر دو دن مسلسل اپنی عنایات سے نوازتے رہے"۔(۱)

حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوریؒ

حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوریؒ[۱۳۰۴ھ=۱۸۸۷ء-۱۳۸۱ھ=۱۹۶۲ء](۲) کا درس قرآن دور و نزدیک مشہور تھا۔ ان سے درس تفسیر پڑھنے کے لیے ۱۹۳۶ء میں لاہور کا سفر کیا۔

(۱) الفرقان فریدی نمبر

(۲) [شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ۔ آپ اپنے عصر کے مشہور مفسر اور بلند پایہ شیخ طریقت تھے۔ ۲/رمضان ۱۳۰۴ھ موافق ۱۸۸۶ء میں "گوجرانوالہ" کے قصبہ جلال پور میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والدہ کی آغوش اور مکتب کوٹ سعداللہ میں ہوئی۔ زیادہ تر تعلیم امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے حاصل کی۔ بقیہ علوم کی تحصیل مدرسہ "دارالارشاد" گوٹھ پیرجھنڈا میں کر کے ۱۳۲۷ھ میں سند فراغت حاصل کی اور وہیں سے درس وتدریس کا آغاز کیا۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی صاحبزادی سے نکاح ہوا جمعیۃ الانصار اور نظارۃ المعارف القرآنیہ میں مولانا سندھیؒ کے معاون رہے۔ تحریک شیخ الہندؒ میں پورا حصہ لیا۔ تحریک کی ناکامی کے بعد جیل جانا پڑا۔ دہلی سے جلاوطن ہوکر لاہور پہنچے وہاں انجمن خدام القرآن اور مدرسہ قاسم العلوم قائم کیا اور وہیں پوری عمر درس قرآن جاری رکھا۔ آپ کے درس تفسیر قرآن میں دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس کے فضلاء شریک ہوتے تھے۔ مولانا فریدیؒ نے بھی آپ سے تفسیر پڑھی اور تفسیری نوٹ بھی لکھ کر لائے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند اور اس کی مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ آزادیٔ وطن کے سلسلے میں متعدد بار گرفتار ہوئے ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کی جدوجہد میں بھی قید ہوئے ۱۳۸۱ھ موافق ۱۹۶۲ء میں وصال ہوا۔ لاہور میں تدفین ہوئی۔ محب الحق] (بحوالہ: زیارت حرمین شریفین-۸۲)

مولانا لاہوریؒ کا درس قرآن علماء اور طلباء کے لیے تین ماہ میں ختم ہوتا تھا۔ تفسیر پڑھنے کے ساتھ تفسیری نکات بھی قلمبند فرماتے گئے۔(۱)

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم لکھتے ہیں:

''۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوریؒ کے حلقہ درس میں شرکت کے لیے لاہور پہنچے اور تین مہینے تک شریک درس رہے رخصت کرتے وقت انھوں نے سند بھی عطا کی''۔(۲)

علامہ اقبال سے ملاقات

لاہور کے قیام کے زمانہ میں مولانا فریدیؒ شاعر مشرق علامہ اقبال [۱۲۹۰ھ = ۱۸۷۳ء - ۱۳۵۷ھ = ۱۹۳۸ء] سے ملے۔ یہ جمعہ کا دن تھا، تقریباً ایک گھنٹے جاوید منزل میں ملاقات ہوئی اور مختلف موضوعات پر گفتگو بھی کی۔ نیز اسی زمانہ میں مولانا کا ایک مضمون رسالہ ''تاج'' لاہور کے شمارہ بابت مارچ ۱۹۳۶ء میں ''اسلام میں طلب علم کی فضیلت اور اہمیت، علم دین کی تحصیل و اشاعت مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے'' کے عنوان سے شائع ہوا۔(۳)

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم لکھتے ہیں:

''لاہور کے قیام کے زمانہ میں علامہ اقبال کی خدمت میں حاضری کا موقع بھی ملا۔ تقریباً ایک گھنٹے جاوید منزل میں ان سے گفتگو رہی۔ اس گفتگو کی تفصیل اب ذہن میں محفوظ نہیں

---

(۱) حضرت لاہوریؒ نے اس مسودہ پر پینسل سے دستخط فرما دیئے۔ نیز سند عطا فرمائی۔ یہ مسودہ بھی حضرت مولانا فریدیؒ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۲) الفرقان فریدی نمبر

(۳) یہ مضمون مقالات فریدی جلد سوم میں ملاحظہ کریں۔

لیکن یہ یاد ہے کہ وہ علامہ اقبال کی دینی بصیرت اور دینی
جذبے کا ذکر ہمیشہ بڑی عقیدت سے کرتے تھے اور ان سے
ملاقات کا گہرا اثر ان کے دل اور دماغ پر ہوا تھا''۔(۱)

لاہور سے دیوبند واپسی

حضرت مولاناؒ لاہور سے دیوبند واپس آئے۔ دیوبند میں تقریباً ڈیڑھ دو سال مزید آپ کا قیام دارالعلوم میں رہا۔ اسی دوران استاذ القراء قاری حفظ الرحمٰن صاحب پرتاب گڑھی سے تیسویں پارے کی مشق کی۔ حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ صدر الافتاء اور مولانا مفتی ریاض الدین افضل گڑھیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندیؒ سابق مفتی اعظم پاکستان سے افتاء میں مہارت حاصل کی۔ اس کے ساتھ ہی شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علیؒ سے متنبّی، حماسہ، سبعہ معلقہ اور مفتاح العروض پڑھیں۔ مولانا علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ سے مسلم الثبوت، توضیح تلویح بھی پڑھی اور مولانا حکیم محمد عمر قاسمی دیوبندیؒ سے طب میں ''شرح اسباب'' پڑھی۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ ارقام کرتے ہیں:

''یہ عاجز ۳ سال امروہہ قیام کے بعد مدرسہ سے بلکہ تدریس کے مشغلے ہی سے ترک تعلق کر کے چلا آیا تھا، پھر محرم ۱۳۵۳ھ (مارچ ۱۹۳۴ء) میں بریلی سے ''الفرقان'' جاری کیا۔ مولانا نسیم احمد فریدی اپنے وطن امروہہ ہی میں درس نظامی کے درجہ موقوف علیہ تک کی تعلیم پوری کر کے دارالعلوم دیوبند چلے گئے وہیں انھوں نے دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ اس کے

---

(۱) الفرقان فریدی نمبر

بعد عربی ادب اور معقولات، منطق وفلسفہ کی بعض کتابیں پڑھنے
کے لیے جو دورۂ حدیث سے پہلے نہیں پڑھی جاسکی تھیں،
دارالعلوم دیوبند ہی میں رہے''۔(۱)

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم لکھتے ہیں:

''لاہور سے پھر دیوبند واپس آئے اور ادب کی کتابیں یعنی متنبّی،
حماسہ، سبعہ معلقہ اور اس کے ساتھ ساتھ مفتاح العروض وغیرہ
پڑھیں۔ اگلے سال معقولات کی کتابیں پڑھنے کا ارادہ تھا؛ لیکن
درمیان سال میں مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے بریلی کے
مدرسہ اشفاقیہ میں ان کا تقرر صدر مدرس کی حیثیت سے کرادیا اور
وہ بریلی چلے آئے''۔(۲)

سید غیور حسن امروہوی مرحوم لکھتے ہیں:

''دیوبند کے قیام کے دوران حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ سے
عروض کی کتابیں پڑھیں اور مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ اور دیگر
اساتذہ سے معقول کی کتابیں بھی پڑھیں''۔(۳)

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ کا خط

دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی تو شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علیؒ
[۱۳۰۰ھ=۱۸۸۲ء-۱۳۷۴ھ=۱۹۴۵ء] نے مولانا فریدیؒ کو یہ خط لکھا تھا:

''عزیز مکرم! جناب مولوی نسیم احمد صاحب امروہی زیدت معالیکم
پس از سلام مسنون، آپ علوم دینیہ عربیہ سے فارغ ہوچکے ہیں اور

(۱) الفرقان فریدی نمبر (۲) ایضاً
(۳) حلیے اور خاکے

عنقریب آپ دارالعلوم سے رخصت ہوں گے؛ بناءً علیہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر دوں تاکہ اگر کسی ادارہ کا کوئی کام آپ کے سپرد ہو تو اس کے کارکنوں کو آپ کے متعلق صحیح اندازہ کرنے کا موقع ملے۔

عزیزم! چونکہ آپ امروہہ کے باشندے ہیں اور یہی وطن میرا بھی ہے؛ اس لیے میں نے ان کئی سالوں میں آپ کے حرکات وسکنات، تحصیل علم میں تحمل صعوبات، رفتار وگفتار پر پوری نظر رکھی ہے کیونکہ میں متمنی ہوں کہ امروہہ علماء وفضلاء سے خالی نہ رہے، سو بحمد للہ کہ بظاہر اسباب میری توقع بے موقع نہیں ہے، آپ نے نہ فقط تحصیل علم میں صعوبات کا تحمل کیا بلکہ سادگی اور خوش اخلاقی سے اس طرح پر بسر کی کہ اساتذہ دارالعلوم دیوبند اور میں خصوصاً بہت زیادہ خوش رہا۔ مجھ کو یقین ہے کہ آپ جس علمی ادارہ میں انتظامی، تدریسی یا مالی کام کریں گے اس کے ہر فریضے کو باحسن وجوہ انجام دینے میں بتوفیق الٰہ وبعونہ کامیاب ہوں گے۔

میں دعا گو ہوں کہ قادر مطلق آپ کو عمر دراز عطا فرما کر علمی اشاعت کی مخلصانہ توفیق دے اور اپنی مرضیات میں مصروف رکھے۔

محمد اعزاز علی غفرلہ

مدرس دارالعلوم دیوبند

و ممتحن درجہ مولوی فاضل صوبہ پنجاب وصوبہ آسام

۲۸ محرم ۱۳۵۷ھ / ۳۱ مارچ ۱۹۳۸ء یوم الخمیس

نظم

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا فریدیؒ نے مرکز علوم دار العلوم دیوبند سے متعلق ایک نظم کہی ہے،(۱) اس کو یہاں لکھنا ضروری ہے، جس کا عنوان ہے: ''حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور دار العلوم دیوبند''

ساقیِ دہلی(۲) کے مستوں نے بارض دیوبند
جب رکھی بنیاد میخانہ بطور یادگار
دور دورہ ساغر صہبائے طیبہ کا ہوا
جرعہ نوشانِ ازل آئے قطار اندر قطار
قاسم و محمود و انور نے لنڈھائے خم کے خم
اپنی وسعت کے مطابق پی گیا ہر بادہ خوار
آج بھی ساقی کی چشم خاص کی تاثیر دیکھ
بادۂ مغرب کے متوالوں کا ٹوٹا ہے خمار
در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
یہ خصوصیت یہاں ہر فرد میں ہے آشکار
اس کے ہر میخوار کو پیر مغاں کا حکم ہے
''باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار''
کاش! اے ''ساقیِ دہلی'' تو بھی آکر دیکھتا
اپنے میخانہ کی رونق اپنے رندوں کی بہار

(۱) یہ نظم دار العلوم کے اجلاس صد سالہ میں پڑھی گئی تھی۔
(۲) اس سے مراد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ہیں۔

تیرا دورِ جام، دورِ چرخ سے بھی تیز تر
تیرا مستقبل ترے ماضی سے بڑھ کر شاندار
یا الٰہی حشر تک باقی رہے یہ مے کدہ
دور میں ساغر رہے تا گردشِ لیل و نہار
اس کی ہر ہر اینٹ میں تاریخ ماضی ثبت ہے
ہند میں بزمِ ولیؒ کی ہے یہ واحد یادگار
مسلم ہندی اگر چہ مفلس و نادار ہے
پھر بھی اس سرمایۂ ملت کا ہے سرمایہ دار
شوکتیں جب دہلی مرحوم کی آتی ہیں یاد
دیکھ کر اس کو بہل جاتا ہے قلب سوگوار
جن کی کوشش سے چلا ہے دور صہبای حجاز
نور سے معمور کر دے اے خدا اُن کے مزار
آ، فریدؔی تو بھی ہو ساغر بکف مینا بدوش
طالبِ جوشِ عمل ہے ساقیِ ابر بہار

❑❑❑

اساتذہ کا ادب واحترام

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جس نے مجھے علم کا ایک حرف سکھا دیا اس کا میں غلام ہوگیا(۱) اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے کسی سے ایک لفظ معلوم کیا تھا تو اس کا استاذوں کی ہی طرح ادب واحترام کرتے تھے، سکندر بادشاہ کا قول ہے: میرا باپ مجھے زمین پر لایا اور

(۱) | التربية الإسلامية أصولها وتطورها في البلاد العربية ص: ٢٤٤، مؤلف محمد منير مرسي |

میرا استاد (ارسطو) مجھے آسمان پر لے گیا۔

اسی ضمن میں آپ حضرت مولانا فریدیؒ کے ادب کا حال سنئے:

آپ اپنے اساتذہ کا کس قدر ادب واحترام فرماتے تھے، یہاں تک کہ اساتذہ کی اولاد اور اہل خاندان کا کتنا احترام ہمارے حضرت کو ملحوظ خاطر رہتا تھا، اس کا اندازہ ایک واقعہ سے بخوبی ہوسکتا ہے، جو راقم الحروف کا چشم دید ہے۔ منشی عزیز احمد صاحب عزیز امروہویؒ (المتوفی: ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء) شاعری میں مولاناؒ کے استاذ تھے۔ عزیز صاحب مرحوم کے محلّہ میں سیرت پاک کا جلسہ منعقد ہوا۔ مولانا بھی وہاں مدعو تھے، جلسہ میں تشریف بھی لے گئے لیکن اسٹیج پر نہیں بیٹھے۔ وہیں قریب کی مسجد میں چلے گئے۔ جب عزیز صاحب مرحوم کو معلوم ہوا کہ مفتی نسیم احمد صاحب فریدی مسجد میں ہیں تو آپ وہاں تشریف لے گئے، استاذِ مکرم کو دیکھتے ہیں مولانا فوراً کھڑے ہوگئے؛ لیکن استاذ کے ادب کی وجہ سے آپ نے جلسہ میں تقریر نہیں کی۔ منتظمین جلسہ کی طرف سے اصرار ہوتا رہا؛ مگر آپ یہی فرماتے رہے کہ مجھ سے تقریر نہ ہوسکے گی۔

اس سلسلہ میں ان کے ذوق کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو ہم لوگوں کو استاذ مکرم بڑے ذوق وشوق سے سنایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ قصبہ بچھرایوں میں بسلسلہ آزادیٔ ہند جمعیۃ اطفال کا جلسہ منعقد ہوا جس میں امروہہ سے سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کے پوتے زبیر احمد و وقار احمد بھی جلسہ میں شرکت کے لیے گئے۔ حضرت مولانا ظہور علیؒ (جو مولانا فریدیؒ کے اساتذہ میں سے تھے) کو معلوم ہوا تو دونوں بچوں کو اپنے گھر لے گئے اور اہل خانہ سے فرمایا کہ یہ میرے استاذ کے پوتے ہیں اور بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور دونوں مخدوم زادوں کے ساتھ بڑی شفقت واحترام کا معاملہ فرمایا اور رخصت کرتے وقت دونوں بچوں کو پانچ پانچ روپئے نذرانہ پیش کیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ اس واقعہ کو بیان فرماکر فرمایا کرتے تھے: میاں! یہ ہے بزرگوں کا طریقہ۔

یہاں پر میں ایک واقعہ استاذ کے ادب سے متعلق حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کا لکھنا ضروری سمجھتا ہوں:

مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اپنی دادی صاحبہ کی امروہہ تشریف آوری پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت محدث امروہیؒ اس شان سے اپنے استاذ کی اہلیہ محترمہ کو اسٹیشن امروہہ سے اپنے گھر تک لاتے ہیں کہ کہاروں کے ساتھ خود بھی پالکی اٹھانے والوں میں ہیں، جو اس دور میں عبرت ونصیحت سے کم نہیں ہے۔ پڑھیں غور وفکر کریں کہ یہی احترام تھا جس نے حضرت محدث امروہیؒ کو علم کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز کر دیا تھا۔ جتنے لوگ بھی علم کی بلندیوں پر گامزن ہوئے ہیں ان کا یہی طریقۂ ادب واحترام تھا۔

> ''میری دادی اماں ایک بار امروہہ تشریف لے گئیں جہاں میرے دادا صاحبؒ کے ممتاز شاگرد حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ تشریف فرما تھے۔ وہ امروہہ ہی کے باشندے تھے۔ حضرت مولاناؒ دادی اماں کو اسٹیشن سے پالکی میں اس شان سے گھر لائے کہ کہاروں کے ساتھ پالکی اٹھانے میں خود بھی شریک تھے''۔(۱)

یہ تھا اس دور میں اپنے اساتذہ، ان کی اولاد اور متعلقین کے ساتھ شاگردوں کا ادب واحترام۔

> خلد میں لے جا اُڑا کر روحِ احساسات کو
> اے فریدؔی کر منور عالمِ جذبات کو

---

(۱) سید العلماء، سوانح حیات حضرت محدث امروہیؒ، بحوالہ تواریخ وشخصیات جلد ہفتم

تیسری فصل

تدریسی مشغولیت (مدرسہ اشفاقیہ بریلی)

ابھی آپ کا قیام دارالعلوم دیوبند ہی تھا کہ بریلی سے حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے ایما اور شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ کے مشورہ کے مطابق آپ مدرسہ اشفاقیہ (۱) بریلی کی خدمت کے لیے، بریلی پہنچ گئے، جہاں آپ کا تقرر ۲۰؍روپے ماہوار پر ہوا۔ پہلے سال جلالین شریف، مشکوٰۃ شریف، ابوداؤد شریف اور دیگر کتابیں سپرد ہوئیں، دوسرے سال صدر مدرس اور شیخ الحدیث کا عہدہ تفویض ہوا۔ اب آپ بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف کا درس دینے لگے۔ ختم بخاری شریف کے لیے شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علیؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ [۱۲۸۹ھ = ۱۸۷۲ء-۱۳۶۳ = ۱۹۴۴ء] اور حاجی محمد یٰسین دعا جو دہلویؒ کو دعوت دی۔

اس عرصہ میں تمام تر مراحل مولانا نعمانیؒ کے مشورے سے طے ہوتے رہے۔ رسالہ ''الفرقان'' سے بھی تعلق اسی زمانہ میں ہوا۔ الفرقان کے ''مجدد الف ثانی نمبر'' اور ''شاہ ولی اللہ نمبر'' میں بھی آپ شریک رہے۔ تقریباً چار سال بریلی قیام رہا۔ حضرت مولانا فریدیؒ اپنے قیام بریلی کے متعلق ''مجدد الف ثانی نمبر'' میں حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے (۲۷) خلفاء کا مبسوط تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ادارۂ ''الفرقان'' نے جس وقت ''مجدّد الف ثانیؒ نمبر'' نکالنے کی تجویز طے کی اور یہ ارادہ عزم کے درجے میں آیا، اس وقت حسن

---

(۱) اس مدرسہ کا نام پہلے طالبیہ تھا۔

اتفاق سے میں بریلی آ چکا تھا اور اس نمبر کی تیاری تک میرا قیام دفتر ''الفرقان'' ہی میں رہا۔ مدیر ''الفرقان'' مدظلہ عالی نے مجھ کو بھی اس ''بزم مسعود'' میں شرکت کی دعوت دی۔ اہل اللہ اور خاص کر حضرت امام ربانی عارف باللہ کا تذکرہ یقیناً بڑی سعادت ہے، میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور بسلسلہ تعمیل حکم غور کرنے لگا کہ حضرت ممدوح کے کس شعبہ حیات پر لکھوں، دل میں یہ آیا کہ براہ راست حضرت مجددؒ کے متعلق تو دیگر حضرات اہل قلم روشنی ڈالیں گے ہی، میں آپ کے خلفائے باصفا کا کچھ تذکرہ سپرد قلم کروں کہ بالواسطہ وہ بھی حضرتؒ ہی کا تذکرہ ہے''۔

جس طرح پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے اسی طرح شاگرد سے اُستاذ اور مرید سے شیخ کے حالات و کمالات کا صحیح صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر شاگرد و مرید اپنے استاد و پیر کے آئینے ہوتے ہیں جن میں ان کے خدوخال صاف صاف نظر آ جاتے ہیں۔

اسی اصول پر قرآن مجید میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت وصداقت کے ثبوت میں آپ کے تلامذہ ومسترشدین یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احوال واعمال کو بھی بطور شاہد پیش کیا گیا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِنَ اللهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ (الفتح:۲۹)

بہرحال دل نے یہی فیصلہ کیا کہ حضرت شیخ سرہندیؒ کے خلفاء کے

متعلق کچھ لکھوں؛ تاکہ تعلیم وتربیت اور قوت تاثیر کی راہ سے بھی حضرت شیخ مجددؒ کے کمال کا کچھ اندازہ ہوسکے اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ جس انسان کے ذریعہ اتنے نفوس کے اندر ایمان وعمل کی اتنی جگمگاہٹ اور نور عرفان کی ایسی چمک پیدا ہوگئی وہ خود کس قدر پُر نور و باکمال ہوگا''۔(۱)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ تحریر کرتے ہیں:

''۱۳۵۷ھ کا آغاز تھا، کہ بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ کے صدر مدرس مولانا رونق علی صاحب سلطان پوری کا انتقال ہوگیا۔ مدرسہ کے مہتمم صاحب نے ان کی جگہ کسی صاحب کے تقرر کے لیے اس عاجز سے مشورہ کیا، میں نے مولانا نسیم احمد فریدی کے بارے میں مشورہ دیا۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ ہی ان کو بلا دیجئے، میں نے دیوبند مولانا کو خط لکھا۔ یاد آتا ہے کہ میں نے اس میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ مدرسہ میں دورۂ حدیث پڑھنے والے طلباء بھی ہیں؛ اس لیے صدر مدرس کی حیثیت سے بخاری شریف، ترمذی شریف آپ ہی کو پڑھانی ہوں گی اور یاد آتا ہے کہ میں نے یہ بھی لکھ دیا کہ مجھے امید ہے کہ آپ ان شاء اللہ کامیابی کے ساتھ یہ خدمت انجام دے سکیں گے۔ انھوں نے میرا وہ خط اپنے (اور اس عاجز کے بھی) شفیق ترین استاذ حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ کو دکھلا کر مشورہ چاہا۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ آپ فوراً چلے جایئے، کچھ تردد و تامل مت

(۱) مجدد الف ثانی نمبر، بحوالہ مقالاتِ فریدی جلد دوم۔

کیجیے۔ مولانا نے یہ پوری بات مجھ کو لکھ دی اور لکھا کہ ان شاء اللہ فلاں تاریخ کو آپ کے یہاں پہنچ جاؤں گا؛ چنانچہ وہ تشریف لے آئے، میں نے مدرسہ اشفاقیہ کے مہتمم صاحب کو اطلاع دے دی۔ وہ خود آکر مولانا کو اپنے ساتھ لے گئے اور طے ہوا کہ فی الحال مولانا کا قیام میرے ہی پاس رہے گا۔ اور اس طرح جس تعارف کا آغاز امروہہ میں ہوا تھا، وہ قریبی تعلق؛ بلکہ رفاقت میں بدل گیا۔ جیسا کہ میں نے مولانا کو لکھ دیا تھا، دورۂ حدیث کی کتابوں میں سے بخاری شریف اور حدیث کی دو ایک اور کتابوں کے درس کی بھی ذمہ داری مولانا کو لینی پڑی۔ بلاشبہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد سلسلہ تدریس کے آغاز ہی میں بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث پڑھانے کا ان کو موقع ملا۔ ظاہر ہے اس کے لیے ان کو شدید محنت کرنی پڑتی تھی۔ مدرسہ اشفاقیہ میں بخاری شریف کی کوئی شرح نہیں تھی۔ حسن اتفاق کہ میں نے اسی سال علامہ بدرالدین عینی کی شرح بخاری ''عمدۃ القاری'' خریدی تھی، جو پچیس جلدوں میں چھپ کر اسی زمانہ میں مصر سے آئی تھی۔ اہل علم واقف ہیں کہ بخاری شریف کی یہ شرح بہت ہی مبسوط ہے۔ مولانا نے درس بخاری میں اس سے پورا فائدہ اُٹھایا۔ مولانا فریدی اگرچہ جسمانی حیثیت سے جوانی کی اس عمر میں بھی بہت ہی نحیف اور لاغر تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو درس ومطالعہ میں محنت اور جانفشانی کی بڑی قوت وہمت عطا فرمائی تھی۔ بہت کم

وقت آرام کرتے۔ سارا وقت کتابوں کے مطالع اور درس میں مصروف رہتا۔

یہی سال تھا جب الفرقان کا ''مجدد الف ثانی نمبر'' شائع ہوا تھا۔ مولانا فریدی مرحوم جو میرے ساتھ ہی مقیم تھے، تدریس میں مشغولیت کے باوجود اس کی ترتیب و تیاری میں برابر میرے شریک اور معاون رہے۔ انھوں نے اس نمبر کے لیے امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے خلفاء پر ایک مبسوط مقالہ بھی لکھا، جو اس نمبر کے اہم مقالات میں سے تھا، جس میں حضرتؒ کے ستائیس خلفاء کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے''۔(۱)

حضرت مولانا فریدیؒ اپنے بریلی آنے کے متعلق ارقام کرتے ہیں:

''حضرت مولانا (محمد منظور) نعمانی مدظلہ نے بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ کی خدمت کے لیے مجھے دیوبند سے بریلی طلب کیا۔ میں نے حضرت شیخ الادبؒ سے اجازت طلب کی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ وہ دارالعلوم کے فارغ التحصیل طلباء کو جلد سے جلد خدمت درس میں مشغول دیکھنا چاہتے تھے۔ جس طرح ایک باپ کو اپنے بالغ بیٹے کی ''گھر گرہستی'' کی فکر لاحق ہو جاتی ہے اسی طرح اس روحانی باپ کو یہ فکر ہوتی تھی کہ میرا علمی فرزند کسی طرح پڑھانے کا سلیقہ پیدا کر لے اور کسی مدرسے میں کام کرنے لگے۔ میں ۱۳۵۷ھ میں بریلی آیا۔

---

(۱) الفرقان فریدی نمبر

بریلی سے میں نے ہدایات طلب کیں تو حضرت شیخ الادب والفقہؒ نے تحریر فرمایا:

''آپ کو میں نصیحت کروں یاللعجب! ہاں میری یہ رائے ضرور ہے کہ آپ تعلیم میں اپنی طرف سے اس کی سعی کریں کہ طلباء کتاب کی بات پوری سمجھ لیں اور تحصیل علم میں محنت کی طرف مائل ہوں۔ کتاب پوری پڑھا دیں اور تقریر میں ان کی استعداد کا خیال رکھ کر '' كَلِّمِ النَّاسَ عَلىٰ قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ .'' کی روشنی میں کام کریں، اوقات درس کی حتی الامکان پابندی کریں۔ یوم النحر ۱۳۵۷ھ''

تساہل کی وجہ سے ارسال عریضہ میں دیر ہو جاتی تھی اس پر کس خوبی سے توجہ دلاتے ہیں:

''آپ کے تعلیمی حالات سن کر خوشی ہوئی اس لیے دل چاہتا ہے کہ گاہے گاہے آپ ضرور یاد فرمایا کریں۔ مولانا (محمد) منظور صاحب کی علالت کا حال ان کے خط تحریر فرمودہ آنجناب سے معلوم ہوا تھا، میں نے ایک عریضہ ان کی خدمت میں بغرض دریافت عافیت مزاج ارسال کیا؛ مگر اس کا بھی کوئی جواب نہ آیا، کہیں ایسا تو نہیں کہ چٹھی رساں کو بھی یہ مسئلہ بتلا دیا گیا ہو کہ وہابیوں، دیوبندیوں کو ہر طرح نقصان پہنچانا موجب ثواب ہے۔ براہِ کرم مولانا ممدوح کی عافیت مزاج سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔'' (۴؍رمضان ۱۳۵۸ھ)

طلباء کے سلسلے میں نصیحت فرمائی:

''طلباء پر شفقت صحیح معنی میں ہونی چاہیے۔ آپ نہ اتنے نرم

ہوں کہ طلباء پڑھنا ہی ترک کردیں، نہ اتنے گرم ہوں کہ وہ آپ
سے مایوس ہوجائیں۔ ضرورت ہے کہ آپ اپنے عمل سے یہ امر
ثابت کردیں کہ آپ ان کی تعلیم کو تمام امور سے زیادہ اہم سمجھتے
ہیں۔ اسی طرف ان کو مائل رکھیے اور حتی الامکان سہولت کے
ساتھ ان کے اخلاق کی تہذیب کیجیے اور ان کے ذہن نشین کیجیے
کہ آئندہ چل کر ان کو اسلامی خدمات انجام دینی ہوں گی۔ بے
غیرتی اور غیر مہذب چیزوں پر آپ کی طرف سے گرانی کا اظہار
ضروری ہے۔'' (۴؍صفر ۱۳۵۹ھ)

میں نے بریلی چھوڑنے کا قصد ظاہر کیا تو حضرت والا نے تحریر فرمایا:

''اگر مجبوری نہ ہو تو آپ بریلی ترک نہ کریں، مجبوری کی حالت
میں انسان سب ہی کچھ کرتا ہے۔'' (جمادی الاولی ۱۳۶۱ھ)(۱)

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی مرحوم لکھتے ہیں:

''دیوبند سے فراغت ہوئی تھی کہ بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ میں
ایک استاذ کی جگہ خالی ہوئی۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی
جوہر شناس نگاہ مولانا فریدی پر پڑی اور انھوں نے ان کو بریلی
بلالیا۔ اس وقت رسالہ ''الفرقان'' بھی بریلی سے شائع ہوتا تھا۔
اس کا نہایت اہم اور شاندار ''حضرت مجدد الف ثانیؒ نمبر'' شائع
ہوا تو اس میں بھی مولانا فریدیؒ نے بھرپور مدد کی۔ اسی زمانہ میں
حضرت مولانا نعمانی اور مولانا فریدی کے مابین جس للہی تعلق کی
بنیاد پڑی اسے ان دونوں بزرگوں نے ساری عمر ایسا نبھایا کہ

(۱) بحوالہ اعزاز العلماء کی عنایتیں اپنے ایک حقیر ترین خادم پر، مقالاتِ فریدی جلد دوم۔

اس کی مثال مشکل سے مل سکے گی"۔(۱)

انیس احمد فاروقی لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے ایماء سے صدر مدرس کی حیثیت سے بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ سے متعلق ہو گئے اور وہاں تقریباً چار سال تک کتب حدیث خصوصاً بخاری شریف کا درس دیا۔ اسی زمانہ میں رسالہ "الفرقان" بریلی سے بھی تعلق پیدا ہوا"۔(۲)

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم ارقام کرتے ہیں:

"مولانا فریدیؒ کی دینی فکر کو جلا اگر دیوبند میں ملی تو بریلی کے قیام سے ان کی تصنیف و تالیف کی زندگی کا باضابطہ آغاز ہوا۔ اس میں مولانا نعمانیؒ کی صحبت کو بڑا دخل تھا، یوں تو متفرق عنوانات پر وہ مضامین مختلف رسائل میں لکھتے رہے تھے، لیکن الفرقان کے "مجدد الف ثانی نمبر" میں ان کا مضمون "تذکرہ خلفاء مجدد الف ثانیؒ" قدرت کی طرف سے اس بات کا اعلان تھا کہ اب اس کا مصنف اپنی ساری ذہنی اور قلبی صلاحیتوں کو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے سلسلہ کے بزرگوں کے حالات و تعلیمات کی تحقیق و تدوین میں صرف کرے گا۔ بریلی کچھ عرصہ قیام کے بعد وہ اپنے وطن امروہہ واپس آ گئے اور یہاں مدرسہ جامع مسجد سے منسلک ہو گئے"۔(۳)

---

(۱) الفرقان فریدی نمبر

(۲) نسیم سحر۔ یہ کتاب حضرت مولانا فریدیؒ کے کلام، حمد، نعت، منقبت اور نظم پر مشتمل ہے۔

(۳) الفرقان فریدی نمبر

جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ میں تدریس

تقریباً چار سال بریلی میں قیام رہا۔ بعض خانگی مجبوریوں کی وجہ سے ۱۹۴۲ء میں بریلی سے امروہہ منتقل ہوگئے، آپ کے دو بڑے بھائیوں تحسین احمد فریدی اور تسلیم احمد فریدی کی طویل بیماری کی وجہ سے آنا ہوا۔ یہاں جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ کو آپ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ صرف پندرہ روپئے ماہوار پر تقرر ہوا۔ کبھی بھی آپ نے یک مشت تنخواہ نہیں لی، کبھی پانچ روپئے، کبھی دس روپئے لے لیے۔ جب بھی اضافہ کا سوال ہوتا تو آپ مہتمم صاحب سے کہہ دیتے اوروں کا اضافہ کردیجیے، میرا رہنے دیں، مجھے یہی تنخواہ کافی ہے۔

اب آپ اپنی مادرِ علمی میں ہمہ تن مشغول تدریس ہوگئے۔ ابتدائی تا انتہائی جو کتب بھی آپ کے سپرد ہوتی رہیں، اپنے ذوقِ علمی کے مطابق حق تدریس ادا فرماتے رہے۔ ۱۹۶۷ء میں مولانا عبدالقدوس ابن مفسر قرآن مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقیؒ کے انتقال [ت ۱۳۸۷ھ=۱۹۶۷ء] کے بعد آپ صدر مدرس کے منصب پر فائز ہوئے۔ لیکن ۱۹۷۰ء میں بوجہ عذر بینائی اس عہدے سے سبکدوش ہوگئے۔ لیکن اعزازی طور پر یہ سلسلۂ درس تاحیات جاری رہا۔ نیز عہدۂ افتاء بھی آپ کے سپرد رہا۔ آخر کے چند سالوں میں صرف موطاء امام مالک کا درس دیا کرتے تھے۔

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ، مولانا فریدیؒ کو تحریر فرماتے ہیں:

> ''آپ کا تعطل میرے لیے بہت شاق ہے، اشاعت علم کے کسی نہ کسی سلسلے میں مصروف رہنا ضروری ہے۔ کچھ دنوں تک جبریہ تعطل کے بعد بیکار رہنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اس لیے اگر ہو سکے تو امروہہ ہی کے کسی مدرسہ میں تھوڑا بہت تعلیمی کام شروع کر

دیجیے۔" (۱۲/ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ)(۱)

ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

"میری دلی خواہش ہے کہ آپ اپنے آپ کو تدریس کی خداداد نعمت سے علیحدہ نہ کریں۔" (۱۳۶۱ھ)(۲)

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم لکھتے ہیں:

"مولانا فریدیؒ نے جامع مسجد، امروہہ میں درس وتدریس میں کافی شہرت حاصل کی۔ یہاں مشاہرہ بیحد معمولی بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا؛ لیکن کبھی اضافہ تنخواہ کی خواہش نہ کی، بلکہ ایک بار منتظمین نے کچھ اضافہ کرنا چاہا تو مدرسہ کی مالی حالت کے پیش نظر انکار کر دیا اور کہا کہ اس سے زیادہ کی مجھے ضرورت نہیں۔ حالانکہ ان کی مالی دشواریاں بڑھتی جارہی تھیں، جب حافظ عبدالرحمٰن صاحب صدیقیؒ کے صاحبزادے مولانا عبدالقدوس صاحب کا انتقال ہوگیا تو شیخ الحدیث مولانا فریدیؒ کو ہی مقرر کیا گیا اور جب تک بینائی نے ساتھ نہیں چھوڑا، مدرسہ سے ان کا تعلق برقرار رہا۔ ایک زمانہ میں خیال آیا تھا کہ مدرسہ سے تعلق منقطع کر کے اپنا سارا وقت تصنیف وتالیف میں صرف کردیں۔ ۱۸/شوال ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۰/جون ۱۹۵۵ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میں دو سال سے مدرسہ سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں لیکن شوال آتا ہے تو مدرسہ کے لیے اپنی ضرورت محسوس کرتا ہوں اور

(۱) مقالاتِ فریدی جلد دوم (۲) ایضاً

اپنی خدمات سپرد کر دیتا ہوں۔ امروہہ کے قیام کی صورت میں اس کے علاوہ بظاہر کوئی چارۂ کار بھی نہیں کہ میں مدرسہ سے اپنے تعلقات وابستہ رکھوں۔ اگر چہ اس میں کافی وقت صرف ہوتا ہے''۔(۱)

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی مرحوم تحریر کرتے ہیں:

''جامع مسجد، امروہہ کا مدرسہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد رشید مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ (متوفی: ۱۳۳۰ھ) کا قائم کیا ہوا ہے۔ اس کی مالی حالت ان دنوں زیادہ مضبوط نہ تھی۔ عام اسلامی مدارس کی طرح عطیات ہی سے چلتا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ایک دو سال تو بہت ہی تنگی ترشی کے گذرے۔ مولانا فریدیؒ کی تنخواہ شاید ۲۵ یا ۳۰ روپئے ماہوار شروع میں تھی۔ جب اضافہ کا موقع آتا تھا تو وہ خود ہی فرما دیتے تھے کہ میری تنخواہ کافی ہے، اضافہ کی ضرورت نہیں۔ دفتر اہتمام نے خود ہی کبھی اضافہ کر دیا تو کر دیا۔ جب مدرسہ میں عطیات آتے تو تنخواہیں تقسیم ہوتیں تو مولانا فریدی چاہتے تھے کہ پہلے دوسرے اساتذہ کو تنخواہیں دے دی جائیں اور گنجائش ہو تو پھر ان کو بھی دی جائے۔ عموماً وہ اپنی مختصر سی تنخواہ بھی قسطوں میں وصول کرتے تھے، کبھی ۱۰/روپئے طلب کر لئے، کبھی ۵/روپئے لے لئے تاکہ مدرسہ کے دوسرے خرچ بھی پورے ہوتے رہیں۔''(۲)

---

(۱) ماہنامہ الفرقان فریدی نمبر

(۲) ایضاً

انیس احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''۱۹۴۲ء میں بعض خانگی حالات سے مجبور ہوکر بریلی کی ملازمت ترک کر دی اور مدرسہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ مدرسہ جامع مسجد، امروہہ میں ۳۲؍سال تک درس و تدریس کے فرائض بخوبی انجام دیئے۔ حضرت مولانا عبدالقدوس صدر مدرس (متوفی: ۱۹۶۷ء) کے وفات پاجانے کے بعد حضرت مولانا فریدی صدر مدرس کے عہدے پر کام کرتے رہے۔ یہ سلسلہ وفات سے آٹھ دس سال پہلے تک باقی رہا۔ ۱۹۷۳ء میں نزول الماء کا آپریشن ہوا جو کامیاب نہ ہوسکا۔ بصارت ظاہری سے معذور ہوجانے کے بعد مدرسہ جامع مسجد، امروہہ کی اعزازی خدمت انجام دی۔ آخری عمر تک مسجد جھنڈا شہید میں طالبان علم کو برابر عربی و فارسی کا درس دیتے رہے، فتویٰ نویسی اور علم فرائض کی خدمات بھی تادم آخر انجام دیں۔ ہر سال رجب کے مہینہ میں طلبائے جامع مسجد کو موطاء امام مالک کا درس دینا معمولات میں سے تھا''۔(۱)

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبۂ دینیات کی پروفیسری

جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ کی تدریس کے زمانہ میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبۂ دینیات کے پروفیسر کی پیش کش مولانا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم[۱۳۲۵ھ =۱۹۰۷ء-۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵ء] نے کی تھی۔ مولانا فریدیؒ نے اپنی مادر علمی کی خدمت کو

(۱) بحوالہ ''نسیم سحر''

ترجیح دی اور وہاں کی پروفیسری قبول نہیں فرمائی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم لکھتے ہیں:

''میرے فاضل دوست مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی جب مسلم یونیورسٹی میں دینیات کے ڈین تھے، انھوں نے بڑی کوشش کی کہ وہ ناظم دینیات کا عہدہ قبول کرلیں، لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے، مجھے بھی بیچ میں ڈالا گیا، میں نے ان کو ہموار کرنے کے لیے کہا کہ یہ وہ عہدہ ہے جس پر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے داماد مولانا عبداللہ مرحوم بھی کام کر چکے ہیں۔ لیکن انھوں نے اس طرح قطعی طور پر انکار کیا کہ پھر دوبارہ کہنے کی جرأت ہی نہیں ہوئی''۔(۱)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ تحریر کرتے ہیں:

''پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جس زمانہ میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم شعبہ دینیات کے صدر تھے، انھوں نے چاہا کہ مولانا فریدیؒ یونیورسٹی کے اس شعبہ سے وابستہ ہوجائیں، پہلے بطور خود اس کے لیے تحریک کی مگر جب مولانا نے معذرت کی تو پروفیسر خلیق احمد نظامی کو واسطہ بنا کر پھر کوشش کی لیکن مولانا نے کسی طرح اس کو منظور نہیں فرمایا۔ مجھے معلوم ہے کہ مولانا کی زندگی ہمیشہ عسرت اور غربت کی زندگی رہی۔ بریلی اور امروہہ کے جن مدرسوں میں پڑھایا وہاں ان کی تنخواہ بیس پچیس روپئے یا اس کے قریب رہی۔

(۱) ماہنامہ الفرقان فریدی نمبر

اگر مولانا اکبرآبادی کی پیشکش کو قبول کر لیتے تو اس عاجز کا خیال ہے کہ وہاں ان کا مشاہرہ پانچ چھ سو روپئے سے کم نہ ہوتا۔ یہ واقعہ بجائے خود مولانا کے مقام بلند اور ہم جنسوں میں ان کے امتیاز اور علوئے ہمت کی دلیل ہے، یہ عاجز اس بات سے انتہائی متأثر ہے کہ میرے ساتھ کتنے قریبی تعلق کے باوجود کبھی اشارتاً بھی مجھ سے اس کا ذکر نہیں فرمایا......... یہ ممکن ہے کہ ہر شخص اس بات کی غیر معمولی اہمیت محسوس نہ کر سکے؛ لیکن یہ عاجز ان کی زندگی کے تمام دوسرے حالات سے زیادہ ان کی اس بات سے متأثر ہوا کہ چونکہ اس واقعہ سے ان کی بلند مقامی، علو ہمت اور فقر پسندی کا پتہ چلتا ہے؛ اس لیے کبھی اس کو میرے جیسے قریبی رفیق و دوست سے بھی ظاہر نہیں کیا۔ میرے نزدیک بہت سی نفلی نمازیں اور بکثرت نفلی روزے رکھنا اور اسی طرح ذکر و تلاوت جیسی عبادات کی کثرت آسان ہے؛ لیکن ہمارے اس زمانہ میں اپنے ایسے حال اور کمال کا اس درجہ اخفاء بہت مشکل، حیرت انگیز اور سو بار رشک کے قابل اور اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی توفیق مانگی جائے۔'' (۱)

خصوصیت درس

حضرت مولانا فریدیؒ چھوٹی سے چھوٹی کتاب بھی مطالعہ کر کے پڑھانے کے عادی تھے، ابوداؤد شریف پڑھانے کے لیے ''بذل المجهود'' اکثر زیر مطالعہ رہتی تھی۔ آج

---

(۱) الفرقان فریدی نمبر

کل عموماً بڑی کتابیں پڑھاتے وقت چھوٹی کتابیں پڑھانا شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے لیکن آپ فارسی کی پہلی، میزان ومنشعب، تیسیر المبتدی، صفوۃ المصادر، حتیٰ کہ تعلیم الاسلام مولوی اسماعیل میرٹھی کی اردو زبان کی کتابیں وغیرہ بھی بڑی خوش دلی سے بلا تکلف پڑھاتے تھے۔ آپ کا طرز تعلیم ایسا تھا کہ کتاب کا مفہوم طلباء کے ذہن میں راسخ ہو جاتا تھا۔

فتاویٰ

جب استفتاء آتا تو اس کے جواب کی فکر ہوتی، فتاویٰ دار العلوم، فتاویٰ سعدیہ قلمی (۱) فتاویٰ سہولیہ قلمی (۲)، کفایت المفتی (۳) اور دوسرے فتاویٰ سنتے۔ پوری طرح اطمینان ہو جاتا تب اس کا جواب لکھواتے، جس سے مستفتی مطمئن ہو جائے۔ مولانا کی تحریروں میں کہیں جھول نہیں ہوتا تھا، اگر پھر بھی ضرورت محسوس ہوتی تو دار العلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی طرف رجوع فرماتے [آپ اخیر عمر تک جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے صدر مفتی رہے] افسوس کہ آپ کے فتاویٰ مرتب نہ ہو سکے۔

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی امروہوی لکھتے ہیں:

> ”مدرسہ جامع مسجد میں جب تک درس دیتے رہے افتاء کا منصب بھی ان کے پاس تھا۔ جتنے فتوے طلب کئے جاتے سب کا جواب انتہائی حزم واحتیاط کے ساتھ اور ضرورت ہوئی تو کئی کئی کتابیں دیکھ کر اور غور وفکر کر کے لکھتے تھے۔ ان کا حساب اچھا تھا، اس لیے فرائض کا کام بھی وہی انجام دیتے تھے۔ شہر اور مضافات کے سب لوگ ان کے فتوے کا بہت احترام کرتے تھے۔ اس لیے کہ سب

(۱) مؤلفہ مولانا مفتی سعد اللہ رام پوریؒ
(۲) مؤلفہ مولانا مفتی محمد سہول بھاگل پوریؒ
(۳) مؤلفہ مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

جانتے تھے یہ بے نفس، بے لوث اور کھرے انسان ہیں۔ کسی سے لگی لپٹی نہیں رکھتے۔ شاید کسی ہائی کورٹ کے جج نے بھی اتنے مقدمات کا فیصلہ نہ کیا ہوگا، جتنے مقدمات و مسائل مولانا فریدیؒ نے مسجد کی چٹائی پر بیٹھ کر نمٹا دیے''۔(۱)

پروفیسر خلیق احمد نظامی تحریر کرتے ہیں:

''ان کے وفورِ علم اور تعہد دینی کے باعث لوگ بڑی تعداد میں ان سے فتووں کے لیے رجوع کرتے تھے اور ان کے فیصلوں کا بڑا احترام کرتے تھے''۔(۲)

رئیس الدین فریدی امروہوی روزنامہ اخبار ''آزاد ہند'' کلکتہ میں لکھتے ہیں:

''امروہہ کے تمام مسلمان دینی اور دنیوی معاملات میں ان کو آخری جج مانتے تھے''۔(۳)

مولانا منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں:

''آپ تقوے اور فتوے میں حضرت گنگوہیؒ کے قدم بہ قدم تھے''۔(۴)

آئینۂ عمل میں دیکھ عکسِ جمالِ اتقیاء
حسنِ خلوص کو دکھا، زلفِ یقیں سنوار کر
فریدیؔ

(۱) فریدی نمبر (۲) ایضاً

(۳) اخبار آزاد ہند کلکتہ ۲۶ راکتوبر ۱۹۸۸ء

(۴) فرید نمبر ص:۲۱

چوتھی فصل

بیعت وسلوک

آپ ہمہ وقت جذبِ الٰہی میں سرشار رہتے تھے، شروع ہی سے اکابر ومشائخ کی صحبتوں سے مستفید ہوتے رہے۔ پھر جب اصلاح وپختگی کے لیے مرشد کامل کی ضرورت محسوس ہوئی تو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئے۔ جب حضرت مدنیؒ کا قصبہ بچھرایوں میں ورودِ مسعود ہوا اور نواب ساجد حسین ولد نواب عاشق حسین کی درخواست پر ان کے مزرعہ مسمی آنسو والا نزد اعظم پور باسٹہ بھی تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت مولانا ظہور علی بچھرایویؒ، حافظ زاہد حسن امروہیؒ (متوفی: ۱۳۷۰ھ) کو ایک بیل تانگے میں بٹھایا گیا تھا۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ مع خدام گھوڑا تانگے میں تشریف فرما ہوئے۔

حضرت مولانا فریدیؒ بچھرایوں سے پیدل قافلے کے ساتھ بعد ظہر روانہ ہوئے راستہ خام، نہایت دشوار گذار تھا۔ عصر ومغرب کی نماز راستہ میں ہوئی۔ سردی کا موسم تھا، مہوٹیں برس چکی تھیں، بالآخر تقریباً رات کے ۹-۱۰ بجے مزرعہ کے ڈیرہ میں پہنچے۔ حضرت مولانا ظہور علی وحافظ زاہد حسنؒ کا تانگہ دلدل میں پھنس گیا تھا اور یہ دونوں بزرگ وہیں بیٹھے رہے تھے۔ پیدل قافلہ پہلے پہنچ گیا، بالآخر مشعلیں لے کر آدمی روانہ کئے گئے، جوان دونوں کو دوسرے تانگے میں بیٹھا کر لے گئے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ ان دونوں حضرات کے انتظار میں رہے۔ ۱۱-۱۲ بجے کے درمیان نمازِ عشاء باجماعت ادا کی گئی۔ بعد نماز رات کی چاندنی میں مجلس بیعت منعقد ہوئی تھی، جس میں حضرت مولانا فریدیؒ کے علاوہ حضرت

مولانا مفتی عبدالرحمٰن بچھرایونیؒ، حافظ دلشاد احمد بچھرایونیؒ، قاری محمد فاروق مرادآبادیؒ، مستری محمد حسین بچھرایونی، پہلوان اللہ بخش بچھرایونی، خلیفہ عبداللہ بچھرایونی، ملا عظیم اللہ بچھرایونی داخل سلسلہ ہوئے۔ بعدہٗ کھانا تناول کیا گیا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تلمذ تو تھا ہی بعد کو روحانی نسبت بھی پیدا ہوگئی۔ تقسیم ہند کے بعد اعظم پور باسٹہ کے قریب نواب ساجد حسین خاں سنبھلی کے فارم کے ڈیرہ میں حضرت مدنیؒ سے بیعت ہوئے۔ اپنے شیخ سے ان کو جو عقیدت و محبت تھی اس کا اندازہ ان کی گفتگو سے ہوتا تھا۔ ان کا نام آتے ہی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوجاتی تھی۔ اپنے ابتدائی زمانہ میں مجھے مولانا مدنیؒ سے کوئی عقیدت نہیں تھی۔ انھوں نے اس انداز سے مختلف اوقات میں ان کے حالات وکوائف بیان کئے اور بتایا کہ مولانا مدنیؒ نے مشائخ متقدمین کے طرز پر ریاضت کی ہے کہ رفتہ رفتہ میرے دل میں ان کی بڑی عزت پیدا ہوگئی۔ بعد کو حضرت مدنیؒ سے مختلف مسائل پر خط و کتابت بھی ہوئی۔ جب ۱۹۸۸ء میں دہلی میں شیخ الاسلام سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا تو انھوں نے مجھے لکھا: 'تم بھی ۶-۷ صفحات کا ایک مختصر مقالہ لکھ دو جس میں اپنے تأثرات کا اظہار کردو۔ تمہارے نام جو حضرت مدنیؒ کے خطوط آئے ہیں، ان کا پس منظر بھی بیان کر دیا جائے تو بہتر ہے یا ان کی کسی خوبی یا خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لیے چند صفحات لکھ دو...... اس سلسلہ میں کچھ ضرور لکھنا۔

میں نے جب اپنا طویل مقالہ ''قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش'' سیمینار میں پیش کیا تو وہ موجود تھے۔ ان کو جو مسرت ہوئی وہ چہرے سے عیاں تھی۔ بار بار کہتے تھے تمہارا مقالہ اچھا ہے۔ مجھے اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئے کہ مولانا مدنیؒ کی عظمت، بزرگی اور کارناموں کی اہمیت کا احساس ماموں صاحب ہی نے میرے اندر پیدا کیا تھا۔''

مولانا مدنیؒ کے وصال کے کافی عرصہ بعد انھوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ سے تعلقِ ارادت وعقیدت قائم کیا۔ بینائی سے محرومی کے باوجود ان کے سہارنپور قیام کے زمانہ میں وہاں پہنچتے تھے اور کئی کئی دن وہاں رہتے تھے۔ خود شیخ الحدیثؒ ان پر اتنا کرم اور اس قدر شفقت فرماتے تھے کہ بعض اوقات بھرے مجمع میں اعلان کراتے تھے کہ مولانا فریدی جہاں ہوں، میرے پاس آجائیں۔ شیخ الحدیثؒ نے ان کو اپنی خلافت بھی عطا فرمائی تھی''۔(۱)

انیس احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''تقسیم ہند کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے اعظم پور باسٹہ کے قریب نواب ساجد حسین خاں سنبھلی کے فارم کے ڈیرہ میں بیعت ہوئے۔ حضرت مولانا مدنیؒ اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت مدنیؒ کے وصال کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ سے تعلق بیعت و

(۱) فریدی نمبر

ارادت قائم کیا۔ ہر سال رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں سہارنپور پہنچ کر حضرت شیخ الحدیثؒ سے ملاقات کرنا معمولات میں سے تھا''۔(۱)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ ارقام فرماتے ہیں:

''سلسلۂ سلوک وطریقت میں مولانا فریدیؒ نے پہلے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کی تھی اور حضرت ممدوح کے تلقین فرمائے ہوئے اذکار واشغال معمول رہے۔ اس سے پہلے حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہیؒ کی صحبتوں سے بھی استفادہ کیا تھا۔ (جو حضرت نانوتویؒ کے شاگرد اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ ومجاز تھے) حضرت مدنیؒ کے وصال کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ سے بیعت کی تجدید کی۔ حضرت شیخ نے ان کو اجازت وخلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔

حضرت مولانا مدنیؒ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے خلیفہ ومجاز تھے اور حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن کو بھی حضرت گنگوہی سے حدیث شریف میں تلمذ اور صحبت سے استفادہ کی سعادت حاصل تھی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ بھی بیک واسطہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ و مجاز تھے، الغرض ان تینوں واسطوں سے مولانا فریدیؒ کو حضرت گنگوہیؒ سے خصوصی نسبت حاصل تھی۔

(۱) نسیم سحر

اس عاجز کا اندازہ ہے کہ مولانا فریدیؒ تقوے اور فتوے میں
حضرت گنگوہیؒ کے قدم بہ قدم تھے، اسی خصوصی نسبت کا اثر تھا کہ
وفات سے کچھ پہلے (جیسا کہ ان کے خاص خادموں کا بیان ہے)
مولانا نے خادموں سے فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
تشریف لائے ہیں۔) ظاہر ہے کہ یہ روحانی مشاہدہ تھا "فطوبیٰ
له ثم طوبیٰ له۔" (۱)

فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ [۶/ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ = ۲۷/ اپریل ۱۹۲۸ء - ۷/ محرم ۱۴۲۷ھ = ۶/ فروری ۲۰۰۶ء] اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اپنا یہ تأثر ہے کہ مولانا مرحوم کی وفات سے نہ صرف علم و تحقیق
و تذکرہ نگاری کی دنیا میں خلع پیدا ہو گیا ہے؛ بلکہ احسان و تصوف
اور روحانیت کا میدان بھی ایک بہترین مربی اور رمز شناس مرشد
سے خالی ہو گیا ہے"۔ (۲)

اجازت و خلافت

حضرت مولانا فریدیؒ کو سب سے پہلے حضرت مولانا فتح محمد میواتیؒ خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ [ت ۱۳۸۲ھ = ۱۹۶۲ء] نے اجازت بیعت دی تھی، پھر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ نے اجازت دی۔ بعدہٗ حافظ مقبول حسین صاحب گنگوہی ثم دہلویؒ خلیفہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ [۱۳۰۳ھ = ۱۸۸۵ء - ۱۳۶۳ھ = ۱۹۴۳ء] نے خرقہ خلافت بھیجا۔

ان تمام حضرات کی اجازت کے باوجود بوجہ کسر نفسی آپ نے مدت العمر کسی ایک

---

(۱) فریدی نمبر (۲) ایضاً

فرد کو بھی بیعت نہیں فرمایا۔ اگر کوئی بہت اصرار کرتا تو دوسرے مشائخ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے تھے؛ بلکہ بعض اوقات خود لے جاکر بھی بیعت کرادیتے تھے۔

انیس احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نے اجازت و خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ آپ کو حضرت مولانا فتح محمد میواتیؒ خلیفہ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور حافظ مقبول حسین صاحب خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ سے بھی اجازت حاصل تھی۔ اکثر لوگ آپ سے بیعت ہونے کے لیے اصرار کرتے تھے؛ مگر آپ اپنے مرشدزادوں سے ان کو بیعت کرادیتے تھے، خود کسی کو بیعت کرنے کا اب تک علم نہیں ہوسکا ہے''۔(۱)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ [۶/محرم۱۳۳۲ھ=۵/دسمبر۱۹۱۳ء-۲۲/رمضان۱۴۲۰ھ =۳۱/دسمبر۱۹۹۹ء] لکھتے ہیں:

''موصوف (حضرت مولانا فریدیؒ) شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد اور مسترشد و مرید تھے۔ مولانا مدنیؒ سے انہیں بڑی عقیدت و شیفتگی تھی''۔(۲)

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ [۱۲/شعبان۱۳۴۳ھ=۱۹۲۵ء-۲۳/شوال۱۴۳۰ھ =۱۳/اکتوبر۲۰۰۹ء] لکھتے ہیں:

''مولانا فریدیؒ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے علمی

---

(۱) نسیم سحر
(۲) پندرہ روزہ ''تعمیر حیات''، لکھنؤ

روحانی تعلق تھا اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ صاحب کے مجاز طریقت تھے، لیکن مولانا پر عبدیت وتواضع کا رنگ اس قدر غالب تھا کہ رواجی پیری مریدی سے زندگی بھر علیحدہ رہے، لیکن اس کے باوجود اہل امروہہ نے مولانا کی ذات سے ایک پیر ومرشد کی طرح ہی عقیدت ومحبت کا تعلق قائم رکھا۔ مولانا اختلافی مسائل میں ایک روحانی شیخ طریقت کی طرح اعتدال اور احتیاط پر کار بند تھے''۔(۱)

حکیم صیانت اللہ امروہوی(۲) لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ ایک عالم باعمل، فاضل اجل، محبّ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، رمز آشنائے تصوف، حقیقت شناس صوفیائے کرام و اولیائے عظام، واقف اسرار شریعت و طریقت تھے۔ زندگی بھر ''الفقر فخری'' کا مکمل نمونہ بنے رہے اور شاید اسی لیے مکین مسجد رہے؛ مگر فقر و رہبانیت کے واضح امتیاز کے ساتھ ان کی اس شانِ فقر کو دیکھنے اور پرکھنے کے لیے سطحی بصارت نہیں، آفاقی بصیرت درکار تھی۔ شاید کم ہی لوگ اس کا مشاہدہ کر سکے ہوں گے کیونکہ ع

اہل دانش عام ہیں کمیاب ہیں اہل نظر

---

(۱) روزنامہ اخبار ''فیصل''، نئی دہلی

(۲) [مولوی حکیم صیانت اللہ صدیقی امروہہ ہی نہیں؛ بلکہ روہیل کھنڈ کے معروف اطباء میں سے تھے۔ آپ کے اجداد میں سے نواب رامپور کے طبیب خاص تھے۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ چلہ امروہہ کے مہتمم بھی رہے۔ آپ کا وصال یکم ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ موافق ۲۴/مئی ۱۹۹۳ء میں ہوا۔ اس وقت آپ کے صاحبزادے حکیم شعیب اختر صدیقی اور شعیب اختر کے صاحبزادے صباحت اللہ صدیقی نہ صرف روہیل کھنڈ؛ بلکہ بیرون ہند میں مشہور ومعروف ہیں اور حکیم شعیب اختر فنونِ طب اور معالجہ میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دست شفا بھی عطا فرمائی ہے۔] (بحوالہ: مقالات فریدی ۲/۱۹۵)

وہ تصوف میں کارگہہ حیات سے گریز و بیزاری اور جو عمل وجہ نمائش ہے اس کے قائل وقریب نہ تھے‘‘۔(۱)

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی نعمانی مدیر الفرقان لکھتے ہیں:

’’مولانا فریدیؒ اخلاص وتقویٰ اور عبدیت ومسکنت کا مجسمہ تھے۔ وہ فضل وکمال اور زہد وورع کا پیکر اور مقام تجرید وتفرید اور توکل ورضا کا مظہر تھے۔ وہ معصوم نہ تھے؛ لیکن پارسائی کا کامل نمونہ ضرور تھے۔ ارشاد و ہدایت، پند ونصیحت، درس و تدریس، تلاش ومطالعہ، تصنیف وتالیف، ان کے عمر بھر کے مشاغل رہے۔ جود وسخا، تواضع وانکسار، حق وصداقت، ایثار وقربانی، صبر وتحمل، شکر واحسان، محبت علماء وصلحاء ان کا شعار تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے جذب دروں کو زندگی بھر فقر و درویشی اور انکسار وتواضع کی اوٹ میں ایسا چھپائے رہے کہ انہیں پہچاننے کے لیے جوہری کی نگاہ درکار تھی۔‘‘(۲)

❁❁❁

ایک نگاہ فیض کا کب سے ہے منتظر حضورؐ
آپ کے در کا اک گدا، جس کا فریدی نام ہے

---

(۱) الفرقان فریدی نمبر (۲) ایضاً

پانچویں فصل

جمعیۃ علماء ہند

مولانا فریدیؒ کو جمعیۃ علماء ہند سے حددرجہ تعلق تھا، آپ کی وجہ سے جمعیۃ کو امروہہ اور اطراف میں ہمیشہ تقویت حاصل رہی، اس کا ہر کام بڑی لگن اور جانفشانی سے کرتے تھے۔ دہلی کانپور، لکھنؤ، جہاں کہیں بھی جمعیۃ کے اجلاس ہوتے تھے، ان اجلاسوں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے۔ آپ کو جمعیۃ علماء کی مجلس عاملہ کا رُکن منتخب کیا گیا؛ مگر اپنی تصنیفی تدریسی اور دوسری مصروفیات کی وجہ سے شرکت سے معذوری ظاہر فرمائی۔ جمعیۃ کے جلسوں میں اسٹیج پر بیٹھنے سے گریز کرتے اور نیچے ہی بیٹھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ بعض مرتبہ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے شدید تقاضے کی بنا پر اسٹیج پر بیٹھنا پڑتا اور آخر میں دعا بھی کراتے تھے، جمعیۃ سے آپ کا تعلق آخری لمحات تک برقرار رہا۔ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اور خانوادۂ مدنی سے آپ کو بے انتہاء محبت تھی۔ خانوادۂ مدنی کے خلاف کوئی لفظ سننا نہیں چاہتے تھے، اگر کسی نے زبان کھولی تو پھر آپ کے غصے کی انتہاء نہیں رہتی تھی۔

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی [۱۹۳۴ء-۲۰۰۴ء] لکھتے ہیں:

> ''۱۹۷۶ء میں ایک وکیل صاحب ان کی عیادت کے لیے آئے اور کچھ سیاسی گفتگو کرتے رہے، اسی میں انھوں نے جمعیۃ علماء کے سیاسی کردار پر سخت الفاظ میں نکتہ چینی کی۔ مولانا فریدیؒ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے سامنے کوئی علماء دیوبند کی بے جا مذمت کرے۔ اس وقت بیمار بھی تھے، مولانا کو مزید تکلیف پہنچ

گئی اور دل و دماغ پر اتنا بوجھ بڑا کہ شدید بخار ہو گیا۔ کئی دن تک بخار چڑھا رہا، میں حاضر خدمت ہوا تو بتایا کہ فلاں وکیل صاحب نے ایسا کہا۔ اس کی مجھے اتنی ناگواری ہوئی کہ بخار آ گیا۔ میں نے کہا کہ آپ کو دوسروں کے عقائد اور مسلک کا اتنا اثر نہیں لینا چاہئے، پوری تاریخ اسلام میں کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا جب امت کسی ایک سیاسی مسلک پر متفق ہو گئی ہو۔ ہمیں صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم تو غلطی پر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو بدترین کافروں، منکروں اور مشرکوں کو بھی چھوٹ دے رکھی ہے۔ یہ باتیں سن کر ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ ان کی وجہ سے جمعیۃ علماء کو امروہہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں ہمیشہ بہت تقویت حاصل رہی۔ اس کا ہر کام بڑی لگن اور جانفشانی سے کرتے تھے۔'' (۱)

فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''مرحوم اپنے احسانی مشاغل اور علمی و تحقیقی سرگرمیوں کے ساتھ ملی و سماجی کاموں سے بھی بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند سے انہیں والہانہ تعلق تھا۔ اس کے اکثر پروگراموں میں ضعف پیری اور آنکھوں سے معذوری کے باوجود نہایت ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوتے تھے اور رایوں و مشوروں میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ مولانا کے مخلصانہ کردار سے کارکنان جمعیۃ کو بڑا حوصلہ ملتا تھا''۔ (۲)

(۱) الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر (۲) ایضاً

تبلیغی جماعت

امروہہ میں تبلیغی جماعت کے کام کی بنیاد مولانا فریدیؒ کی جدوجہد کا ثمرہ ہے۔ آپ تبلیغی جماعت کے سرگرم، فعال اور مخلص کارکن تھے۔ ۱۹۴۵ء سے وفات تک تقریباً بیالیس سال امروہہ اور حلقۂ امروہہ کے تبلیغی جماعت کے امیر اور ذمہ دار رہے۔ سیکڑوں جماعتیں بنابنا کر قریب وبعید میں بھیجتے تھے اور اکثر خود بھی تشریف لے جاتے تھے۔ آپ نے نوجوانوں میں دین کا عجیب خاموش درد پیدا کر دیا تھا۔ حیرت یہ ہے کہ انگریزی اسکولوں کے جدید تعلیم یافتہ نوجوان آپ کے پاس کثرت سے آتے تھے اور ہر شخص پہلی ہی ملاقات میں گرویدہ ہوجاتا تھا۔ آپ نے بے شمار مساجد کو آباد کرایا، چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں جہاں مسجدیں نہ تھیں، مسجدیں تعمیر کرائیں اور جہاں مساجد تھیں، وہاں مدرسہ شروع کرایا۔ آج کتنے ہی مدارس ہیں، جو آپ کے قائم کردہ ہیں اور دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

علاقہ میں کوئی بھی تبلیغی پروگرام ہوتا تھا اس میں بہ نفس نفیس شرکت فرماتے تھے۔ امروہہ شہر کا ہفتہ واری اجتماع جمعرات کو مرکز جامع مسجد میں ہوتا تھا اور اب بھی وہیں ہوتا ہے۔ ۱۹۸۰ء سے پہلے بعد عصر تشریف لے جاتے اور بعد عشاء اجتماع ہوتا تھا۔ ۱۹۸۰ء کے بعد سے بعد مغرب اجتماع ہونے لگا تو آپ قبل عصر تشریف لے جاتے اور جماعت کے پروگرام کو اختتام تک پہنچا کر ہی واپس تشریف لاتے تھے۔ آپ کے بڑے بھائی تحسین احمد فریدی کا انتقال [ت ۱۸ یا ۱۹/ ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ = ۳/ جنوری ۱۹۷۴ء] ہوگیا، تو بھی ان کی تدفین کے بعد ہفتہ واری اجتماع کی شرکت کے لیے جامع مسجد پہنچ گئے۔

حضرت مولانا فریدیؒ اپنے مضمون ''مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ اور ان کی چند خصوصیات'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے اکیس سال سے حضرت مولانا مرحوم سے یک گونہ تعلق و ربط

تھا۔ وہ اپنے اخلاق عالیہ کے تقاضے سے احقر کا بڑا اکرام فرماتے تھے۔ جس سے بعض اوقات اپنی بے عملی اور کم حیثیتی کے پیش نظر مجھے شرمندگی محسوس ہوتی تھی۔ میں بھی ان سے جذبۂ عقیدت مندی سے ملتا تھا۔ اس لیے کہ مجھے ان کی شخصیت میں اکابر ملت کے اخلاق کی جھلکیاں اور ''مشائخ کاندھلہ'' کی اداؤں کا عکس نظر آتا تھا۔ یہ حقیقت تو بعد کو معلوم ہوئی کہ حضرت مولاناؒ عمر کے لحاظ سے مجھ سے چار پانچ سال چھوٹے تھے۔ میں ان کی حیات میں اپنے مقابلہ میں عمر کے لحاظ سے بھی ان کو بڑا سمجھتا تھا۔ سچ پوچھئے تو وہ ہر حیثیت سے بڑے ہی تھے۔ ان کی تھوڑی عمر میں بھی کام کے لحاظ سے بڑی برکت ہوئی۔ ہم جیسوں سے سو سال میں بھی وہ اہم کام انجام نہیں پاسکتے، جو انھوں نے ۴۹ سال کی عمر پا کر صرف ۲۱ سال میں انجام دے لیے۔ یہ محض انعام ربانی تھا کہ ان کے کارکردگی کے مختصر سے زمانہ کا ہر دن دینی اعتبار سے کامیاب تھا اور ہر رات نور در آغوش تھی۔ حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ کو میں نے جہاں تک یاد پڑتا ہے صرف دو مرتبہ دیکھا ہے، ایک مرتبہ ریل میں جب وہ سہارنپور سے دہلی جا رہے تھے اور میں دیوبند سے میرٹھ جا رہا تھا۔ یہ طالب علمی کا زمانہ تھا۔ دوسری مرتبہ ان کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ہمراہی حضرت مولانا (محمد منظور) نعمانی مدظلہ دہلی جا کر۔ غرضیکہ میں اپنی محرومی کی بنا پر حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی شخصیت سے ان کی زندگی میں کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکا اور نہ مجھے کوئی موقع ملا کہ ان کے کارناموں اور مساعی حسنہ سے واقفیت پیدا کرتا۔ فائدہ تو اپنے زمانے کے کسی بزرگ سے بھی آج تک نہ اُٹھا سکا، اپنی

سیہ بختی کی یہ داستان چھیڑنی مقصود نہیں۔ مجھے تو عرض یہ کرنا ہے کہ میں نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے جانشین اور اکلوتے باکمال صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسفؒ کو قریب سے دیکھا، دور سے دیکھا، سفر میں دیکھا، حضر میں دیکھا، خلوت میں دیکھا، جلوت میں دیکھا، عمومی اجتماعوں میں دیکھا، خصوصی محافل ومجالس میں دیکھا، ان کی روح پرور باتیں سنیں ان کی پُر شکوہ تقریریں سنیں، ان کے کچھ مکتوبات بھی احقر کے نام صادر ہوئے جو عرائض کے جواب میں تھے یا از خود از راہِ کرم فرمائی تبلیغی نقل و حرکت کے سلسلہ میں ارسال فرمائے گئے تھے۔ وہ تین مرتبہ امروہہ بھی تشریف لائے۔ ایک مرتبہ تبلیغی اجتماع میں اور دو مرتبہ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے جلسہ دستار بندی اور اجتماع ختم بخاری کے موقع پر۔ امروہہ کے متعلق فرماتے تھے کہ ''یہ ہمارے بزرگوں کی بستی ہے''۔ سلسلہ صابریہ امدادیہ، رشیدیہ کے تین اکابر طریقت اس سرزمین پر ابدی نیند سو رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بعض خدام سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس زمانہ میں جب کہ ان کا یہاں کوئی تعارف نہ تھا اپنے ان اکابر طریقت کے مزاروں پر حاضری دینے تشریف لایا کرتے تھے۔''(۱)

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''مجھے حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے خاص عقیدت تھی اور اپنے ابتدائی زمانہ میں میرٹھ سے جب دہلی جاتا، ان کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا تھا۔ ان کی سادگی، خلوص اور جذبہ تینوں نے

(۱) ماہنامہ الفرقان مولانا محمد یوسفؒ نمبر بحوالہ مقالات فریدی جلد سوم

مل کران کی شخصیت میں عجیب دلکشی پیدا کردی تھی۔ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا میاں کچھ دین کا کام کیجئے۔عرض کیا حضرت دعا فرمائیں۔فرمایا میاں!نیت تو آپ نہ کریں اور پھر کہیں کہ میری دعامیں تاثیر نہیں۔یہ گفتگو نہ معلوم کتنی مرتبہ ماموں صاحب نے تقاضہ کرکے میری زبان سے سنی۔جب تبلیغی جماعت کا ذکر آتا تو مجھ سے فرماتے اور ہاں! تم سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے کیا فرمایا تھا؟معلوم نہیں اس طرح خود مجھے اس کام پر مائل کرنا مقصود تھا یا اس جملے میں ان کو ایک دلکشی محسوس ہوتی تھی،جس سے وہ لطف اندوز ہوتے تھے۔مجھے کچھ ایسا خیال ہوتا ہے(ممکن ہے کہ غلط ہو) کہ ان کا تعلق تبلیغی جماعت سے حضرت مولانا الیاس صاحب کے زمانہ سے نہیں بلکہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے زمانہ سے قائم ہوا تھا۔"(۱)

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

"تبلیغی جماعت کے وہ نہایت سرگرم، فعال اور مخلص کارکن تھے۔ ۱۹۴۷ء سے وفات تک تقریباً ۴۲ رسال امیر جماعت رہے۔سیکڑوں جماعتیں بنا بنا کر دور ونزدیک بھیجتے تھے اور اکثر خود بھی جاتے تھے۔"(۲)

حکیم صیانت اللہ امروہوی لکھتے ہیں:

"وہ (مولانا فریدیؒ) حلقۂ امروہہ کے تبلیغی و جماعتی "امیر" بھی بنائے گئے تھے؛چنانچہ امارت کا کام ایسا، نظام ایسا کہ ملوکی و

(۱) الفرقان فریدی نمبر (۲) ایضا

جمہوری دفاتر ہیچ، حلقے کے ان مضافات ومواضعات میں کتنے
لوگ مصروف کار ہیں، ان وابستگان کے نام کیا ہیں، مواضعات
کی آبادی کتنی اور محل وقوع وراہِ آمدورفت کیا ہے، وہاں مساجد بھی
ہیں یا نہیں، اہل حق کتنے ہیں اور اہل باطل کتنے، کارکردگی میں کیا
دشواریاں ہیں، ازالہ مشکلات کس طرح ممکن ہے؟ یہ تمام امور
ہمہ وقت مستحضر نہ صفحات کاغذ درکار ہیں اور نہ رجسٹر، فاروقی النسل
ہونے کی اس سے زیادہ واضح و روشن دلیل اور کیا ہوگی؟ کوئی
جماعتی بھائی، کوئی متعلق علیل ہے، تو عیادت کی سنت ترک نہیں
ہوسکتی۔ ایسے ہی اگر کوئی موت واقع ہوئی ہے تو نمازِ جنازہ میں
شرکت ضروری، ہوسکا تو قبرستان تک مشایعت بھی ہوگی، اب
واپسی تدفین ودعائے ثبات قدمی کے بعد ہی ہوگی"۔(۱)

بڑے بھائیوں کی خدمت اور تجرد کی زندگی

حضرت مولانا فریدیؒ کے سب سے بڑے بھائی تحسین احمد فریدی تقریباً بیس سال کی عمر میں مجذوب ہوگئے تھے اور وہ اس حال میں ۴۵؍سال تک رہے۔ دوسرے بھائی تسلیم احمد فریدی بھی ۱۹۴۲ء میں مخبوط الحواس ہوگئے تھے، جن کی وجہ سے آپ مدرسہ اشفاقیہ بریلی سے استعفیٰ دے کر امروہہ تشریف لے آئے۔ دونوں بھائیوں اور تسلیم احمد صاحب کے تینوں بچوں کی نگہداشت اور تعلیم وتربیت کی وجہ سے تمام زندگی تجرد میں گذار دی۔ اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کے لیے خود کو فنا کردیا۔ ایسی کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی ہے۔

اسی زمانہ میں مظفرنگر کے علاقہ میں کسی بزرگ کی خدمت میں گئے اور ان سے کہا کہ

---

(۱) الفرقان فریدی نمبر

میرے بھائی دیوانے ہوگئے ہیں، ان کی صحت یابی کے لیے دعا فرما دیجئے، انھوں نے جواب دیا کہ حضرت بابا فریدؒ نے ایک دنیا کو دیوانہ بنا رکھا ہے، اگر ان کی اولاد میں کوئی دیوانہ ہوگیا تو کیا ہوا۔ یہ واقعہ سنا کر مولانا فریدیؒ مسکراتے تھے اور فرمایا کہ دیکھو انھوں نے کیسا جواب دیا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ تحریر کرتے ہیں:

> ''مولانا فریدیؒ کے احوال، اوصاف اور اخلاق کے بارے میں دیگر حضرات کے مضامین میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، یہ عاجز ان کے جن حالات سے بہت زیادہ متاثر ہوا ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ جس زمانہ میں وہ بریلی میں میرے ساتھ مقیم تھے، اس وقت ان کی عمر ۳۰ کے لگ بھگ تھی۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے ان دنوں ان سے ان کی شادی کے سلسلہ میں بات کی تو انھوں نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ میرے دو بھائی ایسی دماغی حالت میں ہیں کہ وہ اپنے بچوں کی پوری فکر نہیں کرسکتے۔ ان کے اہل وعیال کی ممکن خدمت میں نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے؛ اگر میں خود گھر بسالوں گا تو ان کی کچھ خدمت نہ کرسکوں گا۔ یہ بات جوانی کے زمانے کی ہے، وہ اپنے اس عہد پر زندگی بھر قائم رہے اور صرف اپنے معذور بھائیوں کے بچوں کی خدمت کی خاطر پوری زندگی تجرد میں گذار دی۔ اس زمانہ میں ایسا ایثار، ایسی قربانی اخص الخواص بندگان خدا ہی کے بس کی بات ہے''۔(۱)

---

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر

عام اصلاح وخدمت دین کی فکر

اور اس کے لیے جدوجہد

ان اعلیٰ علمی اور تحقیقی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ اقامت دین، احیائے سنت ترویج شریعت، تصحیح عقائد، اصلاحِ اعمال و اخلاق اور امت کی عمومی خدمت کی طرف بھی پوری توجہ اور اس کے لیے بڑی جدوجہد فرماتے تھے۔ آپ کی تقریر نہایت سادہ، سلیس جامع ومدلل اور بے حد مؤثر ہوتی تھی۔ اپنا مافی الضمیر بڑی خوبی اور سلاست وفصاحت سے ادا فرماتے تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بات کہنے میں، بناوٹ، لگاوٹ، دکھاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔ آپ کا وعظ عام فہم ہوتا تھا، جس سے ادنیٰ واعلیٰ، امی و عالم سبھی مستفیض ہوتے تھے۔ گویا اس شعر کا مصداق تھا ؎

پسند کر لیں خواص جس کو سمجھ میں آئے عوام کی بھی
غرض ہو سب کی پسند خاطر یہی ہے خوبی کلام کی بھی

تبلیغی اجتماعات میں آپ جماعت کے اصول کے مطابق چھ نمبر بیان فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جماعت والوں کو چھ نمبروں ہی کے اندر رہنا چاہئے اور یہ چھ نمبر اس دل نشیں انداز میں بیان فرماتے تھے کہ روح کو فرحت حاصل ہوتی تھی اور ایمان میں تازگی آجاتی تھی۔

ہوش میں آیا زمانہ جاگ اُٹھا اک جہاں
لیکن اے مسلم! خمارِ خواب تیرے سر میں ہے
فریدؔی

چھٹی فصل
علمی تحقیق و جستجو اور انہماک

آپ علمی مسائل کی معلومات میں بالکل عار محسوس نہیں فرماتے تھے۔ ایک بار سہارنپور میں حضرت مولانا محمد یونس شیخ الحدیث مظاہر علوم سے دفتر مظاہر علوم کی مسجد میں کہا کہ آپ سے کچھ معلومات کرنی ہیں۔ انھوں نے کہا ابھی معلوم کر لیجیے، فرمایا کہ آپ کے کمرے پر حاضر ہوں گا۔ چنانچہ صبح کو ناشتہ کے بعد احقر کو ساتھ لے کر ان کے کمرے پر تشریف لے گئے اور ''موطاء امام مالک'' کی ایک حدیث کو جس میں آپ کو کچھ اشکال تھا، نکلوا کر پڑھوایا، جب پوری طرح تسلی و تشفی ہوگئی تو مولانا محمد یونس صاحب کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ آپ کی وجہ سے یہ حدیث حل ہوگئی۔

علمی تحقیق میں بالکل محو ہو جاتے تھے، اکثر و بیشتر سفر علمی تحقیق ہی کے سلسلہ میں ہوتے تھے، ''پھلاودہ'' متعدد مرتبہ جانا ہوا، ان علمی اسفار میں نماز کے اوقات میں نماز اور باقی ہر وقت مطالعہ کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں ہوتا تھا۔ تہجد کے وقت بھی تحقیق و مطالعہ میں مصروف رہتے تھے اور کتابیں پڑھوا کر سنتے تھے۔ کاندھلے کا سفر بھی اکثر ہوتا تھا اور وہ بھی علمی تحقیق کے لیے۔ مولانا نور الحسن راشد صاحب کے کتب خانے میں اپنے ذوق کی چیزیں خوب تلاش کرتے تھے۔ آپ کی تحقیقی کاوش کا اندازہ لگانے کے لیے ایک واقعہ کافی ہے۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ [ت ۹/ رجب ۱۲۴۲ھ] کے ترجمہ قرآن سے آیت وضو کے ترجمہ میں پاؤں دھونے کا لفظ کسی ''اثنا عشری'' نے حذف کر دیا ہے۔ مولانا کو اس کی جستجو شروع ہوگئی۔ نہ جانے ترجمہ کے کتنے نسخے مولانا نے دیکھے، پاؤں دھونے کا لفظ کسی نسخے میں نہیں مل رہا تھا۔ کافی تگ و دو اور بہت عرق ریزی کے بعد ترجمے کا ایک قلمی نسخہ ۱۲۳۴ھ کا

مل گیا، جس کو بیگم امۃ الحبیب صاحبہ کی فرمائش پر لکھا گیا تھا، اس میں آیت وضو کا جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔(۱) بس ہمارے مولانا خوشی سے باغ باغ ہوگئے اور بار بار اس پر حیرانی کا اظہار فرمایا کہ کتنی بڑی سازش کی گئی ہے۔

مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان

مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلوی مرحوم (۲) [۱۳۲۴ھ=۱۹۰۶ء-۱۴۱۴ھ=۱۹۹۳ء] نے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلویؒ کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کے بارے میں عجیب وغریب خیالات کا اظہار اپنی ایک کتاب میں کیا۔ اسے پڑھ کر مولانا فریدی تڑپ گئے۔ اس کے جواب کی فکر ہر وقت دامن گیر ہوگئی، فرماتے تھے کہ اس کا جواب دینا ضرور ہے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچادے۔ اس کی وجہ سے بہت زیادہ مضطرب وبے چین رہے۔ اس سلسلہ میں شدید ضعف پیری ومعذوری کے باوجود لاہر پور (ضلع سیتاپور) کا بھی سفر فرمایا۔ (۳) وہاں کے کتب خانہ میں بہت

---

(۱) مخطوطہ موضح قرآن ذی الحجہ ۱۲۳۴ھ

(۲) [مولانا زید ابوالحسن بن ابوالخیر عبداللہ بن عمر بن احمد سعید بن ابوسعید فاروقی دہلوی ۲۵/ رمضان ۱۳۲۴ھ = ۱۹۰۶ء کو دہلی میں آپ کی ولادت ہوئی، مدرسہ عبدالرب دہلی میں آپ نے مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی، جہاں شیخ عبدالوہاب، حکیم محمد مظہر اللہ، اور شیخ محبوب الٰہی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور ۱۹۳۵ء میں جامعہ ازہر مصر سے فضیلت کیا، ۱۳۴۵ھ میں اپنے والد شیخ ابوالخیر سے بیعت ہوئے اور اپنے والد وپیر کی جانب سے ۱۳۴۰ھ میں خلافت سے سرفراز کیے گئے، ہندوستان، افغانستان اور کوئٹہ (پاکستان) میں آپ کے بہت سے متوسلین ہیں، ''علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے ہم عصر، حضرت مجددؒ اور ان کے ناقدین، مقامات خیر (اردو)، مقامات خیر (فارسی)، سوانح امام اعظم ابوحنیفہؒ اور مولانا اسماعیلؒ اور تقویۃ الایمان'' آپ کی یادگار تصنیفات ہیں، ۱۵/ جمادی الاخری ۱۴۱۴ھ = یکم دسمبر ۱۹۹۳ء کو وفات پائی اور ''زاویہ ابوالخیر'' ابدی آرام گاہ بنی۔]

(۳) اس سفر میں مولانا محمد اسماعیل جویاوی اور مولانا شبیر احمد جویاوی بھی ساتھ میں تھے۔

تلاش کے بعد ایک قلمی کتاب ملی جس میں مناظرۂ جامع مسجد دہلی کی صحیح روداد موجود ہے۔ بس مولانا خوشی سے جھوم اُٹھے، چہرۂ مبارک پر انبساط کے آثار روشن ہو گئے۔ اس کتاب کو لے کر امروہہ تشریف لائے اور فرمایا کہ الحمدللہ! مناظرۂ دہلی کی صحیح روداد مل گئی۔ اب مولانا زید کی کتاب پر تبصرہ کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا علی گڑھ بھی تشریف لے گئے اور مسلم یونیورسٹی کی آزاد لائبریری میں بعض ضروری چیزوں کا مطالعہ کیا۔ مولانا فریدیؒ کا یہ تبصرہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے پیش لفظ و تکملہ کے ساتھ ماہنامہ الفرقان کے فریدی نمبر میں شامل ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنے پیش لفظ میں ارقام فرماتے ہیں:

''کتاب کے شائع ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد میرے محبوب دوست اور رفیق مولانا نسیم احمد فریدی نے (جنہیں اب رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے اور جنہیں ہندوستان کی اصلاح و تجدید کی تاریخ اور اس کے مرکزی کرداروں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ، ان کے اخلاف اور صاحبزادگان اور حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ وغیرہم سے نہ صرف یہ کہ مثالی عقیدت و محبت تھی بلکہ وہ متفقہ طور پر اس تاریخ کے سب سے مستند محقق اور اس کے ماہر مؤرخ تھے) مجھے لکھا کہ وہ مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی کتاب پر تبصرہ لکھ کر الفرقان میں اشاعت کے لیے بھیجیں گے۔ پھر ۳۰/ مارچ ۱۹۸۷ء کو مولانا نے وہ تبصرہ مجھے بھیج دیا۔

حضرت مولانا فریدیؒ اپنے تبصرہ میں لکھتے ہیں:

''مولانا زید نے جب حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ پر کچھ لکھنے کا

ارادہ کیا تو میں نے ان کو حضرت شہیدؒ پر اپنا لکھا ہوا مقالہ بھجوایا اور ان کے دادا کے چچا ''محدث دارالہجرہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی'' کی کتاب ''تتمہ مقاماتِ مظہری'' کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ انھوں نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے کہ جب ان کے دادا ''حضرت شاہ صفی القدر مجددیؒ'' کا وصال لکھنؤ میں ہوا تو حضرت سید احمد رائے بریلویؒ اور حضرت شاہ اسماعیل دہلویؒ نے ان کی تجہیز و تکفین کی۔ میں نے لکھا تھا کہ اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صفی القدرؒ کے ان دونوں حضرات سے بہت اچھے روابط تھے اور عجب نہیں کہ نمازِ جنازہ بھی ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک نے پڑھائی ہو۔ ایسی صورت میں آپ کو ان کی بلند شخصیت کا خیال رہے۔ اس کے جواب میں مولانا زید کے دو خط میرے پاس آئے۔ ان کے اقتباسات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''محترم گرامی جناب مولانا نسیم احمد فریدی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عاجز نے ۸؍ستمبر کو لیٹر ارسال کیا تھا اور شاہ محمد اسماعیل کے متعلق کچھ تحریر کیا تھا۔ اس سلسلہ میں عاجز اتنا کہتا ہے کہ عام طور پر رفع یدین، ارسال، عدم رفع یدین، آمین بالجہر و امثالہ میں اختلاف اور تعصّبات پیدا کیے جاتے ہیں اور عاجز کی نظر میں ایسے مسائل میں قیل وقال و اختلاف عبث ہے۔ یہ اعمال ہیں کوئی سا عمل بھی کرلیا جائے، اتباعِ سنت میں شمول ہے۔ قبیح یہ فعل ہے کہ ایک دوسرے کے امام پر کیچڑ اُچھالی جائے اور اقبح یہ فعل ہے کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت میں ایسی عبارت لکھی جائے جو سوئے ادب کو حامل ہو۔

عاجز نے علامہ ابن تیمیہؒ کے متعلق رسالہ لکھا ہے، عاجز کو جو تعلق اور قلبی لگاؤ ابن تیمیہؒ سے ہے، وہ محمد ابن عبد الوہاب، شاہ اسماعیل دہلوی اور ان دو کے طریقہ پر چلنے والے بعض علماء سے نہیں ہے، چاہے وہ بعض علماء کٹر حنفی ہوں۔ عاجز ''حضرت شاہ عبد الغنی محدث دار الہجرہ'' کا دل و جان سے معتقد ہے۔ شاہ اسماعیل کے متعلق جو نظریہ آپؒ کا ہے وہ اس دور کے محققین سے کہیں زیادہ وقیع ہے۔ آپؒ ہی کے طریقہ پر حضرت سیدی الوالد مرتے دم تک عامل رہے کہ نہ کبھی تعریف کی اور نہ کبھی برا کہا اور نہ کبھی ان کا ذکر کیا، نہ ان کی تالیفات سے لگاؤ رکھا۔ شاید آپ کو تعجب ہو کہ عاجز نے آج تک ''تقویۃ الایمان'' کا مطالعہ نہیں کیا ہے؛ کیونکہ حضرت الوالد کو یہ کتاب پسند نہ تھی۔ حضرت شاہ عبد الغنی اور حضرت سیدی الوالد جیسے پاک نہاد افراد کا کسی کتاب کو ناپسند کرنا، کسی تعصب کی بنا پر نہیں ہے، اختلاف تو حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی کیا ہے، کیا وجہ ہے کہ ان سے اللہ کے نیک بندے متنفر نہیں ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ مولانا اسماعیل سے دل آزردہ ہیں؟ اب اگر کوئی دل آزردہ گان کے متعلق کہے (کہ) اہل بدعت نے لے دے کی ہے تو کیا یہ انصاف ہے؟ انصاف کا اظہار تو اس وقت ہوگا کہ ان عبارتوں کو جو مولانا نے لکھی ہیں اور جن سے اللہ کے نیک بندے دل آزردہ ہوتے ہیں، بحرفہ ذکر کیا جائے اور پھر جائزہ لیا جائے کہ اس میں قباحت کا پہلو فی الوقع نکلتا ہے یا نہیں۔

''تقویۃ الایمان'' کے متعلق اگست ۱۹۷۸ء کے مجلّہ الفرقان میں ص: ۲۷ سے ۴۱ تک ایک مضمون ہے اور آپ نے ''تذکرۂ حضرت شاہ اسماعیل شہید'' میں بہت کچھ لکھا ہے، آپ کے رسالہ کو پڑھ کر خیال آیا کہ ''تقویۃ الایمان'' کا مطالعہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ کیسی کتاب ہے۔ اللہ عاجز کی مدد کرے۔ عاجز آپ سے اتنا دریافت کرتا ہے کہ (تذکرۂ حضرت شاہ اسماعیل شہید) ۶۴؍صفحات کا رسالہ جو آپ کے نام سے چھپا ہے کیا فی الواقع اس کی عبارت من اولہ الی آخرہ آپ کی ہے یا کسی جگہ کچھ تصرف ہوا

ہے، حقیقت سے آگاہ فرمادیں، ولکم الشکر؛ کیونکہ عاجز کو بعض عبارات اور بعض الفاظ پر کچھ شبہ ہوا ہے۔"

زید ابوالحسن فاروقی ۲۹ر ستمبر ۱۹۷۸ء

حضرت مولانا فریدیؒ کو اپنے اکابر کے دفاع کی کتنی فکر رہتی تھی، اس سلسلہ میں مولانا سید اخلاق حسین قاسمیؒ کو اپنے ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

"محقق مفسر مولانا اخلاق حسین کی کتاب "مولانا محمد اسماعیل شہید اور ان کے ناقد" دستیاب ہوکر باعث صد مسرت و انبساط ہوئی۔ اس کتاب کو پورا اسن کردم لیا۔ ماشاء اللہ خوب لکھی ہے چند مضامین تو اتنے لاجواب ہیں کہ ان کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ محاسن موضح قرآن کا مؤلف ہی ایسے مضامین دہلی کی شستہ زبان میں پیش کرسکتا ہے۔ میں برابر مولانا زید صاحب کی کتاب کے جواب کو سوچتا رہا۔ چند ماہ میں کوئی دن خالی نہ گیا ہوگا جس میں اس کے جواب کی فکر دامنگیر نہ رہی ہو۔ آپ نے ایک بہت بڑا بوجھ ہم ضعفاء کے سر سے اتار دیا۔ مولانا محمد منظور نعمانی نے اطلاع دی تھی کہ مولانا اخلاق حسین قاسمی اس کتاب کا رد لکھ رہے ہیں۔ اب میں ایک مضمون پر اکتفا کروں گا جو مولانا زید صاحب کی کتاب پر ایک تبصرہ ہوگا۔"

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن محدث دیوبندیؒ پر ایک مقالہ لکھنا تھا، تو احقر کو ساتھ لے کر دہلی تشریف لے گئے۔ جامعہ ملیہ کی لائبریری میں "اخبار مدینہ" بجنور اور "ہمدم" کی فائیلوں کو پڑھوا کر سنا۔ بار بار تاکید فرماتے رہے کہ جو بات بھی مل جائے اس کو چھوڑنا نہیں

نوٹ کرتے جاؤ، بڑی عرق ریزی اور تحقیق کے بعد یہ مقالہ تیار ہوا، اس مقالہ کے مآخذ یہ ہیں: (۱) نقش حیات، (۲) مولانا سندھی کی ذاتی ڈائری، (۳) تحریک ریشمی رومال (۴) اسیرانِ مالٹا، (۵) خطبۂ صدارت جلسہ افتتاح جامعہ ملیہ، (۶) جامعہ ملیہ کے پچیس سال، (۷) مختصر سوانح عمری شیخ الہندؒ، (۸) شیخ الہند، حیات اور کارنامے، (۹) مکتوباتِ شیخ الہندؒ، (۱۰) سفر نامہ اسیر مالٹا، (۱۱) تذکرۂ شیخ الہندؒ، (۱۲) اخبارات مدینہ بجنور و ہمدم وغیرہ یہ مقالہ مقامِ محمود میں شائع ہوا اور اب مقالاتِ فریدی جلد دوم میں شامل ہے۔

حضرت محدث امروہیؒ:

حضرت مولانا فریدیؒ کو سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ اور ردِ قادیانیت پر ایک مقالہ لکھنا تھا تو بہت سی کتابوں کے علاوہ رام پور کی رضا لائبریری جا کر ''دبدبہ سکندری'' کی فائل کا بھی مطالعہ کیا۔ یہ جاننے کے لیے کہ ۱۹۰۹ء میں جو مناظرہ(۱) علماء حق کا قادیانیوں سے قلعہ رامپور میں نواب حامد علی خاں کی موجودگی میں ہوا تھا، اس میں کون کون اور کہاں کہاں سے علماء شریک ہوئے تھے اور دبدبہ سکندری کے مدیر کی اس کے بارے میں کیا رائے تھی؟ اس مناظرہ میں حضرت محدث امروہیؒ بنفس نفیس شریک ہوئے تھے؛ بلکہ نواب حامد علی خاں نے آپ کو خاص طور سے مدعو کیا تھا۔ قلعہ کے اندر نواب صاحب کی موجودگی میں حضرت محدث امروہیؒ نے ایک معرکۃ الاراء تقریر فرمائی تھی۔ اہل حق کو جس کے بعد فتح حاصل ہوئی تھی اور قادیانیوں کو شکست فاش، غرض کہ حضرت محدث امروہیؒ پر مقالہ بھی اتنی تحقیق کے بعد لکھا گیا۔ یہ مقالہ تحفظ ختم نبوت کے اجلاس میں دیوبند میں پڑھا گیا اور رسالہ ''دارالعلوم'' میں مقالات کے مجموعہ میں شائع ہو چکا ہے اور اب مقالاتِ فریدی جلد اول میں شامل ہے۔

---

(۱) یہ مناظرہ ۱۵؍جون ۱۹۰۹ء سے شروع ہوا اور ۲۰؍جون ۱۹۰۹ء کو اہل حق کی کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ اس مناظرہ میں مولانا حامد رضا خاں بریلوی بھی اکابر دیوبند کے ساتھ شریک تھے۔

حضرت مولانا فریدیؒ ارقام فرماتے ہیں:

''رامپور میں منشی ذوالفقار علی قادیانی ہو گئے تھے (جو مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی تھے) اور ان کے چچا زاد بھائی حافظ احمد علی خاں شوقؔ رامپوری جماعت حقہ کے ساتھ تھے۔ دونوں ہی نواب رامپور کے خاص ملازم تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے قول کے مطابق ان دونوں میں بحث و مباحثہ ہوا کرتا تھا۔ نواب حامد علی خاں والی ریاست رامپور نے اس بحث و مباحثہ کا حال معلوم کر کے کہا کہ دونوں فریق سرکاری خرچ پر اپنے اپنے علماء کو بلائیں، چنانچہ ۱۵؍ جون مناظرہ کے لئے مقرر ہوئی۔ اہل حق کی طرف سے حضرت محدث امروہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی، حضرت مولانا حافظ محمد احمدؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہم کو مدعو کیا گیا۔ ابوالوفاء مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے مناظرہ کیا، فریق ثانی کی حمایت کے لئے حکیم محمد احسن امروہی، خواجہ کمال الدین وغیرہما رامپور پہنچے تھے۔''(۱)

اس مقالہ کے مآخذ یہ ہیں: (۱) مکتوباتِ سید العلماء حضرت محدث امروہیؒ (۲) رسالہ القاسم دیوبند، (۳) رسالہ دارالعلوم دیوبند، (۴) دبدبۂ سکندری رامپور (۵) دافع البلاء، (۶) ستہ ضروری مباحث رامپور، (۷) صحیفہ محبوبیہ وغیرہ۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ پر مقالہ لکھنا تھا تو اس کی تیاری میں کتابوں کا انبار لگا دیا۔ کتابیں پڑھوا کر سنتے جاتے اور نوٹ کراتے جاتے پھر شیخ الاسلام

---

(۱) مقالاتِ فریدی جلد اول

حضرت مدنیؒ کی غیر مطبوعہ تحریروں کو سامنے رکھ کر مقالہ تیار فرمایا۔

یہ مقالہ سیمینار شیخ الاسلام منعقدہ دہلی ۱۸-۱۹/ مارچ ۱۹۸۸ء کو پڑھا گیا، جس کے مآخذ یہ ہیں: (۱) نقشِ حیات، (۲) مکتوبات شیخ الاسلام، (۳) تذکرہ مشائخ دیوبند، (۴) حضرت شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات، (۵) شیخ الاسلامؒ کا غیر مطبوعہ مکتوب، (۶) اسیرانِ مالٹا وغیرہ۔ یہ مقالہ ''حضرت مدنی حیات اور کارنامے'' میں شائع ہوا اور اب مقالاتِ فریدی جلد دوم میں شامل ہے۔

یہ سب اس وقت کی باتیں عرض کر رہا ہوں جبکہ خود لکھنے پڑھنے سے بوجہ فقدان بصارتِ ظاہری بالکل معذور ہو چکے تھے؛ بلکہ سفر بھی دوسروں کو ساتھ لے کر فرماتے تھے۔ لکھنؤ کا جب بھی سفر ہوا ضروری مشاغل سے فرصت پاتے ہی ندوۃ العلماء کے کتب خانے میں جا پہنچتے۔ ناظم کتب خانہ مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب مرحوم(۱)[۲۰/ اگست ۱۹۲۳ء۔

(۱) مولانا سید محمد مرتضیٰ حسن صاحب ۲۰/ اگست ۱۹۲۳ء کو ضلع بستی کے ایک گاؤں مجھوا امیر میں پیدا ہوئے امیر المؤمنین سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء کی محبت وارادت میں آپ کا پورا خاندان سرشار تھا، آپ کے پردادا اور ان کے والد مولانا سید قطب علی صاحب مرحوم سید صاحبؒ کی خدمت میں تکیہ دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی حاضر ہوکر خلافت سے سرفراز ہوکر وطن واپس آئے، مولانا سید جعفر علی صاحب نقوی (صاحب منظورۃ السعداء) معرکۂ جہاد میں شرکت کے لیے سرحد تشریف لے گئے اور وہاں منشی خانہ (دفتر) سے وابستہ رہے، حضرت مولانا اسماعیل شہید کے گویا خادم خاص تھے، حادثہ بالاکوٹ کے بعد امیر جماعت کے مشورے کے مطابق وطن واپس لوٹے اور پورے چالیس سال دعوت واصلاح اور تبلیغ میں مشغول رہ کر وفات پائی، آپ کے والد صاحب مرحوم نے آپ کو عربی مدرسہ میں ۱۹۳۴ء میں داخل کرایا، جو مجھوا امیر کے قریب مولانا سید جعفر علی نقویؒ کا قائم کیا ہوا تھا، شوال ۱۳۵۹ھ میں مظاہر علوم میں داخلہ لیا اور شعبان ۱۳۶۳ھ=۱۹۴۴ء میں دورۂ حدیث سے فراغت ہوئی، مولانا صدیق احمد باندویؒ اور مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ المتوفی ۱۴۰۲ھ=۱۹۸۲ء خواہر زادہ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ جیسے صاحب تصانیف کثیرہ کی رفاقت حاصل رہی، ۳۰/ جنوری ۱۹۴۶ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں آپ مدرس مقرر ہوئے، اکتوبر ۱۹۵۰ء سے کتب خانہ ندوۃ کی ذمہ داری تفویض کی گئی، حضرت مفتی نسیم احمد فریدیؒ سے بھی گہرے تعلقات تھے، آپ کا انتقال پُر ملال ۱۴۱۶ھ=۱۹۹۵ء کو ہوا۔

1995ء=۱۴۱۶ھ] سے آپ کے اچھے مراسم تھے، مولانا اپنے پاس ہی کرسی پر بٹھاتے، تھوڑی گفتگو ہوتی، اس کے بعد ان سے فرماتے: مولانا آپ کے یہاں فلاں فلاں کتابیں ہیں؟ مولانا رجسٹر میں تلاش کر کے جواب دیتے جی ہاں! ہیں۔ بس کتابیں نکالی جاتیں، مولانا فریدیؒ بڑے ذوق وشوق سے وہیں کتابیں سننا شروع کر دیتے تھے۔ آخری سفر لکھنؤ ۱۹۸۷ء میں ہوا تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے کچھ مکتوب الیہم کے حالات ندوہ کے کتب خانے کی کتابوں میں سے تلاش کرائے۔ تاریخ کشمیر، تاریخ پنجاب اور دیگر تواریخ سے نوٹ کراتے رہے۔ مطلوب کے حاصل ہونے پر بہت خوش ہوتے کہ جو شوق یہاں لایا ہے وہ پورا ہو رہا ہے۔

ایک مرتبہ مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی کے سالانہ جلسہ میں تشریف لے گئے۔ جلسہ سے فراغت کے بعد مدرسے کے کتب خانہ میں پہنچ گئے۔ وہاں قلمی اور مطبوعہ کتابوں کو نکلوا کر سنتے رہے۔ کتابوں کے ذخیرہ میں قصبہ گلاوٹھی کی تاریخ نکل آئی۔ مہتمم مدرسہ (مولانا سید نسیم الدین صاحب) سے فرمایا کہ یہ لیجئے یہ آپ کے قصبے کی تاریخ ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ابوشکور سالمی کی کتاب "تمہید" (۱) مل گئی۔ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اس کتاب کے بارے میں فرمایا کہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا عقیدہ وہی ہے جو تمہید میں ہے۔ پھر فرمایا کہ بابا صاحبؒ نے حضرت نظام الدین اولیاؒ [ت ۱۴/ ربیع الآخر ۷۲۵ھ] کو اس کتاب کا بھی درس دیا ہے۔ اس کتاب کی جستجو مدت سے تھی، اس کو لے کر امروہہ آئے اور پڑھوا کر سنا۔ آخر زمانہ میں ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی سے فرمایا: میاں نثار احمد! تم نے تمہید دیکھی ہے؟ ان کا جواب نفی میں سن کر فرمایا کہ اس کتاب کو ضرور دیکھنا بابا صاحبؒ کا وہی عقیدہ ہے، جو تمہید میں ابوشکور سالمی نے لکھا ہے۔

حضرت مولانا فریدیؒ کی تحقیقی کاوش اہل علم کی نظر میں

حضرت مولانا فریدیؒ کی تحقیقی کاوش پر جن اہل قلم نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے وہ

(۱) یہ کتاب علم عقائد میں ہے۔

نذرِ ناظرین کیا جاتا ہے۔

محدث شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ [۱۳۱۹ھ=۱۹۰۱ء-۱۱/ رمضان ۱۴۱۲ھ= ۱۷/ مارچ ۱۹۹۲ء](۱) اپنے تعزیتی مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

''مولانا علم و تحقیق کے عاشق تھے، اس وقت ان کی مثال ذہن میں نہیں ہے۔''

---

(۱) [امیر الہند مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ: آپ کی ولادت ۱۳۱۹ھ میں مشرقی یوپی کے مردم خیز قصبہ مؤناتھ بھنجن میں ہوئی۔ تاریخی نام ''اختر حسن'' ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن مؤ کے مدرسہ دارالعلوم میں حاصل کی۔ پھر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد مولانا عبدالغفارؒ سے گورکھپور اور بنارس میں رہ کر متوسطات تک حاصل کی۔ اس کے ساتھ ہی علوم مشرقیہ کے امتحانوں میں شریک ہوکر فاضل ادب کا امتحان الہ آباد بورڈ سے پاس کر کے اعلیٰ نمبرات حاصل کئے۔ بقیہ علوم کی تکمیل کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے طبیعت خراب رہنے لگی تو وطن واپس ہوگئے۔ دوبارہ دورۂ حدیث کی تکمیل کے لیے دیوبند کا سفر اختیار کیا مگر اس مرتبہ بھی ناسازیٔ طبع کی بنا پر واپس چلے آئے اور اپنے ہی وطن کے مدرسہ دارالعلوم مؤ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی محدث دیوبندیؒ کے شاگرد مولانا کریم بخش سنبھلیؒ سے ''صحاح ستہ'' کی تکمیل کی اور یہیں درس و تدریس کی خدمت پر معمور ہوگئے بعدہٗ مدرسہ جامعہ مفتاح العلوم سے وابستہ ہوگئے۔ اس کے صدر مدرس بھی رہے یہاں سے علیحدہ ہوکر معہد المعالی مرقاۃ العلوم قائم کیا جو تھوڑی ہی مدت میں مؤ کے بڑے مدارس میں شمار ہونے لگا۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت تھے۔ مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ سے اچھے مراسم تھے۔ درس و تدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی کام انجام دیتے رہے۔ اس کا اچھا اور عمدہ ذوق تھا خصوصاً حدیث اور اسماء الرجال موضوع تھا۔ اس پر گہری نظر تھی۔ مسند حمیدی، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق کتاب السنن، کتاب الزہد والرقاق، مجمع بحار الانوار، الحاوی علی رجال الطحاوی وغیرہ۔ عربی کے علاوہ اردو تصانیف بھی آپ کی شگفتہ اور پُر مغز ہیں۔ ۱۱ر رمضان ۱۴۱۲ھ موافق ۷ار مارچ ۱۹۹۲ء میں انتقال ہوا۔ محبّ الحق] (بحوالہ: زیارت حرمین-۳۷)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر کرتے ہیں:

''مولانا نسیم احمد فریدیؒ کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا علمی ذوق اور علم میں ان کی فنائیت ہے، علم سے ان کو وہی تعلق تھا، جو مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے۔ علمی اشتغال رکھنے والے، تصنیف و تالیف کرنے والے بہت سے مل جائیں گے؛ لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جن کا ذوق نہیں؛ بلکہ ذائقہ بن چکا ہو، علم ہی ان کے لیے غذا، دوا، شفاء، سب کچھ ہو۔ وہ مولانا نسیم احمد فریدیؒ تھے۔''(۱)

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''ان کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ میں جب کبھی ملک سے باہر جاتا وہ برابر کتب خانوں کا حال معلوم کرتے رہتے۔ خود ہندوستان میں کہیں جاتے تو مجھے تفصیل سے لکھتے کہ اس سفر میں کیا کیا کتابیں نظر سے گذریں۔''(۲)

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ارقام فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا فریدیؒ اپنی مختلف النوع صلاحیتوں اور خوبیوں کی بنا پر اسلاف کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ سادہ مزاجی، تواضع اور نرم خوئی ان کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، سلوک وتصوف کے مشاغل میں انہماک کے ساتھ ساتھ جو سالک کی ساری دماغی وقلبی توانائیوں کو ایک

---

(۱) پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' لکھنؤ
(۲) فریدی نمبر

مرکز پر منجمد کر دیتا ہے، مولانا کا خالص علمی و تحقیقی ذوق اور اس سلسلہ میں ان کی غیر معمولی سرگرمیاں اسے مولانا کے جذب دروں کی برکت یا بالفاظ دیگر کرامت ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے؛ ورنہ ان دونوں صفات کی یکجائی اور وہ بھی اس دورِ انتشار میں مشق سخن اور چکی کی مشقت سے کم حیرت انگیز نہیں ہے''۔(۱)

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی نعمانی مدیر ماہنامہ الفرقان تحریر کرتے ہیں:

''حضرت مولانا فریدیؒ رئیس التحریر اور سلطان القلم تھے۔ وہ کیا بلحاظ تصنیف اور کیا بحیثیت تالیف وتدوین اور کیا از روئے مقالہ نگاری ایک کامیاب بلند پایہ محقق ومبصر تھے۔ انھوں نے مولانا گیلانیؒ کے بارے میں جو یہ لکھا تھا کہ:

''وہ پی. ایچ. ڈی. نہ تھے؛ لیکن اس راہ کے کتنے امیدواروں کو انھوں نے کامیاب بنایا ہے اور ایسی شاہراہ قائم فرمادی ہے کہ میدانِ تحقیق میں ایک ذہین طالب علم بآسانی گامزنی کر سکے اور اسلاف کی کتابوں، تاریخوں اور تذکروں کے بحر ذخار سے علم وحکمت کے موتی نکال سکے۔ سچ پوچھیے تو پی۔ ایچ ڈی بننا آسان ہے، مناظر احسن بننا مشکل۔''

آج یہ بات خود مولانا فریدیؒ پر حرف بحرف صادق آتی ہے انھوں نے بلا مبالغہ سیکڑوں مقالے لکھے اور ان میں خداداد بصیرت علمی اور فنی کاوش کا پورا پورا ثبوت دیا، نصف صدی سے

---

(۱) فریدی نمبر

زیادہ عرصہ تک ان کا دریائے علم و تحقیق مجلّاتی مقالات اور
گرانقدر تصنیفات کی شکل میں خوب خوب روانی اور جولانی
دکھاتا رہا، ان کے خونِ جگر کی گل کاریوں سے چمن علم و تحقیق
میں تازہ بہاریں آگئیں۔"(۱)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (۲) سابق مدیر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ رقمطراز ہیں:

"مولانا کا جیسا وسیع ادبی اور تحقیقی مذاق تھا، وہ بڑی آسانی سے
ایسے موضوعات میں خامہ فرسائی کی طرف مائل ہوسکتا اور اپنا
سکہ منوا سکتا تھا، جن موضوعات کی چند سالہ خدمت گزاری آدمی
کو سکہ بند ادیب اور محقق کا درجہ دلا دیتی ہے۔ مولانا لائبریریوں
کی خاک چھانتے تھے نادر و نایاب مخطوطات تلاش کرتے اور
ان کی نقلیں لیتے تھے۔" (۳)

---

(۱) بحوالہ مقالاتِ فریدی جلد دوم

(۲) [مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی عالم اسلام کی معروف شخصیت اور ممتاز عالم دین مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی تعلیم کا آغاز مدرسہ مصباح العلوم بریلی سے ہوا۔ ماہنامہ "الفرقان" اس زمانہ میں بریلی سے نکلتا تھا۔ مدرسہ مصباح العلوم میں شرح جامی تک پڑھ کر بقیہ علوم کی تحصیل و تکمیل دارالعلوم دیوبند سے کر کے سند فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں خصوصاً شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہیؒ تھے۔ آپ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۴ء تک "الفرقان" کے ایڈیٹر رہے۔ آپ کے ادارتی مضامین "نگاہِ اولین" بڑے معرکتہ الآرا ہیں۔ آپ کے ادارتی مضامین کے دو مجموعے "راستہ کی تلاش" اور "مجھے ہے حکم اذاں" شائع ہوچکے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ بہترین مصنف بھی ہیں۔ تمام کتابیں پُر از معلومات ہیں۔ "انقلابِ ایران اور اس کی اسلامیت" "واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر" "طلاق ثلاثہ اور ابن قیم" اس کے علاوہ ماہنامہ الفرقان کے لیے مضامین لکھتے رہتے ہیں اور "محفل قرآن" کے عنوان سے تفسیر کا سلسلہ جاری ہے اور "محفل قرآن" کی ایک جلد شائع بھی ہوچکی ہے۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے لندن میں مقیم ہیں۔ محب الحق] (بحوالہ: زیارت حرمین-۳۳)

(۳) بحوالہ مقالاتِ فریدی جلد دوم

مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

''مخدومِ معظم حضرت اقدس مولانا مفتی نسیم احمد فریدی نور اللہ مرقدہ (المتوفی ۱۴۰۹ھ) بڑے محقق، صاحب نظر، سلیم الفکر اور زندہ دل عالم دین تھے۔ ان کی تحریروں میں تحقیق وصداقت کے ساتھ ساتھ سادگی آمیز ادب کی چاشنی ہوتی تھی، اور ان کے مضامین اہل علم کے حلقوں میں ذوق وشوق سے پڑھے جاتے تھے، اور سند کا درجہ حاصل کرتے تھے۔ انہیں قریبی دور کے اکابر اولیاء اللہ اور ان کے خانوادوں سے بے انتہا عشق تھا، جو گویا کہ جذب کی صورت اختیار کر چکا تھا، جب ان کی مجلس میں ان میں سے کسی کا ذکر چھڑ جاتا تو کیف کا عالم ہی کچھ اور ہوتا تھا۔ معلومات کی پرت کی پرت کھلتی چلی جاتیں اور حاضرین وسامعین حیرت سے دانتوں میں انگلیاں دبا لیتے۔''(۱)

مولانا عبدالحمید نعمانی سکریٹری شعبہ نشر واشاعت جمعیۃ علماء ہند ارقام کرتے ہیں:

''مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ ملک کے نامور صاحب نظر علمائے محققین میں سے تھے۔ تحقیق واحتیاط کے ساتھ حقیقت تک پہنچنے کی بے پناہ لگن سے ایسی چیزیں پیش کرتے تھے کہ وہ قابل توجہ بن جاتی تھیں۔ لکھنے، بولنے والوں کی کمی کبھی نہیں رہی ہے لیکن مولانا فریدیؒ کی طرح گنے چنے ہی افراد ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ، شاہ ولی اللہؒ، ان کے خاندان، اولادو

(۱) ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد

احفاد اور علمائے دیوبند کے سلسلے کے کاموں اور ان کو سامنے
لانے سے ان کو خاص دلچسپی تھی۔'' (۱)

مولانا سید ازہر شاہ قیصرؒ [۱۳۳۸ھ =۱۹۲۰ء-۱۴۰۶ھ =۱۹۸۵ء] نے جب حضرت نانوتویؒ کی شاعری پر آپ کا مقالہ ماہنامہ ''دارالعلوم'' میں شائع کیا تھا تو لکھا تھا:

''برادرم مولانا فریدی کے متعلق اگر میں یہ کہوں کہ ان کی زندگی متضاد صفات وخصوصیات کی حامل ہے تو اس میں کسی شاعرانہ یا خطیبانہ مبالغے کا دخل نہیں ہوگا۔ اپنی شکل وصورت اور ظاہری انداز و اطوار کے لحاظ سے وہ مجذوب صفت انسان ہیں جنھوں نے درس وتدریس، تبلیغی جماعت اور قومی کاموں کے لیے خود کو وقف کر دیا ہے؛ لیکن کچھ دیر ان سے گفتگو کیجیے تو معلوم ہوگا کہ دین ودیانت کے اس سبزہ زار میں جابجا شعروادب، علم وتحقیق اور فکر ونظر کے ایسے سدابہار پھول بھی کھلے ہوئے ہیں، جن کی رنگارنگی، تازگی اور دلکشی گل چیں کو بے ساختہ اپنی طرف کھینچتی ہے۔'' (۲)

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی استاذ دارالعلوم ندوہ لکھنؤ لکھتے ہیں:

''ان (مولانا فریدیؒ) کا طلب علم کا ذوق آخر تک جوان رہا انھوں نے تحقیق وتلاش کی کسی منزل پر قیام نہیں کیا؛ بلکہ عمر کے آخری لمحہ تک تلاش وجستجو کا سفر جاری رکھا اور علم کے دفینوں میں گھس کر آبدار موتی اہل علم کے سامنے پیش کرتے رہے......

---

(۱) ہفتہ روزہ ''الجمعیة'' نئی دہلی

(۲) ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند ۱۳۷۳ھ

مولانا کا ایک بڑا وصف ان کی علمی فنائیت تھی، علم و تحقیق ان کا ذوق و مزاج بن چکا تھا۔ علمی اشتغال رکھنے والے تصنیف و تحقیق کرنے والے بہت مل جائیں گے؛ لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم ان کا ذوق ہی نہیں؛ بلکہ ذائقہ بھی بن چکا ہو جنہیں علم کے بغیر ایک لحہ چین نہ آتا ہو، ایسے لوگ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں، اگر بیسویں صدی کے فنا فی العلم افراد کی مختصر ترین فہرست بنائی جائے، تو اس میں مولانا کا نام ضرور شامل ہوگا۔ آخر عمر میں بینائی سے بالکل معذور ہو چکے تھے؛ مگر ان کا علم اور تحقیقی سفر زندگی کے آخری لمحے تک تیز گامی کے ساتھ جاری تھا۔" (۱)

سید غیور حسن امروہوی لکھتے ہیں:

"مفتی صاحب کی شخصیت ایک دینی، علمی اور ادبی شخصیت ہے وہ شاعر بھی، ادیب بھی، عالم بھی، صوفی بھی، واعظ بھی، خطیب بھی، محدث بھی، فقیہ بھی، مؤرخ بھی، مفسر بھی ہیں۔ علم الانساب پر بھی عبور ہے اور علم لغت کے بھی ماہر ہیں۔ غرض گونا گوں خصائل اور متنوع خوبیوں کے مالک ہیں۔" (۲)

ڈاکٹر سید محمد طارق امروہوی ریٹائرڈ صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھتے ہیں:

"طالب علمی کے زمانہ سے انھیں درسی کتابوں کے ساتھ ساتھ تاریخ و تصوف، بزرگانِ دین کے حالات، واقعات و تصانیف

---

(۱) الفرقان فریدی نمبر

(۲) حلیے وخاکے

کی تحقیق و تلاش اور مطالعہ کا شوق تھا؛خصوصاً بزرگوں کے
مکاتیب اور قلمی تحریروں کا پتہ لگانے، اس کے لیے دور دراز کا
سفر کرنے، مشکلات اور دشواری برادشت کرنے، ان تک
رسائی، ان کا بنظر غائر مطالعہ، ان کی تلخیص یا نقل کر کے اہل علم
اور شوقینانِ فن سے ان کو متعارف کرانا یا چھپوانا ان کا خاص
شوق تھا۔ اس سلسلے میں انھیں جہاں پتہ چلتا وہ سفر کر کے وہاں
پہنچتے اور ہر طرح کے تعلقات استعمال کرتے، مطلوبہ دستاویز
تک رسائی حاصل کرتے اور انتھک جدوجہد اور محنت کے
ذریعہ انھیں اہل علم وفن سے روشناس کراتے۔ تحقیق وتجسس
کے اس شوق نے انھیں مخطوطات کے مطالعے کا ماہر، خصوصاً
دینی اور مذہبی بزرگوں کے علمی تبرکات کا رمز شناس بنا دیا تھا۔
بزرگانِ دیوبند سلسلۂ چشتیہ، خانوادۂ ولی اللہی اور خاندانِ
مجددی کے بزرگوں اور اہل قلم کے حالات وتحریروں کی تلاش
جستجو اور تعارف ان کا خاص میدان تھا۔ اس سلسلے میں مولانا سید
ابوالحسن علی ندویؒ نے کئی مرتبہ فرمایا کہ آپ کے کاموں خصوصاً
مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی کتاب ''آزاد کی کہانی خود ان کی
زبانی'' کے نقد پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملنی چاہیے۔''(۱)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی جنرل سکریٹری فقہ اکیڈمی اپنے تعارفی کلمات (بموقعہ
بائیسویں فقہی سیمینار، منعقدہ ۹، ۱۰، ۱۱ مارچ ۲۰۱۳ء بمقام جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد

(۱) پیش لفظ مقالاتِ فریدی جلد دوم

امروہہ) میں حضرت مولانا فریدیؒ کے متعلق ارقام کرتے ہیں:

''ماضی قریب میں ایک ایسی نابغۂ روزگار ہستی امروہہ میں پیدا ہوئی، جن کے تذکرہ کے بغیر ہندوستان کی علمی تاریخ نامکمل رہے گی، میری مراد حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ سے ہے، جن کے بارے میں مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کا بیان ہے کہ علم سے ان کو وہی تعلق تھا، جو مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے۔ تاریخ اور تصوف کے موضوع پر ان کی تالیفات پر ہر حلقے نے آفریں کہا۔'' (۱)

مولانا حبیب الرحمٰن ایڈیٹر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند تحریر کرتے ہیں:

''مولانا فریدیؒ کو قدرت نے گوناگوں صلاحیتوں اور خوبیوں سے نوازا تھا، وہ بیک وقت کامیاب مدرس، بالغ نظر مفتی، نکتہ سنج شاعر، بہترین مترجم، محقق، مصنف اور صاحب نسبت عالم دین تھے۔'' (۲)

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی رقمطراز ہیں:

''مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی (ولادت ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء، وفات ۵/ربیع الاول ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۸/اکتوبر ۱۹۸۸ء سہ شنبہ) ہند-پاکستان کے دینی، علمی، تصنیفی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ مولانا بلند مرتبہ مصنف، محقق اور مترجم تھے۔ حضرات سلسلہ نقشبندیہ، مجددیہ، حضرت شاہ ولی اللہ علمائے خاندانِ ولی اللّٰہی اور اس کے متاخر اکابر و علماء تک کے

---

(۱) تعارفی کلمات از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔

(۲) ماہنامہ دارالعلوم دیوبند۔

احوال وسوانح اوران کے دینی،علمی باقیات،مولانا کی دلچسپی کا خاص موضوع تھے،مولانا فریدی نے ان موضوعات کے متعدد نادرآثار دریافت کیے،ان کواردو ترجمہ اور مفید تعلیقات وحواشی کے ساتھ شائع کیا،ایسی ہی مفید دریافتوں میں سے ایک اہم دریافت،حضرت شاہ ولی اللہ کے شاگرد مولانا رفیع الدین فاروقی مرادآبادی کاسفر نامہ حج بھی ہے۔''(۱)

حکیم صیانت اللہ امروہوی لکھتے ہیں:

''ذاتی معاملات،نزاعات ومقدمات کے سلسلے میں وقت ضائع کرنے والوں کی بھی کمی نہیں،تعویذ،گنڈے،جھاڑ پھونک کے متمنی بھی موجود ہیں۔خانۂ خداہے دق الباب (دروازہ کھٹکھٹانے اور اجازت لینے) کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ حرکاتِ بے جا حضرت کے لیے وجہ تکدر بھی ہیں،مگر بلطائف الحیل انہیں بھی راستہ بتایا جائے گا۔ یہ مصروفیات پیہم کن حالات میں ہیں کہ اب خود اپنی تصنیفات وتالیفات کی تسوید جاری ہے۔بعض اہم مخطوطات کے تراجم ہورہے ہیں،خطوط و جوابات بھی تحریر کرائے جارہے ہیں،بعض اخبارات ورسائل کے مختصرات کی سماعت بھی ہورہی ہے،کسی کسی وقت مشہور کتب کا بالواسطہ مطالعہ جاری ہے،اگرنظر کہیں ''فیہ نظر'' کے لیے ٹھہری ہے تو پورا پورا حق تحقیق ادا کیا جائے گا۔''(۲)

(۱) زیارت حرمین (مولانا فریدیؒ کاسفرنامہ حج)

(۲) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر

مولانا محمد منظور نعمانیؒ ''تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ'' کے تعارف میں ارقام فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ نے ان (مولانا فریدی) کو علم وفضل اور درویشانہ صفات کے ساتھ تاریخی تلاش وتحقیق کا خاص ذوق وشغف اور پھر اس تحقیق ومطالعہ کے نتائج کو تحریری شکل میں محفوظ کرنے کا خاص سلیقہ اور ملکہ بھی عطا فرمایا ہے۔ ان کی سادہ تحریر میں خاص قسم کی تاثیر اور دلکشی بھی ہوتی ہے۔'' (۱)

ماہنامہ الفرقان اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے تعلق

ماہنامہ الفرقان جب آتا تو خوش ہوجاتے، فہرست مضامین سننے کے بعد فرماتے کہ مولانا نعمانی دامت برکاتہم کا درس قرآن اور معارف الحدیث یا مولانا نعمانی کی کوئی نئی تصنیف آئی ہو تو سناؤ پھر سن کر فرماتے کیا عمدہ تفسیر اور حدیث کی تشریح کی ہے، پھر مولانا نعمانی کو دعائیں دیتے، کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی عمر میں برکت دے۔

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی لکھتے ہیں:

> ''۱۹۷۳ء میں ایسے حالات آئے تھے کہ الفرقان کا جاری رکھنا بہت مشکل نظر آنے لگا تھا اور سنجیدگی سے یہ بات زیر غور تھی کہ مجبوراً الفرقان بند کردیا جائے؛ لیکن آخری فیصلہ سے پہلے (ستمبر ۱۹۷۳ء کے شمارہ میں) اس سلسلہ میں الفرقان کے قارئین اور قدردانوں سے ان کی رائے طلب کی گئی تھی، اس کے جواب میں مولانا فریدیؒ نے والد ماجد کے نام اپنے خط میں جو لکھا تھا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ الفرقان کو کس نگاہ سے دیکھتے

---

(۱) تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ مع صاحبزادگان وخلفاء مرتبہ مولانا فریدیؒ

تھے اور انہیں اس رسالہ سے کیسا گہرا مخلصانہ تعلق تھا۔ مولانا نے لکھا تھا:

''الفرقان کے متعلق آپ کا نوٹ پڑھوا کر سن لیا تھا، جس کا قلب پر بیحد اثر ہوا، الفرقان آپ کی زندگی میں بند نہیں ہونا چاہیے بلکہ آپ وصیت فرمائیں کہ آپ کے بعد بھی یہ پرچہ نکلتا رہے۔ اس کے ذریعہ منجملہ اور اہم کاموں کے یہ اہم کام بھی ہوگیا کہ آپ کے مطالعہ کا اور تعلیقات و ترقیمات کا ایک بڑا ذخیرہ مرتب ہوگیا، جس میں مناظرے بھی ہیں، تصوف وسلوک بھی ہے، قرآن پاک کی تشریح وترجمانی بھی ہے اور احادیث کے دفتر بھی ہیں۔ یہ رسالہ نہ ہوتا تو شاید آپ اپنے طور پر ایک جگہ بیٹھ کے یہ کام انجام نہ دے سکتے۔ خود میرے تراجم و تلخیصات بھی الفرقان کے ذریعہ سے لکھے گئے ورنہ میں انتہائی درجہ کا لااُبالی انسان ہوں۔ آپ کی دعاؤں اور توجہات نیز مولوی عتیق الرحمٰن سلّمہٗ کی تحریر وتاکید نے مجھے کچھ نہ کچھ لکھنے پر مجبور کیا اور اس طرح یہ کام ہوگیا۔

الفرقان جیسے پرچے روز روز نہیں نکلا کرتے، بند کرنے کا نام نہ لیجیے''۔(۱)

یہ تو الفرقان کے ساتھ مولانا فریدیؒ کے تعلق کی بات ہوئی، جہاں تک صاحب الفرقان حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ مولانا کے تعلق کا معاملہ ہے تو

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۷۳ء

وہ بھی اپنی نظیر آپ ہے۔ مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی کی زبانی سنیے۔

مولانا لکھتے ہیں:

''ان کے بارے میں یہ کم سواد صرف اتنا ہی عرض کر سکتا ہے کہ ہمیں اپنے کو اس لحاظ سے بھی بہت خوش نصیب سمجھنا چاہئے کہ ان دونوں بزرگوں کے مابین بے مثال تعلق کی برکت سے ہماری آنکھوں نے علم و دین کے دو ہمعصر خادموں کے باہمی قدر و احترام اور ایک دوسرے کے ساتھ تواضع و اعتراف والے معاملہ کا نہایت بلند نمونہ دیکھ لیا ہے، جسے اگر موجودہ ماحول اور پھیلی ہوئی نفسانیت کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس کی قدر و قیمت اور بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔

ان دونوں بزرگوں (والد ماجد اور مولانا فریدیؒ) کے درمیان جس قسم کا للّٰہی تعلق تھا اس کو سمجھنے کے لیے ان دونوں کے حالات کو غور و فکر سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔''(۱)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی کتابیں:

جب بھی مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب آتی تو بہت خوش ہوتے۔ مولانا کی کتابوں کو بڑے ذوق وشوق سے سنتے اور طرزِ نگارش پر داد دیتے اور فرماتے کہ سبحان اللہ کیا عمدہ کتاب لکھی ہے۔ آنے جانے والے اہل علم حضرات کو بھی حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی تصنیفات کی طرف توجہ دلاتے تھے۔

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر

ساتویں فصل

اکابر علمائے دیوبند

ہم خدام دیکھتے تھے کہ ہمارے حضرت مولانا فریدیؒ کو اپنے اکابر و مشائخ کی کتابوں اوران کے مکتوبات وملفوظات اوران کی سیرت وسوانح سے کتنا شغف رہتا تھااور وہ ان چیزوں کو کتنی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ہمہ وقت ان کی اشاعت کی کتنی فکر انہیں رہتی تھی؛ چنانچہ کبھی حضرت نانوتویؒ کی کسی غیر مطبوعہ تحریر کی اشاعت کا بیڑہ اُٹھایا تو ''فرائد قاسمیہ'' نامی حضرت نانوتویؒ کے غیر مطبوعہ مضامین (۱) کا مجموعہ جو ۱۹۸۰ء تک طبع نہیں ہوا تھا، پھلاودے سے لاکراس کو طبع کرایا اوراس پر ۱۶؍صفحے کا مقدمہ لکھا۔ ایک ایک لفظ کی تحقیق کے بعد یہ کتاب طبع ہوئی، دوجگہ شبہ تھا، دہلی جاکراس کو احقر سے قلمزد کرایا، جب وہ قلمزد ہوگیا تب اطمینان ہوا۔

حضرت مولانا فریدیؒ ''فرائد قاسمیہ'' کے مقدمہ میں محسنین کے عنوان میں ارقام فرماتے ہیں:

> ''میاں مولوی محب الحق سلمہٗ نے بھی اس کتاب کے حصول کے سلسلہ میں میرے ہمراہ میرٹھ اور پھر پھلاودہ پہنچ کر اس کتاب کو اور اسکے ساتھ ''تنویر النبراس'' اور مکتوبات حضرت محدث امروہیؒ کو حفاظت کے ساتھ امروہہ لانے، ان کے مضامین سے آگاہ کرنے میں اور پھر اس کتاب کی ترتیب میں میری بڑی مدد کی۔''

(۱) ان مضامین کو مولانا حافظ حاجی سید محمد عبدالغنی پھلاودیؒ نے مرتب فرمایا اور ''فرائد قاسمیہ'' نام رکھا تھا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے غیر مطبوعہ مضامین کا یہ مجموعہ انھوں نے ۱۹۸۰ء میں ادارۂ ادبیات دہلی سے شائع کیا۔ عجیب اتفاق تھا کہ یہ مجموعہ حضرت نانوتویؒ کے وصال کے ٹھیک سو سال بعد شائقین کے ہاتھوں میں پہنچا۔ مولانا فریدیؒ نے اس پر مختصر مگر جامع مقدمہ لکھا اور مکتوب الیہم کے مختصر حالات بھی درج کئے''۔(۱)

اسی طرح حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی غیر مطبوعہ تحریروں کو طبع کرانے کی بھی فکر رہتی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نادر مکتوبات:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نادر مکتوبات کے طبع ہونے کی بہت فکر رہی۔ اس سلسلہ میں بڑی جدوجہد کی مکتوبات کے ایک ایک لفظ کی تحقیق فرمائی، جہاں ذرا شبہ ہوتا فرماتے ''مصباح اللغات'' اور ''غیاث اللغات'' میں دیکھو۔ اس لفظ کی تصحیح کی جاتی؛ بالآخر تین سو تیرہ مکتوبات عربی فارسی دو جلدوں میں مرتب کئے اور دونوں ہی جلدوں کے اردو ترجمے کئے۔ اس طرح عربی فارسی اور اردو کی چار جلدیں ہوگئیں۔

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''غالباً ۱۹۴۷ء کا قصہ ہے، چاند پور کے ایک بنیے نے ہماری جائداد کا کچھ حصہ خرید لیا تھا یا کچھ اور بات تھی۔ مولانا فریدیؒ اس سے ملنے کے لیے چاند پور گئے، اس وقت مولانا مرتضٰی حسن

---

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر

چاند پوریؒ (۱) بقید حیات تھے، ان سے ملے اور ان کا کتب خانہ دیکھا، اس میں ایک قلمی کتاب ملی، جس کے دو حصے تھے۔ پہلے حصہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے وہ خطوط تھے، جو شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کے فرزند شاہ عبدالرحمٰن پھلتیؒ نے جمع کئے تھے اور دوسرے حصے میں وہ مکتوبات تھے جو اپنے بیٹے کے وفات پانے کے بعد خود شاہ محمد عاشقؒ نے فراہم کئے تھے۔ یہ ایک نایاب مجموعہ تھا، جس کا کوئی دوسرا نسخہ تا حال معلوم نہیں۔ مولانا فریدیؒ نے اس وقت تو اس کا مطالعہ کیا اور کچھ نوٹ سرسری طور پر لیے پھر مولانا چاند پوری کے انتقال کے بعد ان کے لائق فرزند نے یہ نسخہ مولانا فریدیؒ کو گھر لے جا کر نقل کرنے کے لیے دے دیا۔ یہ ذرا بدخط اور مغشوش بھی تھا۔ اسے پڑھنے اور صحیح نقل کرنے کے لیے بہت محنت کی ضرورت تھی۔ مولانا فریدیؒ مدرسہ سے آ کر ظہر کی نماز کے بعد اپنے گھر میں بند ہو کر زمین پر

(۱) مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ چاند پور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ جملہ علوم کی تکمیل مرکز علوم دارالعلوم دیوبند میں کر کے ۱۳۰۴ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صدیقی نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ بہت ہی ذکی، ذہین اور زیرک تھے۔ آپ کے وعظ و تقریر کی بڑی شہرت تھی۔ مناظرہ میں مہارت تھی۔ مطالعۂ کتب کے علاوہ نادر کتابیں اور مخطوطات جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ آپ نے ایک بڑا کتب خانہ چھوڑا جس میں تقریباً آٹھ ہزار مخطوطات اور مطبوعات تھیں، اس کو آپ کے صاحبزادے نے دارالعلوم دیوبند منتقل کر دیا ہے۔ آپ عرصۂ دراز تک مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اور مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز رہے۔ اکابر دارالعلوم نے آپ کو دارالعلوم کا ناظم تعلیمات بنایا۔ اسفار کی کثرت کی وجہ سے شعبہ تبلیغ کی ذمہ داری بھی سپرد ہوئی۔ تبلیغ کے ساتھ درس کا بھی سلسلہ رہا۔ مولانا رفیع الدین عثمانیؒ سے بیعت ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے رجوع کیا۔ حضرت تھانویؒ نے اجازت بیعت مرحمت کی۔ ربیع الاخر ۱۳۷۱ھ موافق دسمبر ۱۹۵۱ء میں چاند پور میں وصال ہوا۔

بیٹھتے تھے اور اسے نقل کیا کرتے تھے۔ سخت گرمی کا موسم تھا اور گھر میں بجلی پنکھا کچھ نہ تھا۔ ہوا بھی وہاں گذر نہ کرتی تھی؛ مگر یہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اس کے ایک ایک لفظ کو صحت کے ساتھ لکھنے میں محو رہتے تھے اور اتنا پسینہ آتا تھا کہ کبھی وہ جگہ بھی تر ہو جاتی تھی، جہاں بیٹھے ہوتے تھے، اس طرح انھوں نے یہ مسودہ پورا نقل کیا، اس میں سے جو خطوط سیاسی موضوعات پر تھے، وہ مع اردو ترجمہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کو دے دیئے انھوں نے اپنے مقدمہ و حواشی کے ساتھ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات کے نام سے چھپوا دیئے، باقی مکتوبات چار سو سے زائد وہ ہیں، جو علمی و دینی موضوعات پر ہیں۔ بصارت سے معذور ہونے کے باوجود مولانا فریدیؒ نے پڑھوا کر ایک ایک لفظ سنا، بار بار غور کر کے متن کی پوری تصحیح کی پھر ان کا نہایت سلیس اور شگفتہ ترجمہ املا کرایا۔ مکتوب الیہم کے حالات جمع کر کے لکھوائے اور مکتوبات میں جو ایسے مواقع آئے، جن کی تشریح کی ضرورت تھی ان پر حواشی لکھوائے۔ یہ سب چار جلدوں کا مواد ہو گیا۔'' (۱)

مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے متعلق مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی استاذ دار العلوم ندوہ لکھنؤ کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''مکرمی سلام مسنون! آپ کا گرامی نامہ صادر ہو کر باعث مسرت ہوا۔ آپ کے ذہن میں نہ معلوم یہ بات کس طرح آئی کہ میں نے نادر مکتوبات شاہ ولی اللہؒ کا مجموعہ چھپوا دیا ہے۔ اور وہ ادارۂ

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر

ہمدرد نے چھاپا ہے، واقعہ یہ ہے کہ نسخۂ چاند پور کے چند خطوط
کے علاوہ جو سیاسی مکتوبات کے نام سے خلیق احمد سلّمہٗ نے شائع
کر دیئے ہیں، بقیہ تمام خطوط کا ترجمہ میں نے ادارۂ ہمدرد کے
ایما پر کیا۔ اس میں لگ بھگ دو سو خطوط ہیں۔ اسی مجموعے میں
سے نقل کر کے میں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا وہ
مکتوبِ گرامی جو مولانا محمد واضح حسنیؒ کے نام تھا، مولانا محمد ثانی
حسنی مرحوم کو بھیجا تھا۔ پھر مولانا علی میاں کے امروہہ تشریف
لانے پر جبکہ وہ بسلسلۂ پیغام انسانیت دورہ فرما رہے تھے اور
امروہہ بھی تشریف لائے تھے اس مکتوبِ گرامی کا ایک اقتباس
نقل کرا کے پیش کیا تھا، مولانا علی میاں نے اس کی فرمائش بھی
کی تھی۔ اسی مجموعے میں سے ایک مکتوب کا حوالہ دے کر میں
نے مولانا محمد ثانی سے کچھ دریافت کیا تھا۔ اس کا جواب دیتے
ہوئے انھوں نے لکھا کہ اس مکتوبِ گرامی سے ایک بڑی تاریخی
غلطی کی تصحیح ہوگئی اور یہ بھی لکھا تھا کہ ''نزہۃ الخواطر'' میں شائع
نہیں ہوسکا تھا۔ شاہ صاحبؒ ہی کے مکتوبِ گرامی کی برکت سے
اس بات کا بھی پتہ چلا کہ ایک بزرگ کا تذکرہ شائع ہونے سے
رہ گیا ہے۔ مولانا علی میاں نے اس کو نوٹ کر لیا ہوگا تاکہ اگلے
ایڈیشن میں وہ تذکرہ بھی شائع ہو جائے۔

میری معذوری کی وجہ سے اس نادر مجموعۂ مکتوبات کی اشاعت
میں برابر تاخیر ہو رہی ہے۔ اس میں چند شخصیات کے تراجم اور
ایک مقدمہ درج کرنا ہے۔ یہ کام ایک ماہ میں ہوسکتا ہے۔ اس

مجموعہ کے علاوہ دوسرا مجموعہ شاہ ولی اللہؒ کے نادر مکتوبات کا وہ ہے
جس کو ادارۂ ہمدرد نے عکس کرا کے میرے پاس بھیجا، اس میں
بھی تقریباً سو مکتوبات ہیں اور کُل کے کُل نادر ہیں۔ اس مجموعے
کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے، تراجم اور مقدمے کا کام باقی ہے۔ پہلے
اول الذکر مجموعہ شائع ہو جائے پھر اس کے بعد دوسرا مجموعہ شائع
ہو جائے گا۔ مجھے اس سلسلے میں مولانا علی میاں زید مجدہم کے
اثرات سے کام لینا ہے، وہ دعا بھی فرمائیں اور حکیم عبدالحمید کو
لکھیں کہ نسخۂ چاند پوری جس کو تغلق آباد بھیج دیا گیا ہے، جلد شائع
کرائیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ جو تھوڑا کام اس میں باقی ہے وہ پھر
جلد ہو جائے گا۔ حکیم صاحب اس کے چھپوانے کی طرف متوجہ
ہو جائیں، حکیم صاحب جواب یقینی یہ دیں گے کہ امروہہ والے
کی طرف سے تاخیر ہو رہی ہے۔ ایک حد تک یہ بات بھی ان کی
صحیح ہوگی، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کے سامنے اس
کام کی اہمیت پیش نہیں کی گئی۔ یہ دونوں مجموعے شائع ہو جائیں
تو ان مکتوبات کے آئینہ میں شاہ صاحبؒ کی ایک مستقل سوانح
عمری مرتب ہو سکتی ہے۔ خدا کرے مولانا علی میاں کی کتاب
مرتب ہونے سے پہلے یہ دونوں مجموعے شائع ہو جائیں، حکیم
صاحب اگر اہتمام کریں گے تو بظاہر کچھ مشکل نہیں کہ پانچ چھ ماہ
میں یہ شائع ہو جائیں۔''

مولانا فریدیؒ اپنے دوسرے مفصل مکتوب میں مولانا عتیق احمد صاحب بستوی کو مکتوبات شاہ ولی اللہؒ کے بارے میں اضطراب کے ساتھ تحریر کرتے ہیں:

''.....مولانا علی میاں زید مجدہم نے حکیم عبدالحمید صاحب کو شاید

مکتوب گرامی بھیجا ہوگا، ان کی طرف سے جو جواب آیا ہو، اس سے مطلع کریں۔ مولانا کی توجہ سے اگر مکتوباتِ شاہ ولی اللہؒ کے یہ دو نادر مجموعے ندوہ پریس میں چھپ جائیں تو بہت اچھا ہو۔ ان دونوں مجموعوں میں سے ایک تغلق آباد مع ترجمہ بھیج دیا گیا ہے، یہ نسخۂ چاندپور ہے، جس کے صرف چند خطوط سیاسی مکتوبات میں چھپے ہیں، اصل مکتوبات کا نسخہ چاندپور سے دارالعلوم دیوبند پہنچ گیا ہے اور بوسیدہ حالت میں ہے۔ میں نے بڑی جانفشانی سے اس وقت جب میری بصارت کام کر رہی تھی، اس کو نقل کیا اور حکیم عبدالحمید صاحب کی ایما و امداد سے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا۔

دوسرا نادر نسخہ عثمانیہ لائبریری حیدرآباد سے حکیم صاحب نے عکس کرا کے حاصل کیا اور مجھے بھیجا۔ اس میں بھی خوب غور و فکر کے ساتھ تصحیح کر کے بہت وقت صرف کیا گیا ہے اور حکیم صاحب نے اس کا ترجمہ کرانے میں بھی مالی مدد کی۔ یہ نسخہ مع ترجمہ ابھی امروہہ سے نہیں گیا ہے۔ مولانا دونوں نسخوں کو ندوہ کے پریس میں چھپوا دیں اور حکیم صاحب کو اس پر راضی کر لیں تو بہت اچھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا علی میاں کی بات حکیم صاحب مان لیں گے۔ تغلق آباد میں ان مکاتیب اور ان کے ترجموں کا اہتمام کے ساتھ چھپنا معلوم نہیں کب تک ہو سکے۔ میں لکھنؤ حاضر ہونا چاہتا ہوں اور اس حاضری کی غرض مولانا نعمانی اور مولانا علی میاں کی ملاقات کے علاوہ ان دونوں نادر نسخوں کی طباعت کے مسئلے پر بھی توجہ دلانا ہے۔ مکتوب الیہم کے تراجم کا کام ابھی باقی

ہے جو پندرہ بیس دن میں یا زیادہ سے زیادہ ایک ماہ میں ہوسکتا ہے۔ مقدمہ بھی دونوں نسخوں کا علی میاں لکھیں تو روحِ شاہ ولی اللہؒ بہت خوش ہوگی۔ مولانا تاریخ دعوت وعزیمت کی طباعت سے پہلے ان دونوں نادر نسخوں کو ضرور ملاحظہ فرمالیں اور ندوہ میں ان دونوں نسخوں کو چھپوائیں۔ میں ان کا پہلے ہی سے ممنون ہوں یہ کام ہوگیا تو بہت ہی زیادہ ممنون ہوں گا۔''(۱)

مکتوبات سید العلماء:

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کے مکتوبات جو مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ کے نام ہیں، ان کو طبع کرانے کی فکر رہی۔ یہ مکتوبات ایک سو اکیاون (۱۵۱) ہیں جو کہ فارسی اور اردو میں ہیں۔ احقر راقم سے ان کو متعدد مرتبہ سنا، اس کے بعد کتابت ہوئی اور مرض الموت میں جب کہ آواز بالکل نحیف ہوچکی تھی، احقر سے ان کا مقدمہ املا کرایا جو صرف بارہ تیرہ صفحے کا ہوسکا، ایک ایک لفظ کی تحقیق کرکے املا کرایا۔

مکتوبات سید العلماء کے متعلق مولانا عتیق احمد بستوی کو مولانا فریدیؒ اپنے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

''مکرمی و محترمی سلام مسنون۔ ان دنوں مکتوبات سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کی کتابت ہورہی ہے، اس کی وجہ سے مشغولیت ہے۔ ۱۴ر صفر ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۶ر جولائی ۱۸۹۷ء کے ایک مکتوب میں حضرت امروہیؒ نے تحریر فرمایا ہے: ''بنسبت فتوحات سلطانی خلداللہ ملکہ تار مبارکباد براہ راست من نحیف فرستادہ'' معلوم یہ کرنا ہے کہ ۱۸۹۷ء میں ترکی

(۱) فیضانِ نسیم (تحریر کردہ ۶ر نومبر ۱۹۸۳ء)

کو جو فتح ہوئی، اس کی مختصر روداد کیا ہے۔ آپ کی معلومات اس سلسلے میں زیادہ ہیں۔ اس لیے آپ کو تکلیف دی گئی۔ تاریخ اور جنتری سے مدد لے کر آٹھ دس سطریں اس سلسلے میں تحریر فرمادیں۔ اس سے زائد درکار نہیں۔ اس زمانے کے خلیفۃ المسلمین کا نام بھی تحریر کریں۔"(۱)

حضرت مولانا فریدیؒ ظاہری بصارت سے معذور ہو چکے ہیں؛ لیکن باطنی بصیرت کھلی ہوئی ہے۔ ان دونوں مکتوبات کو بصیرت کی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے بے قرار ہیں۔ فرماتے رہتے تھے کہ میری زندگی میں مکتوبات کے یہ دونوں مجموعے طبع ہو جاتے تو اچھا تھا۔ پھر فرماتے کہ انسان کی ہر تمنا پوری نہیں ہوتی، اسی حسرت کے ساتھ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ان دونوں مکتوبات پر اپنا جامع مقدمہ ارقام کیا۔ مولانا فریدیؒ کے وصال کے بعد دونوں مجموعے شائع ہوئے۔

مکتوباتِ اکابر دیوبند:

مکتوبات اکابر دیوبند (۲) جس میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ [۱۲۳۳ھ = ۱۸۱۷ء-۱۳۱۷ھ=۱۸۹۹ء] حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدنیؒ [شعبان ۱۲۳۴ھ = جون/ ۱۸۱۹ء-۷/ محرم ۱۲۹۶ھ]، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ [۱۲۴۸ھ = ۱۸۳۳ء-۱۲۹۷ھ = ۱۸۸۰ء]، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ [۱۲۴۴ھ =۱۸۲۹ء- ۱۳۲۳ھ = ۱۹۰۵ء]، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ [۱۳/ صفر ۱۲۴۹ھ = ۲/ جولائی ۱۸۳۳ء- یکم ربیع الاول ۱۳۰۲ھ = ۲۲/ دسمبر ۱۸۸۴ء]، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین عثمانی دیوبندیؒ [۱۲۵۲ھ=۱۸۳۶ء-۱۲/ جمادی الاخری ۱۳۰۸ھ = ۲۳/ جنوری ۱۸۹۱ء]، شیخ الہند حضرت

(۱) فیضانِ نسیم (تحریر کردہ ۸/ دسمبر ۱۹۸۷ء)

(۲) یہ مکتوبات دفتری نور الحق عثمانی دیوبندی مرحوم نواسہ قطب عالم حضرت مولانا شاہ رفیع الدین عثمانی دیوبندیؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند سے ملے۔

مولانا محمود حسن دیوبندیؒ [۱۲۶۸ھ=۱۸۵۱ء-۱۳۳۹ھ=۱۹۲۰ء]، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ [۱۲۷۵ھ =۱۸۵۸ء-۱۳۴۷ھ =۱۹۲۸ء]، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ [۱۲۸۰ھ= ۱۸۶۳ء-۱۳۶۲ھ= ۱۹۴۳ء] اور دیگر چند حضرات کے مکتوبات بھی ہیں جو ''اجلاس صد سالہ'' سے پہلے طبع نہیں ہوئے تھے۔

انہیں اس کی شدید فکر تھی کہ اجلاس سے پہلے یہ طبع ہوجائیں۔ اللہ کا کرنا کہ جب اجلاس صد سالہ میں تشریف لے گئے، تو احقر راقم ایک دن کتابوں کی دوکانوں کی سیر کررہا تھا، اچانک ''مکتوباتِ اکابر دیوبند'' مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی پر نظر پڑ گئی۔ فوراً ایک نسخہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی، پرانے مدنی مہمان خانہ میں لیٹے ہوئے تھے، فرطِ مسرت سے اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ کتاب آنکھوں سے لگائی اور فرمانے لگے: میاں تم نے سفر کی قیمت وصول کردی، پھر فرمایا چند نسخے اور لے آؤ۔ اس کتاب پر حضرت مولانا فریدیؒ نے تیرہ صفحے کا مقدمہ لکھا ہے، جس میں آپؒ نے ان مکاتیب کی اہمیت اور قدر و قیمت پر روشنی ڈالی ہے۔ دفتری نور الحق کے یہاں اکابر و مشائخ کے دوسرے جو تبرکات ہیں ان کا تعارف بھی کرایا ہے۔ مولانا فریدیؒ کے مقدمہ سے ان مکاتیب کی علمی اور تاریخی اہمیت اُجاگر ہوگئی ہے۔ چند مکتوبات فارسی زبان میں ہیں، ان کا اردو ترجمہ بھی شامل کتاب ہے اور شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ نے اس کا مقدمہ لکھا ہے۔

حضرت مولانا فریدیؒ ان تبرکات کا اپنے مقدمہ میں یوں ذکر کرتے ہیں کہ:

> ''ان تبرکات میں مکتوباتِ اکابر کا ذخیرہ بہت ہی قیمتی اور بڑا ہی مقدس ہے۔ مکرمی سید محمد شفیع صاحب حسن پوری کا میں ممنون ہوں کہ انھوں نے اس تاریخی ذخیرے کی طرف میری رہنمائی فرمائی۔'' (۱)

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ اپنے مقدمہ میں ارقام فرماتے ہیں:

> ''مجھ کو یقین ہے کہ اہل علم کے لیے یہ ذخیرہ بیش بہا ذخیرہ

(۱) مکتوباتِ اکابر دیوبند

ہوگا اور وہ مستفیض ہوکر دفتری صاحب اور فریدی صاحب کے
حق میں دعائیں کریں گے۔"(۱)

مولانا زین العابدین اعظمیؒ [۱۳۵۱ھ-۱۶/ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ = ۲۸/ اپریل ۲۰۱۳ء] مقالاتِ فریدی جلد اوّل کی تقریظ میں رقمطراز ہیں:

"حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کا ذکر خیر اور ان کی تحقیقات کا تذکرہ اپنے بزرگوں سے طالب علمی ہی کے زمانے سے سنتا چلا آرہا تھا اور "مکتوبات اکابر دیوبند" کا مسودہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے زمانے میں جناب دفتری نورالحق صاحب عثمانی مرحوم کے واسطے سے پڑھ چکا تھا اور ان کے ایک خاص معتقد جناب حکیم محمد اسحاق صاحب حیدرآبادی کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ یہ مکتوبات مسودہ کی شکل میں جناب مفتی نسیم احمد صاحب فریدی کے مبارک قلم کے لکھے ہوئے ہیں اور پھر دفتری صاحب کے حکم سے میں نے اور حکیم صاحب نے مل کر اس مسودہ کا مقابلہ اکابر کے اصل مکتوبات سے کیا، جو خاص انھیں کے قلم کے مکتوبات تھے، جن کی تصحیح ہم دونوں نے کی یہ ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے۔"(۲)

ان مکتوبات گرامی میں سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ایک مکتوب جو ایک معرکۃ الآراء مسئلہ سے متعلق ہے اور ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا گیا ہے، درج کیا جاتا ہے:

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ذاتِ باری عز اسمہ موصوف بہ صفت کذب ہے یا نہیں؟ اور خدا تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص خدا تعالیٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے، وہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) مکتوباتِ اکابر دیوبند (۲) مقالاتِ فریدی جلد اوّل

الجواب: ذاتِ پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک اور منزہ ہے، اس سے کہ متصف بہ صفت کذب کی جاوے، معاذ اللہ! اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ بھی کذب کا نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: ''وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا'' (فرمایا اللہ تعالیٰ نے: بات میں کوئی اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا نہیں۔) جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے، وہ قطعاً کافر ملعون ہے اور قرآن وحدیث اور اجماع امت کا مخالف ہے، ہرگز مومن نہیں۔ ''تعالیٰ اللہ عما یقول الظلمون علواً کبیرا'' (اللہ تعالیٰ ظالموں کی بات سے بہت ہی اونچا ہے۔) البتہ یہ عقیدہ سب اہل ایمان کا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مثلاً فرعون، ہامان اور ابی لہب کو قرآن مجید میں جہنمی ہونے کا ارشاد فرمایا ہے، وہ حکم قطعی ہے، اس کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرے گا۔ مگر بایں ہمہ وہ تعالیٰ قادر(۱) ہے اس بات پر کہ ان کو جنت دے دے، اُس حکم مذکور کی وجہ سے عاجز نہیں ہوگیا، اگرچہ کبھی ایسا نہ کرے گا۔ قال اللہ تعالیٰ: ''وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ'' (فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اگر چاہتے ہم تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے لیکن یہ بات پکّی ہوچکی کہ جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھریں گے) اس بات سے واضح ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو سب کو مومن بنا دیتا؛ مگر جو فرما چکا ہے، اس کے خلاف نہ کرے گا اور یہ سب یعنی کسی کو کافر بنا دینا، کسی کو مومن بنا دینا، اپنے اختیار سے ہے، اضطرار سے نہیں۔ وہ فاعل مختار ''فعال لما یرید'' ہے۔

---

(۱) امام المفسرین رئیس المتکلمین فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں تحت تفسیر (ان تعذبھم فانھم عبادک ... الآیۃ) فرماتے ہیں: ''یجوز علی مذھبنا من اللہ تعالیٰ ان یدخل الکفار الجنۃ وان یدخل الزھاد والعباد النار؛ لان الملک ملکہ ولا اعتراض لاحد علیہ'': یعنی اہل سنت کے مذہب کے موافق جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کفار کو جنت میں داخل کردے اور تمام زاہدوں اور عابدوں کو جہنم میں داخل کردے؛ کیونکہ تمام جہان اس کا مملوک ہے، وہ سب کا مالک ہے۔ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہوسکتا۔ قال اللہ تعالیٰ: ''لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون'': اس سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا اور سب سے باز پرس کی جاوے گی۔

یہی عقیدہ تمام علمائے امت کا ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ مہر

رشید احمد ۱۳۰۱ھ

بصارت سے محرومی

حالانکہ حضرت مولانا فریدیؒ کو بصارت سے محرومی کا شدید احساس واضطراب رہا، مگر کبھی بھی زبان پر حرف شکایت نہیں آیا۔ نہایت صبر وشکر کے ساتھ اس کو برداشت کیا۔ ع

ہر چہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

شاید آپ کے پیش نظر قاسم العلوم والمعارف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا وہ جملہ رہا ہو، جو انھوں نے مولانا محمد صدیق قاسمی مرادآبادیؒ کی بینائی جاتے رہنے پر فرمایا تھا جس کو آپ نے اپنے ایک مضمون ''خمخانۂ قاسمی کا ایک جرعہ نوش'' میں نقل کیا ہے: دو آنکھوں کے عوض جنت بہت سستی ہے یا یہ فرمایا کہ دو آنکھوں کے عوض جنت بہت ارزاں ہے۔ لیکن کبھی کبھی غلبۂ بشریت کی بنا پر نہایت بے قراری کے ساتھ رنج والم کا اظہار کرتے اور وہ بھی تصنیف وتالیف میں تاخیر کی وجہ سے ہوتا تھا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''بینائی پیدائشی کمزور تھی، رات کو بہت کم نظر آتا تھا، مسلسل مطالعہ نے مزید کمزوری پیدا کر دی۔ ۱۹۶۸ء میں تکلیف کا آغاز ہوا علی گڑھ میں ڈاکٹر شکلا کو دکھلایا اور علاج چلتا رہا۔ دسمبر ۱۹۷۳ء میں آپریشن ہوا؛ لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ جس شخص کا اوڑھنا بچھونا مطالعہ ہو، اس کا بینائی سے مستقل محروم ہو جانا ایک ایسی آزمائش ہے، جس کے تصور سے بھی روح کانپ اُٹھتی ہے۔ انھوں نے جس ضبط اور تحمل کے ساتھ اس حادثہ کو برداشت کیا وہ ان کی

سیرت کا ایسا پہلو ہے، جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کبھی زبان
پر گلہ نہ آیا، ہمیشہ راضی برضا کی کیفیت رہی۔“(۱)

سید غیور حسن امروہوی لکھتے ہیں:

”مفتی صاحب کی زندگی میں اگر کوئی محرومی ہے، تو بصارت کی
اور کرب ہے تو عصری تہذیب کا۔ بصارت کی تلافی تو قدرت
نے نورِ بصیرت کی فراوانی سے کر دی ہے؛ لیکن تہذیب کا یہ کرب
ان کا اپنا ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے، جس قوم کو روایت شکن
ہونا تھا، وہ دن بہ دن روایات سے بھرتی جا رہی ہے اور مذہب
سے خالی ہو رہی ہے۔ مولانا جیسے حساس اور صاحب ہوش انسان
کے لیے یہ صورتِ حال انتہائی تکلیف دہ ہے“۔(۲)

مطالعہ

حضرت مولانا فریدیؒ کے شوقِ مطالعہ کا حال کیا لکھا جائے، قلم عاجز ہے اور میرے
پاس الفاظ نہیں ہیں؛ کم از کم اس ناچیز نے اس دور میں مطالعہ و تحقیق کا ایسا ذوق رکھنے والا نہ
دیکھا، نہ سنا۔

مطالعہ آپ کی روحانی غذا تھی، کثرت مطالعہ کی وجہ سے آپ کی گردن خمیدہ
(جھک) ہوگئی تھی اور اسی بنا پر بصارت ظاہری جاتی رہی تھی۔ اس کی ایک ظاہری وجہ یہ بھی
تھی کہ آپ اُکڑوں بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں کتاب لے کر مطالعہ فرمایا کرتے تھے اور غالباً
یہ معمول ادب کی وجہ سے بنایا تھا۔

حضرت مولانا فریدیؒ اپنے مضمون ”حکیم سید سلطان احمد کی یاد میں“ تحریر فرماتے ہیں:

”بچپن ہی میں شوقِ مطالعہ پیدا ہوا تو (ماموں صاحب) کے

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر (۲) حلیے اور خاکے

کتب خانے میں چند کتابیں دیکھیں، جن میں حضرت مولانا نانوتویؒ کی سوانح عمری بھی تھی، جو حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے لکھی ہے۔ ''رموز الاطباء'' اور چند دیگر طبی اور ادبی کتابیں بھی دیکھیں۔'' (۱)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ ''تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ'' کے تعارف میں ارقام فرماتے ہیں:

''ناظرین کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ اِدھر کئی سال سے مولانا (فریدیؒ) کی بینائی بالکل ختم ہوگئی ہے، لکھنا تو درکنار وہ ایک سطر خود پڑھ بھی نہیں سکتے؛ لیکن اس کے باوجود مطالعہ اور تحریر وتصنیف کا کام جاری ہے۔ دوسروں سے پڑھوا کر سنتے ہیں، یہ ان کا مطالعہ ہے اور خود بول کر دوسرے کے قلم سے لکھواتے ہیں، یہ ان کی تحریر ہے۔ ہم جیسوں کے لیے بڑا سبق آموز ہے ان کا یہ حال۔'' (۲)

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''جب تک بینائی نے ساتھ دیا وہ عشاء کی نماز کے بعد لالٹین سرہانے رکھ کر اس کی مدھم روشنی میں دیر تک مطالعہ کیا کرتے تھے، اسی سبب سے بینائی کمزور ہوگئی تھی۔ انہیں رتوندہ بچپن سے آتا تھا اور اس کا سبب یہ کہ بچپن میں غذا بھرپور نہیں ملی...... رات کو لالٹین یا ٹارچ ہاتھ میں لے کر چلا کرتے تھے۔ ۱۹۷۱ء میں علی گڑھ جا کر ایک آنکھ کا آپریشن کروایا اور وہ ناکام ہوگیا...... ڈاکٹر نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ کچھ نہ پڑھیں؛

(۱) سالنامہ ''دُرِ مقصود'' جلد ۷، ۱۹۸۶ء
(۲) تذکرہ خواجہ باقی باللہ مع صاحبزادگان وخلفاء

ورنہ آپریشن خراب ہوجائے گا مگر مولانا فریدیؒ بغیر مطالعہ کے نہیں رہ سکتے تھے۔"(۱)

پروفیسر خلیق احمد نظامی ارقام کرتے ہیں:

"مولانا فریدیؒ کی پوری زندگی علمی جدوجہد کی زندگی تھی، صبح سے رات تک (جب تک بینائی نے ساتھ دیا) مطالعہ میں مصروف رہتے، کتاب کبھی ہاتھ سے نہ چھٹتی، اکثر لیٹ کر پڑھتے تھے، اسی میں نیند آجاتی، کتاب سینہ پر رہتی۔ جس جگہ جاتے وہاں کے کتب خانوں کو دیکھنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حافظہ بہت اچھا عطا فرمایا تھا۔ جو پڑھتے تھے، ذہن کے کسی گوشہ میں محفوظ ہوجاتا تھا۔ تذکروں، انساب، تاریخ و رجال پر وسیع نظر تھی......منشائے الٰہی کو کون سمجھ سکتا ہے کہ جب ان کی اس معلومات کا ذخیرہ ایک ایسا رنگ اختیار کررہا تھا کہ متعدد عظیم الشان علمی تصانیف وجود میں آسکتی تھیں، وہ بصارت سے محروم ہوکر بے بس ہوگئے اور اپنی معلومات کا سفینہ سینے میں لیے اپنے معبود حقیقی کے پاس پہنچ گئے۔ اللہ علم کے اس شیدائی کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔"(۲)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی رقمطراز ہیں:

"مولانا نسیم احمد فریدیؒ عالم، ادیب اور محقق تھے۔ ذوقِ مطالعہ سے سرشار اور کتب بینی کے عاشق تھے۔ یہ سب اپنی جگہ قابل قدر اوصاف ہیں مگر مولانا کی ذات میں یہ اوصاف کچھ زیادہ ہی تابناک اس لیے ہوگئے تھے کہ ان کے پہلو بہ پہلو وہ مسکینی اور خود شکنی تھی جو عربی مدارس کے بعض طالب علموں میں ملا کرتی

---

(۱) فریدی نمبر (۲) ایضاً

ہے یا کسی خانقاہ کے مخلص و بےنفس خادموں میں۔ عمر بھر اسی
مسکینی اور خود شکنی کی گدڑی میں لپٹا ہوا دیکھا۔ ان کے علم وادب
وذوقِ تحقیق ومطالعہ کے لعل جب اس کے اندر سے جھلکتے تو ان
کی شان کچھ اور ہی نظر آتی تھی۔''(۱)

صدر جمہوریہ ہند کی طرف سے ایوارڈ

۱۹۸۱ء میں صدر جمہوریہ ہند نے علمی اور تحقیقی کام کرنے پر سند اعزاز مع مالی امداد تا حیات پانچ ہزار روپیہ جواب پچاس ہزار ہو گیا ہے، عنایت کی۔ ۱۵/ اگست ۱۹۸۱ء کو دیگر لوگوں کے ساتھ آپ کی سند کا بھی اعلان ہوا۔ اسکے بعد وزارت تعلیم سے کلکٹر مرادآباد کے نام تار آیا کے امروہہ جا کر مولانا نسیم احمد فریدی کو ایوارڈ کی مبارک باد دو کہ انھیں حکومت ہند نے علمی خدمات پر سند امتیاز دی ہے۔ کلکٹر مرادآباد نے اس سلسلے میں ایس.ڈی.ایم امروہہ کو تار دیا کہ مولانا نسیم احمد فریدی کو جا کر مبارک باد دو۔ ایس.ڈی.ایم امروہہ حکیم صیانت اللہ صدیقی مرحوم کو ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جمعہ کا دن تھا، آپ مکان میں چار پائی پر بیٹھے ہوئے تھے، اس پر کوئی بستر نہیں تھا۔ حکیم صاحب مرحوم نے پہلے ہی ایس.ڈی.ایم کو شاید بتا دیا تھا کہ مولانا سے زیادہ گفتگو نہ کرنا، اس نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ مبارک باد دی؛ مگر آپ کی متوکلانہ شان ابھی یہی غور کر رہی تھی کہ اس کو قبول کیا جائے یا نہیں۔ بڑی مشکل سے بادلِ نخواستہ قبول کیا۔ مگر کبھی کبھی غصے کی حالت میں ڈاکٹر نثار احمد فاروقی مرحوم کو ڈانٹ پڑ جاتی تھی۔ جب آپ کو بتایا گیا کہ اسی سال مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو بھی یہ ایوارڈ ملا ہے اور کچھ دنوں کے بعد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور دیگر لوگوں کے خطوط مبارک باد کے آئے تو کچھ غصے میں نرمی آئی۔ پھر خود ہی ایک دن کہنے لگے کہ میں نے حکومت ہند کا یہ عطیہ ڈیرے اور باغ کا معاوضہ سمجھ لیا ہے۔

۲۰/ مارچ ۱۹۸۲ء کو ایوارڈ اور سند امتیاز ملنا تھا، راقم ساتھ تھا۔ آپ نے ایوانِ صدر

---

(۱) الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر بحوالہ مقالاتِ فریدی جلد دوم

میں بڑے وقار کے ساتھ اس کو قبول کیا، صدر جمہوریہ ہند نیلم سنجیوا ریڈی نے اپنی جگہ سے اُتر کر توصیفی سند اعزاز اور شال پیش کی۔ ایوانِ صدر میں ڈاکٹر نثار احمد فاروقی مرحوم، خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی اور جلیس احمد فاروقی مرحوم بھی ساتھ گئے تھے۔

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی زبانی ایوانِ صدر کا حال سنئے، لکھتے ہیں:

''۲۰/مارچ ۱۹۸۲ء کو راشٹر پتی بھون میں رسمی جلسہ ہونا تھا، جس میں صدر جمہوریہ ہند کے ہاتھوں شال اور سند وصول کی جاتی۔ میں نے بار بار کہہ کر مولانا کو آمادہ کیا کہ وہ اس جلسہ میں تشریف لائیں۔ راقم الحروف اور خواجہ حسن ثانی نظامی انہیں ساتھ لے کر ایوانِ صدارت گئے۔ مولوی محبّ الحق ان کے ساتھ امروہہ سے آئے تھے، انھوں نے نہایت وقار کے ساتھ شال اور سند وصول کی، جلسے کے بعد دوسرے ملحقہ ہال میں چلے گئے؛ کیونکہ اِدھر کیمرے وغیرہ بہت کھٹک رہے تھے، اندرا گاندھی سب اسکالروں سے ملاقات کر رہی تھیں۔ میں نے کہا کہ عربی فارسی کے علماء سے بھی مل لیجئے تو وہ اس ہال میں گئیں جہاں مولانا فریدی بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے، جیسے ہی مولوی محبّ الحق نے بتایا کہ اندرا گاندھی اس طرف آ رہی ہیں مولانا ایک ہاتھ میں اپنا جھولا اور دوسرے میں بید لے کر کھڑے ہو گئے تا کہ ان کے آنے پر اُٹھنا نہ پڑے اور دونوں ہاتھ بھی خالی نہ رکھے تا کہ وہ مصافحہ نہ کر سکیں۔ انھوں نے یہ ایوارڈ میری پاسداری میں قبول کر لیا تھا ورنہ ایک دو بار جب غصہ آیا تو فرمایا کہ یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔'' (۱)

۞ ۞ ۞

(۱) فریدی نمبر

آٹھویں فصل

اخلاق

آپ اخلاق حسنہ سے متصف تھے، ہر ایک کا بڑا اعزاز و اکرام فرماتے اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے، جس سے ہر آنے والا یہ گمان کرتا تھا کہ حضرت کو مجھ ہی سے سب سے زیادہ محبت ہے۔ احقر کو آپ سے اکیس سال تک قریبی تعلق رہا۔ آپ اپنے اخلاق کریمانہ سے ہمیشہ نوازتے رہے۔ احقر جب اپنے والد محترم کے انتقال (۱) کی خبر پر گھر جانے لگا تو رات کے تقریباً ۱۰ بجے سخت سردی کے موسم میں امروہہ اسٹیشن تک پہنچانے کے لیے پیدل تشریف لے گئے۔ حالانکہ میں منع کرتا رہا؛ لیکن آپ نے فرمایا کہ مجھے تو تمہارے گھر تک جانا تھا۔ والدہ ماجدہ کی تسلی کے لیے ایک تعزیتی گرامی نامہ خود اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا: اللہ نے مجھے حضرت کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع عنایت فرمایا بعض صفات میں آپ کا ثانی بظاہر کوئی نظر نہیں آتا۔ سفر میں دیکھا، حضر میں دیکھا، خلوت میں دیکھا، جلوت میں دیکھا، حضرت مولانا نام و نمود اور شہرت سے کوسوں دور تھے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات گوناگوں خوبیوں کی جامع تھی، جس کا احصاء مجھ جیسے نااہل سے مشکل ہی نہیں محال ہے۔ اگر آپ کے اخلاق کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ میں تو صرف اتنا کہوں گا کہ آپ اپنے اخلاق عالیہ میں سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ اس ضمن میں چند نمونے خاص طور سے نذر ناظرین کرتا ہوں۔

اعتدال و توازن

اگر چہ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خصوصی و جان نثار شاگرد و مسترشد تھے؛ اس کے باوجود آپ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے

(۱) راقم کے والد جناب محمد حنیف صاحب کا انتقال یکم جنوری ۱۹۸۶ء بروز بدھ ہوا۔

تصوف میں بڑے مداح تھے۔حضرت تھانویؒ کوتصوف کا امام مانتے تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانویؒ نے تصوف کواردو میں لکھ کر بہت بڑا احسان کیا ہے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجرمکی قدس سرہ کے تصوف کے حضرت تھانویؒ شارح ہیں۔حکیم الامت کا جوخطاب ملا ہے،وہ بالکل بجا ہے۔استادمکرم نے حضرت تھانویؒ کے ملوظات وارشادات پر بہت بڑا کام کیا، جوالفرقان میں قسطوار شائع ہو چکا ہے،(۱) جس سے امت کو بہت فائدہ ہوا۔

ایک واقعہ اور بھی سپرد قلم کرتا چلوں جس سے حضرت تھانویؒ کی ذات گرامی کے ساتھ مولانا کے روحانی تعلق کا اندازہ لگانے میں آسانی ہو۔ایک مرتبہ آپؒ کی سمجھ میں مثنوی مولانا روم کا یہ شعر نہیں آرہا تھا ؎

کور کورا نہ مرو در کر بلا ☆ تا نیفتی چوں حسین اندر بلا

ان ہی دنوں حضرت تھانویؒ کوخواب میں دیکھا کہ آپ اس شعر کو پڑھ رہے ہیں اور اس کی تشریح بھی فرمارہے ہیں۔''التکشف عن مهمات التصوف'' کو دہلی سے منگا کر دیکھا تو ہو بہو وہی تشریح تھی، جوخواب میں حضرت تھانویؒ نے کی تھی۔جس زمانہ میں مولاناؒ دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے، عام طلباء دو دھڑوں میں منقسم تھے۔ایک حسینی اور دوسرا اشرفی۔آپ نے ان دونوں میں سے کسی میں حصہ نہیں لیا۔پھر اجلاس صدسالہ کے بعد جو ناخوش گوار احوال وکوائف دارالعلوم دیوبند کو پیش آئے اس دوران جب کوئی شخص آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا تو آپ جذبات سے بے قابو ہوکر فرمایا کرتے تھے کہ میں صرف شوریٰ تک ساتھ ہوں تا کہ شوریٰ کی حیثیت قائم رہے، ورنہ تم حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے متعلق پوچھنا چاہتے ہو،وہ قاسم العلوم والمعارف کے پوتے ہیں، جنھوں نے دارالعلوم کو احاطۂ مولسری سے نکال کر ایشیا اور یورپ تک پہنچادیا۔ان کی وہ حیثیت ہے کہ ان کی پچاس سالہ خدمات پر ایک اجلاس منعقد ہونا چاہئے۔ میری تمنا ہے کہ

(۱) راقم نے حضرت تھانویؒ کے ان ملفوظات وارشادات کو''حکیم الامت کی محفل ارشاد'' کے نام سے شائع کرادیا ہے۔

حضرت قاری محمد طیب صاحب دارالعلوم دیوبند کے اندر داخل ہو جائیں میں اور کسی کو نہیں جانتا۔ صلح کرانے کے لیے ایک وفد کے ساتھ آپ نے دیوبند کا سفر بھی کیا تھا۔

آپ دوسروں کے اخلاق کے بھی قدردان تھے۔ بزمانۂ طالب علمی قیام دارالعلوم دیوبند کے دوران خواجہ حسن نظامی دہلوی مرحوم [۱۲۹۶ھ=۱۸۷۸ء-۱۳۷۵ھ=۱۹۵۵ء] سے ایک مناظرہ ''سماع بالمزامیر'' پر ہوا جو ''رسالہ منادی'' میں شائع ہوتا رہا۔ آخر نظامی صاحب مرحوم نے ہتھیار ڈال دیئے۔ نظامی صاحب مرحوم سے تسلی بخش جواب نہ بن پڑا تو ان کے ایک مرید نے خط لکھا کہ خواجہ صاحب میں آپ کا مرید ہوں، آپ کی بات سر آنکھوں پر، مگر آپ سے امروہہ والے کا جواب نہ ہو سکا۔ خواجہ صاحب مرحوم نے اس خط کو بھی رسالہ منادی میں شائع کر دیا۔ اس پر آپ فرمایا کرتے تھے یہ نظامی صاحب مرحوم کے اونچے اخلاق کی بات ہے، ورنہ کوئی بھی اپنے خلاف خط کو شائع نہیں کرتا۔ اگر کوئی اور پیر ہوتا تو اس کو اپنی مریدی سے نکال دیتا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی ارقام کرتے ہیں:

> ''مولانا فریدیؒ کی زندگی اخلاق کے اس اصول کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ ''خالطوا الناس باخلاقکم و خالفھم فی اعمالکم'' یعنی اخلاق میں سب آدمیوں سے شیر وشکر رہو اور اعمال میں سب سے ممتاز۔ ان کے لباس، ان کے طرز زندگی، ان کی بود و باش، ان کے انداز گفتگو سب میں سادگی تھی لیکن ان کی عادات واطوار میں ان کی شخصیت کی عظمت پکارتی تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ انسان ہم میں سے ہوتے ہوئے ہم جیسا نہیں ع
>
> ''گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان''(۱)

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر

استغناء وخودداری

کیا حسن نے سمجھا ہے کیا عشق نے جانا ہے ☆ ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے
(جگر مرادآبادی)

آپ کی طبیعت نہایت خوددار واقع ہوئی تھی، جس کے ہزاروں میں سے صرف دو نمونے ناظرین کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) جب مولانا فریدیؒ تحصیل علم کے لیے دارالعلوم دیوبند جانے لگے تو ایک صاحب نے طعنہ دیا کہ میاں وہاں زکوٰۃ خیرات کی روٹیاں کھاؤ گے، آپ کی خوددار طبیعت پر اس کا بہت اثر ہوا اور طے کیا کہ مجھے دارالعلوم ضرور جانا ہے اور دارالعلوم کا کھانا نہیں کھانا ہے، چنانچہ دارالعلوم پہنچے۔ شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ کے پاس امتحان داخلہ ہوا۔ کھانے کا نمبر آیا؛ مگر آپ نے دارالعلوم کا کھانا منظور نہ کیا۔ ایک ہوٹل والے سے تین روپیہ ماہوار پر دونوں وقت کا کھانا طے کیا، جس میں یہ طے ہوا کہ روٹی اور سالن تو ہوگا؛ لیکن سالن صرف نمک، مرچ کا سادہ ہوگا، گھی اور مسالہ کچھ نہیں ہوگا۔ آپ کے چچا شبیر احمد صاحب فاروقی مرحوم (والد ماجد افتخار احمد فاروقی مرحوم) ساکن لاہور جن کا قیام اسی زمانہ سے لاہور میں تھا، ان کو معلوم ہوا تو ہر ماہ پانچ روپیہ بھیجنے لگے، جس میں سے آپ تین روپیہ ہوٹل والے کو دیتے تھے اور باقی دو روپئے میں بقیہ تمام ضروریات پوری کرتے تھے۔ تیسرے سال حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ نے اپنی درس بخاری (۱) کی تقریر نقل کرنے کے لیے آپ کو مقرر کیا، جس کی اُجرت چودہ آنے فی جز (۸۸/ پیسے) مقرر کی تھی۔ آپ رات کو نودرے کے سامنے لالٹین کی روشنی میں مولسری کے درخت کے نیچے نقل کرتے تھے۔ جب آپ کو یہ آمدنی ہونے لگی تو اپنے چچا شبیر احمد صاحب فاروقی مرحوم کو لکھا کہ اب آپ اپنا عطیہ نہ بھیجا کریں کیونکہ میں خود کفیل ہو گیا ہوں۔

(۲) قیام دارالعلوم کے زمانہ میں ایک کرتا، ایک پاجامہ اور ایک لنگی تھی۔ جمعہ

(۱) مولانا عبدالوحید صاحب فتح پوریؒ نے ڈابھیل سے اس تقریر کی پہلی جلد درس بخاری کے نام سے شائع کرا دی ہے۔ موصوف حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے شاگرد ہیں۔

کے دن لنگی پہن لیتے اور دونوں کپڑے دھو لیتے تھے۔ پاجامہ گھٹنے پر سے پھٹ جاتا تھا تو اس کو سی لیتے تھے۔ بار بار کے پھٹنے اور سلنے سے گھٹنے پر سے تہ بہ تہ ہو گیا تھا۔ ایک دن دفتری نور الحق صاحب مرحوم ایک جوڑا لائے اور کہا اس کو قبول کر لیجیے۔ آپ نے فرمایا مجھے ضرورت نہیں ہے اور جوڑا واپس کر دیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ یہ صاحب حضرت شاہ رفیع الدین عثمانیؒ کے نواسے ہیں تو فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس تبرک کو واپس نہیں کرنا تھا۔ یہ دونوں واقعے متعدد مرتبہ احقر سے بیان فرمائے۔ اس قسم کے واقعات طلباء کی ہمت افزائی کی غرض سے بھی بار بار سنایا کرتے تھے۔

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> ''قناعت، توکل اور غنائے نفس کا مفہوم بھی مولانا فریدیؒ کی ذات میں مجسم ہو گیا تھا۔ انہیں کبھی کسی چیز کی خواہش کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، نہ کسی چیز کے نہ ہونے پر مغموم پایا گیا۔ پیسہ اگر پاس ہوا تو کبھی ایک لمحے کے لیے یہ خیال نہ کرتے تھے کہ اس کی ضرورت کل کو بھی ہو سکتی ہے۔ صرف ایک مد ایسی تھی جس میں وہ بے دریغ خرچ کرتے تھے اور اس کے لیے بعض اوقات کسی سے قرض بھی لے لیتے تھے، یعنی کتابوں کی خریداری۔ اس میں اپنی حیثیت اور مالی استطاعت سے زیادہ خرچ کرتے تھے۔ جس زمانہ میں مدرسہ جامع مسجد میں درس دیتے تھے، دوپہر کو کھانا کھانے کے لیے میری والدہ کے پاس محلّہ قریشی میں آتے تھے۔ راستہ میں ایک دو دکانیں پڑتی تھیں جن پر کبھی کوئی پرانی کتاب نظر آ جاتی تو جیب میں جو دو چار روپے ہوتے وہ دے کر کوئی نہ کوئی کتاب لئے ہوئے آتے تھے۔'' (۱)

---

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر

سید غیور حسن امروہوی لکھتے ہیں:

''مولانا کے مزاج میں توکل ہے اور طبیعت میں قناعت ہے۔
مولانا محمد منظور نعمانی نے تجلیات ربانی کے حرفِ آغاز میں لکھا
ہے کہ مولانا ایسی فقیرانہ زندگی گذار رہے ہیں جس کی مثال
طبقہ علماء میں ملنا مشکل ہے اور حکیم صیانت اللہ صاحب کا کہنا
ہے کہ مولانا کی زندگی دیکھ کر صحابہ کرام کا دور یاد آجاتا ہے۔ وہ
مستقل طور پر اپنے مکان کے مقابل مسجد میں رہتے ہیں، فرش
پر سوتے ہیں اور انتہائی سادہ کھانا کھاتے ہیں۔''(۱)

شفقت، تحمل، بردباری

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر ☆ کوہساروں میں نشانِ نقش پا ملتا نہیں

آپ فطرۃً مستقل مزاج، متحمل اور بردبار واقع ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں بے شمار واقعات ہیں، اپنی ذات سے متعلق کتنا ہی ناخوش گوار واقعہ کیوں نہ پیش آگیا ہو؛ لیکن کبھی آپ کو کسی پر غصہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا گیا؛ بلکہ عفو و درگذر کا معاملہ فرماتے۔ نیز اپنے چھوٹوں پر بڑے شفیق تھے۔ حتیٰ کہ چھوٹے آپ کو اپنے والدین سے زیادہ مہربان پاتے۔ چہرۂ مبارک پر ہر وقت بشاشت رہتی تھی، سخت سے سخت مسائل کا بھی بڑی خندہ پیشانی سے مقابلہ فرماتے تھے۔ گویا رضا بالقضا کا معاملہ رہتا تھا۔ تحمل کا ایک واقعہ سنتے چلئے۔

میرے عزیز دوست مولانا حکیم عطاء الرحمٰن صاحب(۲) ساکن موضع گلڑ یا معافی تحصیل ٹھاکردوارہ ضلع مرادآباد جو کہ حضرت کے قدیم شاگردوں میں سے ہیں ان کی

---

(۱) حلیے اور خاکے

(۲) [جب والد صاحبؒ یہ کتاب ترتیب دے رہے تھے، حکیم صاحب بقید حیات تھے؛ لیکن اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے: ۳/صفر ۱۴۳۶ھ = ۱۰/دسمبر ۲۰۱۴ء کو آپ جوارِ رحمت میں پہنچ گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون!]

درخواست پر ان کی شادی میں تشریف لے گئے۔ ان کا بیان ہے کہ مئی کا مہینہ تھا سخت گرمی تھی، بادِ سموم کے جھونکے تیز تھے۔ بارہ کوس کے فاصلے پر بارات جانی تھی، راستہ خام ودشوار گذار تھا۔ حضرت بارہ بجے دوپہر کو رتھ میں دو طالب علموں کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ راستے کی پریشانیوں کو برداشت کرتے ہوئے رتھ بان کی کم عقلی کی وجہ سے رات کو گیارہ بجے منزل مقصود پر پہنچے۔ سب لوگ انتظار میں پریشان تھے، ان کے والد صاحب کچھ گرم مزاج تھے۔ رتھ بان کو ڈانٹنا شروع کیا؛ لیکن آپ نے ہنس کر فرمایا کہ اس نے تو ہمیں راستے بھر بہت خوش رکھا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے رتھ بان کو انعام دیا۔ حضرت کے اس طرزِ عمل پر سب ہی لوگ بہت متأثر ہوئے۔ یہ آپ کے تحمل کا ادنیٰ نمونہ ہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

> ''طبیعت میں ضبط اور تحمل بہت تھا لیکن دو موقعوں پر اپنے پر قابو نہ پاسکتے تھے اور غصہ سے بپھر جاتے تھے۔ اگر کسی کو شریعت کی کھلی بے حرمتی کرتے ہوئے پاتے یا کسی کو عربی مدرسے کے طلبہ کے ساتھ حقارت سے پیش آتے دیکھتے تو غصہ کو قابو میں نہ رکھ پاتے تھے۔ اس سلسلہ میں نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین امروہوی مرحوم کا واقعہ اکثر بیان کرتے تھے کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ ۱۹۰۶ء میں طالب علموں کی ایک جماعت کے رکن کی حیثیت سے ان سے ملنے امروہہ آئے تو نواب صاحب جو اس وقت مسلمانوں کے مسلمہ لیڈر تھے، مشایعت کے لیے گھر سے گلی اور گلی سے سڑک تک نکل کر آئے اور یکہ پر ان کو سوار کرنے کے بعد واپس ہوئے۔ مولانا فریدیؒ یہ توقع کرتے تھے کہ ان عربی مدارس کے طلبہ کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کیا جائے اگر کسی میں اس کی کمی پاتے تو اظہار ناراضگی کرتے اور ان طلبہ کو دینی زندگی کا ستون سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ انہیں کی وجہ

سے شہر و دیہات میں دینی شعار قائم ہیں۔''(۱)

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''ایک صاحب نے اپنے کسی عزیز کو دھمکانے کے لیے پولیس انسپکٹر کو بلا لیا وہ مولانا فریدی صاحبؒ والی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے، پولیس انسپکٹر انہیں تلاش کرتا ہوا مسجد میں آیا اور اپنے غرور ونخوت میں جوتوں سمیت مسجد میں گھستا چلا گیا۔ مولانا فریدیؒ اپنے رفقاء کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے، انسپکٹر فرعون کی طرح رعونت سے بولا فلاں شخص کہاں ہے؟ اور کچھ اس طرح کے الفاظ کہے کہ تم لوگوں نے کیا پاکستان بنا رکھا ہے؟ مولانا فریدیؒ کو جلال آگیا اسے بہت سختی سے جھڑکا اور جوتے پہنے ہوئے اندر آنے پر سخت تنبیہ کی، اسے نہایت جلال کے عالم میں کہا تجھے معلوم ہے پاکستان کہاں ہے؟ نقشہ لے کر آ۔ میں تجھے پاکستان دکھاؤ، اس وقت مولانا فریدیؒ کا جلال ایسا تھا کہ وہ انسپکٹر بھی ایک دم سہم گیا اور اُلٹے پاؤں چلا گیا۔ پھر اسے خدا جانے کیا دکھایا گیا کہ اس نے دوبارہ آ کر مولانا کے پیر پکڑ کر معافی مانگی اور کئی بار معافی مانگنے آیا۔ اس کا امروہہ سے تبادلہ ہوگیا تو وہاں سے بعض لوگوں کو خط لکھتا رہا کہ مجھے مولانا سے معافی دلوا دو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے بہت ہی زیادہ پریشان تھا۔''(۲)

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی استاذ دارالعلوم ندوہ لکھتے ہیں:

''ان (مولانا فریدی) کی بے نفسی کا ایک واقعہ صفحۂ دماغ پر اس طرح نقش ہے کہ کبھی فراموش نہیں ہوسکتا۔ مرادآباد میں قیام کے زمانہ میں ایک بار دو روز کے لیے امروہہ ان کی خدمت میں

(۱) فریدی نمبر (۲) ایضاً

حاضر ہوا۔ مولانا فریدیؒ کے ایک اور معاصر جواب بھی بقید حیات ہیں، (۱) وہ بھی تشریف لے گئے تھے، جمعہ کے روز امروہہ کی جامع مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا کہ مولانا فریدیؒ تبلیغی اجتماع اور جمعہ کے بعد تبلیغی جماعتوں کو روانہ کرنے میں بے حد مصروف تھے۔ ان کے معاصر بزرگ کو یہ احساس ہوا کہ مولانا مجھے نظر انداز کر رہے ہیں اور بات چیت کے لیے وقت نہیں فارغ کر رہے ہیں۔ اچانک جامع مسجد میں مولانا کے ہزاروں معتقدین کے مجمع میں مولانا پر اس طرح برسے کہ سارا مجمع ششدر رہ گیا اور ہر ایک کو بے پناہ غصہ آیا؛ لیکن خود مولانا نسیم احمد فریدیؒ پر اس نازیبا طرزِ عمل کا کوئی ردِ عمل نہیں ہوا۔ ان کی زبان سے کوئی بھی سخت لفظ نہیں نکلا؛ بلکہ وہ ٹھنڈے لہجے میں معذرت کرتے رہے اور اپنی وقتی مشغولیت کا عذر پیش کرتے رہے۔ اس واقعہ نے مجھے غیر معمولی طور پر متأثر کیا اور میں نے محسوس کیا کہ مولانا اس مرحلے سے گذر چکے ہیں جب انسان اپنی ذات کے لیے خفا یا خوش ہوتا ہے۔'' (۲)

سید غیور حسن امروہوی لکھتے ہیں:

''مفتی صاحب کو غصہ بہت آتا ہے، لیکن ذاتی معاملات پر کبھی نہیں آتا، جب آتا ہے عقائد سے انحراف اور غیر اسلامی شعار پر آتا ہے، لیکن مزاج میں تحمل ہے، اس لیے ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے مزاج میں نرمی بھی ہے، خلوص بھی ہے اور انسانی غیرت بھی۔ جن کے مزاج میں تصنع یا بناوٹ دیکھتے ہیں ان سے گریز کرتے ہیں خواہ وہ صاحبانِ علم و فضل اور اربابِ دولت ہی کیوں نہ ہوں۔'' (۳)

(۱) ان معاصر بزرگ کا بھی انتقال ہو گیا ہے۔

(۲) فریدی نمبر (۳) حلیے اور خاکے

سادگی

لباسِ فقر میں شانِ نبیؐ معلوم ہوتی ہے ☆ کہ پائے ناز پر دنیا جھکی معلوم ہوتی ہے

آپ انتہائی سادگی پسند، متواضع، منکسر المزاج اور ہر قسم کے تکلف سے بے نیاز تھے۔ خوراک ولباس میں بھی حد درجہ سادگی تھی۔ لباس ایسا استعمال فرماتے تھے کہ نووارد کو پہلی ملاقات میں یہ یقین ہی نہ آتا تھا کہ یہ وہی مولانا نسیم احمد فریدیؒ ہیں، جن کی علمی شہرت کا غلغلہ ہند وبیرونِ ہند میں ہورہا ہے۔ خوراک کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ناشتے میں ہمیشہ باسی روٹی استعمال فرماتے تھے۔ سادگی کے متعلق تو قلم حیران ہے کہ تصویر کیسے کھینچوں۔ جن لوگوں نے انہیں دیکھا ہے، ان کو تو سمجھانے کی ضرورت نہیں اور جنھوں نے نہیں دیکھا کم ازکم میرے لیے ان کو سمجھانا اور یقین دلانا بہت دشوار ہے۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ غائبانہ تعارف رکھنے والے جب ملاقات کو آتے اور تعارف ہوتا تو کچھ دیر ششدر وحیران رہتے اور انہیں شک رہتا کہ وہ کسی اور سے تو ہم کلام نہیں ہیں، پھر جب سلسلہ گفتگو شروع ہوتا تب مطمئن ہوتے۔

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ارقام کرتے ہیں:

> ''حضرت مولانا فریدیؒ اپنی مختلف النوع صلاحیتوں اور خوبیوں کی بناء پر اسلاف کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ سادہ مزاجی، تواضع اور نرم خوئی ان کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔'' (۱)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ ''تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ'' میں رقمطراز ہیں:

> ''وہ (مولانا فریدی) ایک درویش صفت، فقیرانہ زندگی گزارنے والے اکثر زمین اور چٹائی پر سونے والے، اس طرح کے صاحب درس وافتاء اور صاحب قلم وصاحب تصانیف عالم دین ہیں جیسے کبھی پہلے ہوا کرتے تھے، ان کا تذکرہ ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں۔'' (۲)

---

(۱) مکتوب مولانا اسعد مدنیؒ

(۲) تذکرہ خواجہ باقی باللہ مع صاحبزادگان وخلفاء، مرتبہ مولانا فریدیؒ

حضرت مولانا نعمانیؒ "تجلیات ربانی" جلد اوّل کی تقریب وتعارف میں تحریر کرتے ہیں:

"راقم سطور نے چاہا تھا کہ اس موقع پر مولانا فریدی کے بارے میں اپنے کچھ معلومات اور احساسات بھی لکھوں اور ناظرین سے ان کی شخصیت کا تعارف کراؤں، بلکہ جو کچھ لکھنا چاہتا تھا وہ لکھ بھی دیا تھا لیکن پھر اس خیال سے اس کو روک لینا پڑا کہ مولانا موصوف کے درویشانہ مزاج کے لیے وہ گرانی کا باعث ہوگا۔ اگر شریعت میں تصویر کی ممانعت نہ ہوتی تو میں (اس حالت میں کہ وہ بہت کمزور، نحیف ونزار اور آنکھوں سے بھی معذور ہو چکے ہیں اور ایسی فقیرانہ زندگی بسر کر رہے ہیں جس کی مثال طبقۂ علماء میں مشکل ہی سے ملے گی) ان کا فوٹو تقریب و تعارف کی ان سطروں کے ساتھ شامل کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا ہے جو کتب حدیث میں مروی ہے:

"**اللھم احینی مسکیناً وّ امتنی مسکیناً واحشرنی فی زمرۃ المساکین** "ترجمہ: اے اللہ مجھے زندہ رکھ مسکینی کی حالت میں اور موت دے مسکینی کی حالت میں اور مسکینوں کی جماعت میں میرا حشر فرما"۔

اس عاجز کی نظر میں مولانا فریدی ان بندگانِ خدا میں سے ہیں جنہیں دیکھ کر اس دعائے نبویؐ کے لفظ "مسکین" کا مطلب سمجھ میں آ جاتا ہے؛ بلکہ اس کا ایک نمونہ سامنے آ جاتا ہے"۔(۱)

(۱) تجلیات ربانی جلد اوّل

مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ (۱) نے اپنے تعزیتی مکتوب میں پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم کو لکھا تھا:

''یوں تو حضرت مولانا (فریدیؒ) کو جو کوئی تھوڑی دیر کے لیے بھی برت لیتا تھا اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ یکا یک دورِ صحابہ کرامؓ میں پہنچ گیا ہے اور ان کی سیرت کے ایمان افروز مناظر اس کی نگاہوں میں پھرنے لگتے تھے۔'' (۲)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ رقمطراز ہیں:

''فریدی صاحبؒ کی اہم خصوصیت ان کی سادگی، تواضع، فروتنی اور اخلاق ہے۔ مولاناؒ اتنی سادگی سے رہتے تھے کہ اجنبی آدمی انہیں دیکھ کر بالکل نہیں سمجھ سکتا تھا کہ وہ کوئی بڑے عالم اور مصنف ہیں۔ ہر شخص سے بہت تواضع اور اخلاق سے ملتے تھے۔'' (۳)

پروفیسر خلیق احمد نظامی تحریر کرتے ہیں:

''مولانا فریدیؒ کی سادگی دل پر اثر کرتی ہے۔ وہ غریب لوگوں کے دُکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔ معمول تھا کہ جب کسی متعارف شخص کا امروہہ میں انتقال ہوتا تو مجھے اطلاع کرتے تھے اور لکھتے کہ فوراً فلاں شخص کو فلاں پتے پر تعزیت کا خط لکھو۔ امروہہ میں ہمارے مکانات کے درمیان ایک مسجد ہے، جو ہمارے ہی بزرگوں نے بنوائی تھی۔ ہمارے کئی مکانات موجود

---

(۱) [ماہنامہ ''الحرم'' میرٹھ کے مرتب مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی شہر امام قاضی میرٹھ اور رکنِ مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند و مدرسہ جامع مسجد امروہہ متوفی ۱۵ر رمضان ۱۴۱۱ھ موافق ۳۱ر مارچ ۱۹۹۱ء تھے۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں قاموس القرآن، بیان اللسان اور سیرت طیبہ وغیرہ ہیں۔ حضرت مولانا فریدی امروہیؒ اس ماہنامہ کے معاون مرتب تھے۔] (بحوالہ: مقالات فریدی ۲/۲۴۸)

(۲) مکتوب قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ

(۳) پندرہ روزہ تعمیر حیات

تھے بلکہ خالی پڑے تھے لیکن وہ مسجد میں رہتے تھے اور اپنا سارا وقت وہیں گذارتے تھے۔ کسی وقت آنے والوں کا سلسلہ نہ ٹوٹتا تھا، ہر شخص سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ ان کے حالات دریافت کرتے اور دلجوئی کرتے تھے۔ کتنا ہی بے وقت کوئی آجائے میں نے کبھی ان کو اس سے کبیدہ خاطر ہوتے نہیں دیکھا۔ اخلاق و کردار کی یہ خوبیاں دل کو موہ لیتی تھیں...... مولانا فریدیؒ کا لباس اتنا سادہ ہوتا تھا کہ ان کے منصب و مرتبے کا اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے متعلق مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک قصہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ دیوبند سے نانوتہ جارہے تھے۔ راستے میں ایک ...... نے اپنا ہم قوم سمجھ کر سوت کا بھاؤ پوچھ لیا۔ مولانا نے جواب دیا بھائی آج بازار جانا نہیں ہوا۔ معلوم نہیں مولانا فریدی کے ساتھ ایسے کتنے واقعات پیش آئے ہوں گے غالباً یہ روشِ قاسمی ہی ان کے لیے مثالی حیثیت رکھتی تھی۔'' (۱)

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''مولانا فریدیؒ بے نفسی اور فنائیت کی سچی تصویر تھے، لباس میں کھانے پینے میں، کسی چیز میں کسی طرح کا تکلف یا اہتمام نہ تھا اکثر صرف کرتے اور تہبند میں ہی شہر اور دیہات کے گشت پر چلے جاتے ورنہ ایک کرتہ اور ایک پاجامہ، ایک ٹوپی اور ایک جوڑی چپل ان کی کل کائنات تھی۔ لباس میں اکثر کیسا بھی پیوند لگا لیا کرتے تھے، انہیں اس سے غرض نہ تھی کہ یہ پیوند بھدّا لگے گا یا کپڑا دوسری قسم کا ہے...... ان کے سامان میں کوئی ایسا بکس یا صندوق نہ تھا جسے ''کپڑوں کا صندوق'' کہا جائے۔ جو صندوق

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر

تھے، ان میں بھی کاغذ اور کتابیں رکھی ہوئی تھیں...... ناشتے میں عموماً باسی روٹی کھاتے تھے، کبھی بسکٹ اور چائے بازار سے منگا کر خود بھی ناشتہ کرتے اور حاضر الوقت حضرات کی ضیافت بھی اسی سے ہو جاتی تھی۔ مسجد کی چٹائی ہی ان کا بستر تھا۔ گرمیوں میں فرش کو پانی ڈال کر ٹھنڈا کر لیا جاتا تھا۔ جاڑوں میں ایک گدا نیچے بچھا لیتے تھے، ایک چھوٹا سا گاؤ تکیہ تھا اس پر سر رکھ کر لیٹے رہتے تھے۔'' (۱)

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی استاذ دار العلوم ندوہ لکھنؤ لکھتے ہیں:

''مولانا نسیم احمد فریدیؒ بے انتہاء متواضع اور بے نفس انسان تھے، فضل و کمال سے آراستہ ہونے کے باوجود ہر شخص سے بڑے تپاک، محبت اور سادگی سے ملتے تھے، ان کی زندگی میں تکلفات کا خانہ بالکل نہ تھا، علماء اور اہل دین کے بڑے قدر دان تھے۔ میں اپنے آپ کو ان کے شاگردوں کی صف میں بھی جگہ پانے کے قابل نہیں سمجھتا۔ لیکن امروہہ میں جب بھی ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو انھوں نے حد درجہ اعزاز و اکرام کا معاملہ فرمایا۔ وہ یہ کوشش کرتے کہ ہر خوش ذائقہ اور لذیذ غذا مہمان کو کھلائیں اور اپنے مصروف ترین اوقات میں سے خاصہ وقت ہم جیسوں کی دلداری کے لیے فارغ کرتے۔ ان کی مجلس بڑی پاکیزہ معلومات افزا اور پُر لطف ہوتی تھی۔ جب بھی ان سے ملاقات ہوئی انھوں نے علماء و مشائخ علوم دینیہ ہی کی بات کی۔ علمی اور دینی موضوعات ہی کے گرد ان کی گفتگو دائر رہتی۔ نہ کسی معاصر کا شکوہ و شکایت کرتے، نہ لایعنی باتیں کرتے۔ زندہ مشائخ کی

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر

صحبت اور مشائخ پیشیں کے حالات اور تالیفات کے مطالعہ سے
ان کا آئینہ دل مصفی ومجلی ہو چکا تھا۔ان کی زندگی ''وما انا من
المتکلفین ''(میں تکلف کرنے والوں میں نہیں ہوں) کا سچا
نمونہ تھی۔ وہ مشائخ کی رسوم وظواہر سے بالکل آزاد تھے۔ان
سے گفتگو کے دوران کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ انھوں نے اپنی
سطح مخاطب سے کچھ بھی بلند سمجھی ہو، بڑی بے ساختگی اور بے
تکلفی ان کی گفتگو میں تھی۔'' (۱)

سید غیور حسن امروہوی لکھتے ہیں:

''مفتی صاحب جسمانی اعتبار سے نہ عالم لگتے ہیں، نہ شاعر، وہ
ہمارے بعض عالموں کی طرح نہ دیو قامت ہیں، نہ اردو شاعروں
کی طرح نحیف و نزار، خدوخال بھی عام انسانوں جیسے ہیں،
قدرے کشادہ پیشانی، گندمی رنگ، بھرا بھرا گول چہرہ، لباس بالکل
سادہ استعمال کرتے ہیں۔سر پر کپڑے کی گول اور کبھی کبھار کشتی نما
ٹوپی بغیر کالر کی قمیص اور چھوٹی موری کا ٹخنوں سے اونچا پاجامہ،
سردیوں میں روئی کی صدری بھی زیب تن کر لیتے ہیں اور اگر سردی
کچھ زیادہ ہی ہو تو اوپر سے ایک چادر لپیٹ لیتے ہیں۔نہ جبہ، نہ
دستار، نہ عبا، نہ قبا، جیسا کہ ہمارے بعض نیم مولوی تقدس کے اظہار
کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔'' (۲)

مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

''سادگی، فنائیت، تواضع اور بے نفسی سے انسان کو جو بے مثال
عروج اور قبولیت نصیب ہوتی ہے اس کی ایک تابندہ مثال

---

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر
(۲) حلیے اور خاکے

ہمارے مشفق ومربی بزرگ، مخدوم گرامی قدر، حضرت اقدس مولانا مفتی نسیم احمد فریدی نور اللہ مرقدہٗ کی ذات بھی تھی، اللہ تعالیٰ نے آں موصوف کو بے نظیر قوتِ حافظہ، علمی استحضار اور فہم وفراست سے سرفراز فرمایا تھا؛ لیکن آپ کی زندگی کے کسی بھی انداز سے آپ کے علمی رتبہ کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا، آپ نے پوری زندگی "کن فی الدنیا کعابری سبیل" (دنیا میں مسافر کی طرح رہو) کی عملی تعبیر بن کر گذاری، اور آپ زہد فی الدنیا، ورع وتقویٰ اور محبت صالحین کے روشن نقوش چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔"(۱)

ایک دلچسپ اور سبق آموز واقعہ

دہلی یونیورسٹی کے ڈاکٹر مغیث الدین فریدی ایک بار حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ کے عرس میں شرکت کے لیے امروہہ تشریف لائے۔ غالباً بات ۱۹۷۰ء کی ہے، انہیں مولانا فریدیؒ سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ عرس کے بعد خانقاہ میں انھوں نے منقبتی مشاعرے کی صدارت فرمائی اور اپنی وہ منقبت پڑھی جو مولانا فریدیؒ کے چند اشعار پر تضمین تھی۔ اسی دوران مولانا اسحاق سنبھلی (ممبر پارلیمنٹ) چند احباب کے ہمراہ تشریف لائے۔ لوگوں نے تپاک سے "آیئے مولانا" کہہ کر پذیرائی کی اور مولانا اسحاق ایک طرف بیٹھ گئے۔ وہ کالی شیروانی اور سفید ٹوپی میں ملبوس تھے۔ چشمہ لگا ہوا، ترشی ہوئی سڈول سی داڑھی اور تبسم بہ لب خدوخال۔

مغیث صاحب نے نہ کبھی انہیں دیکھا تھا نہ مولانا نسیم احمد فریدی کو؛ اس لیے غلط فہمی ہوگئی۔ مشاعرہ ختم ہونے پر جب خانقاہ سے باہر نکلے تو مغیث صاحب نے مولانا سنبھلی سے خود اپنا تعارف کرایا۔ مولانا نے خوش اخلاقی سے کہا "اچھا اچھا" ڈاکٹر

---

(۱) زیارت حرمین

صاحب نے بتایا کہ: میں صبح حاضر ہوا تھا؛ مگر......، مولانا بولے ''اچھا آپ تھے'' اب گویا مغیث صاحب کو تصدیق ہوگئی، کہنے لگے: مولانا معاف کیجئے! آپ کے چند شعر میں نے بغیر اجازت تضمین کر لئے ہیں......، اس پر مولانا اسحاق تو سوالیہ نشان بن کر مغیث صاحب کا منھ دیکھنے لگے؛ مگر قریب کھڑے ہوئے حکیم کلب علی صاحب شاہد غلط فہمی بھانپ گئے اور قہقہہ لگا کر بولے: یہ مولانا اسحاق سنبھلی ہیں۔ مغیث صاحب بیحد خفیف ہوئے۔ بعد میں کہنے لگے کہ بھئی جب مولانا خانقاہ میں داخل ہوئے لوگوں نے آیئے مولانا کہہ کر استقبال کیا تو میں نے تصور میں ان کے خد و خال سے داڑھی ہٹا کر دیکھا، ناک نقشے میں کچھ نثار فاروقی صاحب کی شباہت آئی، میں نے سوچا یہی ہو سکتے ہیں، نثار صاحب کے چچا۔

اگلے دن مغیث صاحب راقم الحروف کے ہمراہ مولانا فریدی سے ملنے گئے، مسجد جھنڈا شہید کے نیچے ہی مولانا سادے کپڑوں میں ایک معمولی سی دوہی اوڑھے ہوئے درویشانہ انداز میں کھڑے تھے۔ میں نے تعارف کرایا، مغیث صاحب کچھ حیران سے ہوگئے کہ ایسے ہوتے ہیں مولانا نسیم احمد فریدی! مولانا کی ذاتی عظمت اور تبحر علمی کا بھی انہیں اندازہ تھا اور پھر نثار فاروقی اور خلیق احمد نظامی کے حوالے سے ان کے ذہن کے پردوں پر مولانا فریدیؒ کا ایک نستعلیق، صاف ستھرا، پُر شکوہ خاکہ تیار ہو چکا تھا جو شیشے کی طرح چکنا چور ہو چکا تھا۔ لیکن مولانا کی عظمت ان کی نظر میں اور زیادہ بڑھ گئی گویا وہ عالم ہوا جو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کو اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے آتے دیکھ کر عیسائی بادشاہ کا ہوا تھا۔(۱)

سخاوت

عدیل ہمت ساقیست فطرت عرفی ☆ کہ حاتم دیگراں و گدائے خویشتن ست

یہ شعر حضرت مولانا فریدیؒ پر پوری طرح صادق آتا تھا، آپ کی سخاوت کا کیا کہنا

(۱) ماخوذ از مضمون جناب خورشید مصطفیٰ رضوی امروہوی

روایات میں آتا ہے کہ ایک سخی وہ ہے جو خود دوسروں کی ضرورت پوری کردے، دوسرا وہ ہے جو چل پھر کر دوسروں سے پوری کرا دے۔ آپ میں دونوں صفتیں جمع تھیں۔ بہت سی بیواؤں، ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی ضروریات آپ سے وابستہ تھیں۔ اپنے قریبی خدام کے ذریعہ ان کے گھروں پر پہنچواتے تھے، اگر باہر سے کوئی پریشانی لکھتا تو اس کی خدمت کی فکر کرتے۔ منی آرڈر روانہ کرنے پر بھی یہی راقم الحروف مامور تھا۔

طلبۂ علم دین کی خواہ طالب علم امروہہ، دیوبند، سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہو یا اور کسی مدرسے میں، ہر ممکن مدد فرماتے۔ احقر کی تمام تر ضروریات کے تو آپ ہی کفیل تھے۔ ہمیشہ ایسا ہوتا رہا کہ جب بھی راقم وطن گیا تو آمد و رفت کا کرایہ عنایت فرماتے۔ کبھی صرف جانے کا ہوتا۔ جب گھر پہنچتا تو دس پندرہ دن کے بعد منی آرڈر پہنچتا اور میں سمجھ جاتا کہ طلبی ہے۔ فوراً واپسی کا پروگرام بنالیتا۔ حیات مستعار کی آخری شب جیب میں صرف سترہ روپے تھے، وہ بھی ہم خدام پر صرف فرمادیئے۔

جناب انیس احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> ''اکثر عقیدت مند تحائف لاتے اور آپ ان کو حاضرین مجلس طلبہ وخدام اور عزیز و اقارب میں تقسیم کردیتے تھے۔ بعض مرتبہ فتوحات بھی ہوتی تھیں، مگر آپ ان کو اپنے اوپر خرچ نہ کرتے تھے۔ یہ رقم اکثر و بیشتر بیواؤں، حاجت مندوں، سائلوں اور طالب علموں پر خرچ کردیتے تھے۔'' (۱)

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> ''حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ مجھے پہلے بھی دنیا جمع کرنے کی رغبت نہ تھی اور پھر میرا پیوند ایسی جگہ ہوا کہ باباصاحبؒ کی نظر میں دونوں عالم ہیچ تھے، خالص ترک تھا۔ اس ''خالص

(۱) نسیم سحر

ترک" کا مفہوم مولانا فریدیؒ کو دیکھ کر سمجھ میں آسکتا ہے۔ وہ
ترک و تجرید وتفرید کا ایک نادر روزگار نمونہ تھے۔ حضرت بابا گنج
شکرؒ کا بھی یہ حال تھا کہ کبھی کئی کئی وقت فاقہ ہو جاتا تھا۔ اور کریر
کے پھل اُبال کر کھائے جاتے تو ان میں نمک بھی نہ ہوتا تھا، مگر
داد و دہش کا یہ عالم تھا کہ جو بھی ان کی خانقاہ میں آتا تھا اسے کچھ نہ
کچھ ضرور دیا جاتا تھا۔ مولانا فریدیؒ کا بھی ایسا ہی معاملہ تھا، کتنی
بیوائیں اور غریب لوگ اور طالب علم ایسے تھے جن کی وہ برابر مدد
کرتے تھے اور دوسروں سے بھی ان کو کچھ نہ کچھ دلاتے رہتے
تھے۔ ایک بڑے خاندان کی بیوہ تھیں، جن کے حالات ناگفتہ بہ
ہو گئے تھے، وہ اپنا حال مولانا فریدیؒ کو لکھا کرتی تھیں۔ ان کو کچھ
نہ کچھ بھیجتے رہتے تھے۔ جو طالب علم امروہہ سے فارغ ہو کر جا چکے
تھے ان کی بھی خیر خبر رکھتے تھے اور ان میں سے جس کی حالت خستہ
ہوتی تھی اسے منی آرڈر سے کچھ روپئے بھجواتے رہتے تھے۔"(۱)

مقبولیت و جامعیت

ان ہی اخلاق کریمانہ کا نتیجہ تھا کہ آپ کی مسجد میں ہر وقت آنے جانے والے لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ ہم لوگ روز دیکھتے تھے کہ آپ کی مسجد سپریم کورٹ بنی ہوئی ہے، آپ مفتی بھی تھے اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بھی۔ صبح فجر کے بعد سے رات تک لوگوں کی آمد کا سلسلہ رہتا تھا، جس میں شہر کے بھی ہوتے، بیرون شہر کے بھی۔ ہر ایک اپنے اپنے مسائل پیش کرتا۔ ہر شخص کو تسلی بخش جواب ملتا۔ دینی ہو یا دنیاوی، سیاسی ہو یا معاشی، آپسی معاملات ہوں یا کسی مسجد، مدرسہ کا قضیہ ہو، یہاں تک کہ مریض ہو، پریشان حال ہو، سب کو مطمئن فرماتے، سب کی پریشانیوں کو دور کرنے کی کوشش فرماتے۔ عجب دربار تھا، ہم لوگ

(۱) نسیم سحر

دیکھتے تھے کہ ہر ایک خوش اور مطمئن ہو کر جا رہا ہے، ہاں اگر حکم الٰہی یا فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی آپ کو مرعوب کرنے یا استعمال کرنے کی کوشش کرتا تو ''رگِ فاروقی'' جوش میں آ جاتی۔ آپ کے پاس نہ فوج تھی، نہ پولیس، مگر آپ اس دیار کے بے تاج بادشاہ تھے۔ آپ کا حکم ماننے کو بلاقید مذہب وملت، عقیدہ ومسلک، ہر ایک تیار کھڑا رہتا؛ بلکہ آپ کے اوپر اپنی جان نثار کرنے کا خواہشمند رہتا۔ رئیس احمد رئیس امروہوی نے آپ کی منقبت میں مسدس لکھی ہے، اس کے آخری بند کا آخری شعر ہے ؎

ناز تھا انسانیت کو جس پہ وہ انسان تھا
تاج کی خواہش نہ تھی بے تاج کا سلطان تھا

آپ کی علمی و دینی مجلس روحانی تربیت کا وہ مرکز تھی، جہاں علم ومعرفت کے طالبین اور وادیٔ سلوک کے سالکین کی رہبری ہوتی تھی، جب آپ کے فضل وکمال کی شہرت عام ہوئی اور روہیل کھنڈ سے نکل کر دہلی، میرٹھ، ہندو بیرون ہند میں پہنچی تو آپ کے آستانۂ فیض پر بے شمار لوگ دلی عقیدت کے ساتھ حاضری دینا اپنی سعادت سمجھتے تھے اور طمانیت قلب کی دولت سے بہرہ ور ہو کر واپس جاتے۔ اس طرح اصلاحی ودینی خدمات کے ساتھ ساتھ حاجات مخلوق کو پورا کرنے کی جدوجہد میں بھی آپ آخر تک مصروف وکوشاں رہے۔

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> ''مولانا فریدیؒ اگر دست بیعت قبول کرتے تو یقیناً ان کے لاکھوں مرید ہوتے، سارا شہر کیا قرب وجوار کے کئی اضلاع ان کے گرویدہ تھے، شہری ہو یا دیہاتی، عالم ہو یا جاہل، مدرسہ اور جماعت سے تعلق رکھنے والا ہو یا کالج یا یونیورسٹی کا طالب علم ہو، تاجر ہو یا نوکر پیشہ، کسان ہو یا اہل حرفہ، جوان ہو یا بچہ، ان کے عشاق ہر طبقے میں اور ہر جگہ موجود تھے۔ اس کا ہمیں بھی اتنا اندازہ نہ تھا کہ یہ دلوں پر ایسی حکومت کر رہے ہیں۔ کچھ اندازہ تو

ان کے جنازے کا جلوس دیکھ کر ہوا، جس میں چھ سات سال
کے بچے تک شامل تھے، ہزارہا خواتین ان کی میت کا دیدار
کرنے آئیں، کتنے ہی بوڑھے اور اپاہج لوگ دوسروں کے
سہارے چل کر ان کی میت پر آئے، ہجوم کا یہ عالم ہوا کہ جس
کے پیر سے جوتا نکل گیا وہ پھر اُسے پہن نہیں سکا، شہر میں جگہ جگہ
چھوٹے ہوئے جوتوں کے ڈھیر لگا دیئے گئے تھے۔'' (۱)

جناب انیس احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''صبح سے رات گئے تک شہر اور بیرون شہر کے سیکڑوں افراد اپنے
معاملات، مشکلات اور مسائل لے کر آپ کی خدمت میں حاضر
ہوتے اور آپ ان کی باتوں کو خندہ روئی اور ہمدردی کے ساتھ بغور
سنتے اور ان کو نہایت احتیاط کے ساتھ صحیح وصائب مشوروں سے
نوازتے تھے۔ اکثر مرد وعورت دعا کرانے کی غرض سے حاضر
ہوتے اور مریضوں کے لیے پانی پڑھوا کر لے جاتے اور اللہ تعالیٰ
انہیں شفاء دیتا تھا۔ باوجود اصرار کے تعویذ کسی کو نہ لکھتے تھے۔'' (۲)

❋ ❋ ❋

اے فریدیؔ مرا غوّاصِ تخیل لایا
بحرِ جذبات سے نایاب یہ دُر دانے

---

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر
(۲) نسیم سحر

نویں فصل

اتباع سنت

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ☆ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آپ کی پوری زندگی اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گذری۔ ہر معاملہ میں سنت کا خیال رہتا تھا، کھانا پینا، اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، بات چیت، بول و براز، غرض ہر معاملہ میں سنت کا اہتمام رہتا تھا۔ آخر وقت تک بول و براز کے وقت پانی سے پہلے مٹی کا استعمال ضرور فرماتے تھے۔ کبھی بھی ننگے سر رفع حاجت کو نہیں بیٹھے۔ ایک مرتبہ علالت کے زمانہ میں احقر راقم نے ننگے سر رفع حاجت کو بٹھا دیا فوراً فرمایا ٹوپی لاؤ۔ چلنے میں نگاہ نیچی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اوپر سے نیچے کو چل رہے ہیں۔ اس زمانہ میں دعوتوں میں کرسی میز کا عام رواج ہو گیا تھا، اگر آپ کو کسی ایسی دعوت میں شریک ہونا پڑا تو اپنا رومال نیچے بچھایا اور کھانے بیٹھ گئے اور اگر آپؒ اس زمانہ میں ہوتے جس میں دعوتوں میں یہود و نصاریٰ کا طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے، جو خلاف شریعت ہے تو ایسی دعوتوں میں بالکل شریک نہ ہوتے۔

جناب انیس احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> ”آپ اوائل عمر ہی سے متبع شریعت و سنت، پابند صوم و صلوٰۃ نیک صالح، متقی باحیاء، خلیق و مہذب، نرم دل، سنجیدہ، بردبار اور علم دوست تھے۔ طبیعت میں عاجزی و انکساری، مسکینی و فروتنی خلوص و مروت، ایثار و سلوک، شفقت و ترحم، سخاوت و قناعت اور توکل و استغناء تھا۔ لباس و طعام میں کسی طرح کا کوئی تکلف

نہ تھا۔ راستے میں ہمیشہ نظر نیچی کر کے چلتے تھے اور آنے جانے
والوں کو کثرت سے سلام کرتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ راستے
میں کاغذ کا لکھا ہوا کوئی پرزہ پڑا ہوا ملا ہو اور آپ نے ادب سے
اس کو اُٹھا کر کسی جگہ محفوظ نہ کیا ہو۔ اسی طرح کھانا بھی نہایت
سادہ کھاتے تھے۔'' (۱)

ورع وتقویٰ

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی

ورع وتقویٰ اور احتیاط کے باب میں آپ کی حالت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسجد کے جس کمرے میں آپ کی کتابیں رکھی تھیں، اگر چہ وہ کمرہ ایک صاحبِ خیر نے آپ ہی کے استعمال کے لیے بنوایا تھا؛ مگر آخر وقت تک اس کا کرایہ ادا فرماتے رہے۔ مسجد کی روشنی میں کام کیا تو اس کا بل ادا کیا۔ سردی کے موسم میں گرم پانی سے وضو کرتے تھے تو اپنی طرف سے مسجد میں ایندھن کا انتظام کراتے تھے۔ جبکہ عقیدت مند کبھی کبھی آپ کی طرف سے لکڑیاں پہنچوا بھی دیتے تھے۔

جب بھی کسی مدرسہ میں بغرض امتحان یا شرکت جلسہ جانا ہوتا تو اپنے کرائے سے جاتے، اگر کسی مدرسے کے مہتمم نے زیادہ اصرار کیا تو صرف کرایہ کی حد تک بات ہوتی۔ اگر کسی وقت مدرسے کا کھانا کھایا تو چندے کے عنوان سے مدرسہ میں رقم جمع کرا دی۔ جب بھی دہلی جانا ہوتا تو مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ میں آتے جاتے ایک شب قیام ہوتا، صبح کو فرماتے کہ میاں محبّ الحق مدرسے کے حساب میں اتنا روپیہ جمع کر دو۔ تقریبی دعوتوں میں

(۱) نسیم سحر

انتہائی تحقیق کے بعد شرکت فرماتے۔ اگر ذرا بھی مال مشتبہ یا خلاف شرع امور کا علم ہوتا تو اعراض فرماتے۔

عشقِ رسول ﷺ و رقتِ قلب

تو چھپ نہیں سکتا کبھی شیدائے مدینہ ☆ آنکھوں سے عیاں ہے تری صہبائے مدینہ

مولانا فریدیؒ کے دل کو اللہ تعالیٰ نے جو سوز و گداز دیا تھا اور سینے میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو آگ بھڑک رہی تھی، حضرت مولاناؒ اکثر اُسے چھپانے میں کامیاب رہتے تھے، لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ پڑتا اور آپ کی چیخیں نکلنے لگتیں، ایسا ہی ایک واقعہ پیش خدمت ہے!

ایک دن ایک صاحب نے ''تعمیر حیات'' کا پرچہ لا کر دیا۔ اس میں ایک مضمون مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ [ت ۱۳۷۵ھ=۱۹۵۶ء] کا تھا، جس کا عنوان تھا ''کس منہ سے کہتے ہو کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے''

راقم الحروف سے فرمایا کہ سناؤ۔ جب مولانا اپنے رنگ پر آتے ہیں اور ان کا قلم جوش میں آتا ہے تو عجب رنگ دکھاتا ہے اور بات میں بات نکلتی ہے۔

لکھتے ہیں: مدینہ میں جو پایۂ تخت قائم ہوا، وہاں تخت کی جگہ منبر بچھایا گیا، وہی مسجد ہے، وہی جھونپڑا ہے، وہی چمڑے کا اکھرا گدا ہے۔ نہ حاجب ہے، نہ دربان ہے۔ امیر بھی آتے ہیں، غریب بھی آتے ہیں۔ دونوں کے ساتھ ایک معاملہ ہے۔ عجب دربار ہے۔

سلاطین کہتے ہیں: شاہی دربار تھا، فوج تھی، عَلم تھا، پولیس تھی، جلاد تھے، محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر تھے، منصف تھے، ضبط تھا، قانون تھا۔

مولوی کہتے ہیں: مدرسہ تھا کہ درس تھا (دار) قضا تھا تصنیف تھی، تالیف تھی، محراب تھی، منبر تھا۔

صوفی کہتے ہیں کہ دعا تھی، جھاڑ تھی، پھونک تھی، وِرد تھا، وظیفہ تھا، ذکر تھا، شغل تھا

تخنث (چلّہ) تھا، زہد تھا، قناعت تھی۔

بس! یہاں تک سنا تھا کہ مولانا فریدیؒ کی آنکھیں بہہ پڑیں، روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، سبحان اللہ، سبحان اللہ! کی صدائیں بلند ہونے لگیں! ایک حال سا حضرتؒ پر طاری ہوگیا اور بہت دیر بعد آپ کی طبیعت معمول پر آئی۔

دعا کا انداز

گدا کو بھی اہل کرم کم نہ سمجھے ☆ بہت کچھ دیا جس نے دل سے دعا دی

حضرت استاذ مکرمؒ کے پاس اگر کوئی دعا کے لیے حاضر ہوتا یا کسی مفقود الخبر (گم شدہ) کے ملنے کی دعا کو کہتا تو اس کا حال معلوم کرتے، اس سے پوری ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار فرماتے، کب غائب ہوا، کیوں گیا، کہاں جاسکتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی باتیں کرتے کرتے اس سے درمیان میں کہہ دیتے ''اچھا! اللہ مددگار ہے، جب وہ آجائے تو مجھے بھی بتانا'' بس یہی دعا ہوگئی۔ جسے عرف عام میں ''کرامت'' کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے واقعات اگر جمع کئے جائیں تو ایک کتاب تیار ہوسکتی ہے؛ مگر حضرتؒ کو اخفائے حال کا اس قدر اہتمام تھا کہ ان احوال و کیفیات کو ہر شخص سمجھ بھی نہیں سکتا تھا، جس کو کوئی تجلی نظر آ گئی وہ پھر ان کا دل و جان سے گرویدہ اور عقیدتمند ہوجاتا۔

استجابتِ دعا اور صفائے باطن

ہم خدام کو بار بار حضرت مولاناؒ کی دعاؤں کی مقبولیت اور فراست ایمانی کا تجربہ ہوتا تھا اور بعض اوقات تو آپ دعا کے طالبوں کو ایسا اطمینان دلاتے تھے، جیسے آپ کو بالکل اطمینان ہو کہ ایسا ہی ہوگا۔

ماسٹر حاجی علاء الدین امروہوی مرحوم اور حاجی جمیل احمد ساکن بانس کھیڑی مرحوم ان

دونوں کے لڑکے سخت بیمار ہوئے یہاں تک کہ ناامیدی ہوگئی، یہ دونوں مختلف اوقات میں دعائے صحت کی درخواست لے کر حاضر ہوئے۔ آپؒ نے دونوں ہی سے فرمایا: وعدہ کرو ان کو علم دین پڑھاؤ گے! دونوں نے وعدہ کیا۔ بس فرمایا جاؤ! ان میں سے ایک عالم ہو چکے ہیں اور ایک مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں......۔

اسی سلسلے میں ایک واقعہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۸۲ء میں جب آپؒ کو صدر جمہوریہ ہند کے ہاتھوں ایوارڈ ملا تو ایوارڈ ملنے کے دوسرے دن ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی مرحوم نے اپنے بھائی انیس احمد صاحب فاروقی کو (یہ دونوں مولاناؒ کے بھتیجے ہیں) امروہہ اطلاع دے دی کہ چچا میاں آج امروہہ پہنچ رہے ہیں اور پھر آپ سے عرض کیا کہ آپ بھی امروہہ تشریف لے جائیں! فرمایا! غور کروں گا۔ لیکن پھر ڈاکٹر صاحب کے مکان واقع بٹلا ہاؤس سے روانہ ہونے کے بعد راستے میں راقم الحروف سے فرمایا کہ آج امروہہ جانا نہیں ہے، آج تو مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ میں ٹھہریں گے، کل امروہہ چلیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اگلے روز جب امروہہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ کے استقبال کے لیے دونوں مدرسوں (جامع مسجد و مدرسہ چلہ) کے اساتذہ وطلباء اور اہل شہر کثیر تعداد میں اسٹیشن پہنچے تھے اور ارادہ یہ تھا کہ جلوس کی شکل میں مولانا کو لے جائیں گے مگر......۔

اس سلسلے میں ایک یہ واقعہ سنانے کو دل چاہتا ہے کہ اگست ۱۹۸۸ء میں اچانک راقم الحروف سے فرمایا کہ گھر چلے جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ آپ علیل ہیں، اس حال میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ فرمایا تم چلے جاؤ، میں پھر بھی ٹالتا رہا، چار پانچ دن کے بعد حکم فرمایا تم چلے جاؤ۔ بس اب کوئی چارہ نہ تھا، پروگرام بنالیا اور ۱۹/اگست کو روانگی کے وقت جب رخصتی ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو فرمایا: گھبرانا نہیں سب خیریت سے رہیں گے۔ سفر کے دوران حضرتؒ کا یہ جملہ باربار ذہن میں گردش کرتا رہا، لیکن مطلب سمجھ میں نہ آسکا۔ ۲۰/اگست ۱۹۸۸ء کو وطن پہنچا، ۲۱/اگست کی صبح کو بہار کے کچھ اضلاع میں قیامت خیز زلزلہ آیا، اس وقت

آپ کا ارشاد یاد آیا ''گھبرانا نہیں سب خیریت سے رہیں گے۔'' چنانچہ میں بالکل پُرسکون رہا جبکہ گھر کے باقی افراد بہت پریشان تھے، میں سب سے کہتا تھا کہ گھبراؤ نہیں، ان شاء اللہ کچھ نہیں ہوگا؟ گویا آپ کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر یہ اب نہیں گیا تو دوتین دن کے بعد پریشان ہوکر جائے گا۔

اسی سلسلے میں ایک اور واقعہ لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ امروہہ کے مضافات میں ڈھکیہ چمن ایک معروف گاؤں ہے، جو امروہہ سے جانب مشرق و جنوب میں واقع ہے، یہ گاؤں کبھی حضرت مولانا فریدیؒ کے اجداد کی جاگیر میں رہا تھا، یہاں کے اہل حق عوام نے ایک مدرسہ کی ضرورت محسوس کی تو آپؒ سے اس مدرسہ کی بنیاد رکھنے کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ نے بنیاد رکھی اور اس کا نام ''تاج المدارس فریدیہ'' رکھا گیا۔

بنیاد رکھنے کے بعد ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ کچھ مخالفین نے بنیاد اُکھاڑ دی، ذمہ داران مدرسہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر سارا واقعہ بیان کیا، آپ نے بڑے ہی اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ ان شاء اللہ مدرسہ وہیں پر قائم ہوگا۔ انہیں مخالفین میں ایک اور صاحب تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ اس مدرسہ کی بنیاد حضرت مفتی صاحب نے رکھی ہے تو انھوں نے کہا کہ اب مدرسہ یہیں پر قائم ہوگا؛ کیونکہ مفتی صاحب نے اس کی بنیاد رکھی ہے۔ الحمدللہ یہ مدرسہ اسی جگہ پر قائم ہے اور ترقی کی طرف رواں دواں ہے۔ حفظ و تجوید کے علاوہ ابتدائی فارسی عربی کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔

فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ رقمطراز ہیں:

> ''اس وقت نام تو یاد نہیں ہے؛ لیکن کسی قابل اعتماد اور صاحب نسبت بزرگ سے یہ سنا تھا کہ مولانا فریدیؒ اس دور کے صاحب خدمت بزرگ ہیں۔ مولانا کے احوال و مقامات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔''(۱)

(۱) مکتوب حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''جن دنوں ملک میں ایمرجنسی نافذ تھی، اور نس بندی کا ہنگامہ گرم تھا، امروہہ میں عربی مدرسہ کا ایک طالب علم لحاف میں روئی بھروانے بازار گیا تھا، اسے تحصیل کے عملے نے پکڑ کر اس کی نس بندی کردی۔ ایسے بہت سے واقعات ہو چکے تھے، مگر اس طالب علم کا یہ واقعہ مولاناؒ کے علم میں آیا تو بے چین ہو گئے، ایسے حالات میں ان کی بھوک بند ہو جاتی تھی اور کئی دن کھانا نہیں کھاتے تھے...... ایک مرتبہ امروہہ خواجہ حسن ثانی نظامی آئے ہوئے تھے تو ان سے فرمایا کہ میں نے سنا ہے آپ اندرا گاندھی سے ملتے رہتے ہیں، میرا ایک پیغام ان تک پہنچا دیں۔ خواجہ صاحب نے کہا میں ان سے ملتا تو نہیں رہتا البتہ کبھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ کسی جلسے میں وہ بھی ہوں اور میں بھی موجود ہوں تو سرسری ملاقات ہو جاتی ہے۔ فرمایا خیر! وہ جب بھی ملیں تو آپ میرا پیغام پہنچا دیں کہ حکومت فسق و فجور کے ساتھ تو چل جاتی ہے، ظلم کے ساتھ نہیں چلتی۔ اگر انھوں نے یہ مظالم بند نہیں کیے تو ان کا تختہ پلٹ جائے گا۔ حسن ثانی نظامی صاحب کو یہ پیغام پہنچانے کا موقعہ تو نہیں ملا؛ مگر اس درویش خدامست کی زبان سے جو الفاظ نکلے تھے، وہ ایسے نشانے پر لگے کہ ایمرجنسی کے بعد جو عام انتخابات ہوئے ان کے نتیجہ میں کانگریس کو پورے شمالی ہندوستان میں ایک سیٹ بھی نہ مل سکی اور خود اندرا گاندھی جیسی شخصیت کو راج نارائن نے شکست فاش دے دی۔'' (۱)

---

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر

حکیم صیانت اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

''ملک کے فرقہ ورانہ واقعات سے بیحد دل گرفتہ وملول رہتے تھے، مگر عقیدۂ راسخ یہ تھا کہ خدائے قہار بندوں کے ہر طرح کے معائب برداشت کرسکتا ہے مگر ظلم کو نہیں۔ ظالم کو اپنے ظلم کا خمیازہ بھگتنا ہی ہوگا۔ یہی بات انھوں نے ۱۹۷۵ء میں یوں فرمائی جبکہ خود ان کی مسجد بھی سی.آئی.ڈی کا حصار بنی رہتی تھی پھر ۱۹۷۷ء میں اس کے جو نتائج سامنے آئے ساری دنیا نے انگشت بدنداں دیکھا۔''

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''مسجد کے قریب ہی کے ایک ساکن، تمام نمازوں کے مصلی حضرت مفتی صاحبؒ کے بھی نیازمند، ایک دن نہ معلوم کیوں انہیں محسوس ہوا کہ مسجد میں مردوں کو لے جانے والی مسہری نہیں ہے، کسی سے ذکر کیے بغیر اپنی جیب خاص سے مسہری تیار کرائی اور اسے مسجد کی زینت بنا دیا۔ یہ خوشخبری حضرت مفتی صاحبؒ کو سنائی۔ حضرت کو نہ معلوم کیوں یہ سنتے ہی غصہ آگیا اور وہ کہہ ڈالا جس کی ان صاحب کو توقع نہ تھی۔ آخر میں یہ بھی فرمادیا کہ کون مردہ اس پر جائے گا؟ اور ہوا بھی یہی کہ یہ کسی مردے کے لے جانے کا سامان تو نہ بنی مگر وہاں ٹنگی جہاں وضو کے لیے پانی گرم ہوتا تھا اور اس جگہ یہ باعث زحمت بن گئی اور حضرت مفتی صاحبؒ کا تکدر بھی برقرار رہا۔ ایک شب ہوا یہ کہ جن لکڑیوں سے پانی گرم ہوتا تھا، ان میں آگ لگ گئی اور نذر آتش مسہری بھی ہوگئی۔ گیہوں کے ساتھ گھن پسنے کی مثل تو

مشہور ہی ہے، اس آگ سے مسجد کا سائبان بھی محفوظ نہ رہ سکا۔
سائبان تو جلدی ہی پہلے سے بہتر حالت میں تیار ہو گیا؛
مگر سوختہ جاں مسہری کے کوئلوں کو بھی جائے قرار نہ مل سکی۔"(۱)

مولانا محمد اسماعیل صاحب جویادی استاذ حدیث و نائب مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ لکھتے ہیں:

"جس زمانہ میں ملک میں ایمرجنسی نافذ تھی اور جبراً نسبندی کی جاتی تھی اس لرزہ دینے واقعہ سے ہر ہندوستانی خائف و ترساں و حراساں تھا۔ لوگ اپنی جان بچانے کی کوشش میں چھپے رہتے تھے، اس قدر خوف طاری تھا کہ اس پریشانی اور گھبراہٹ کو کسی دوسرے سے اظہار کی ہمت بھی نہیں ہوتی تھی۔ اس افراتفری اور سنگین ہولناکی کے وقت ایس.ڈی.ایم امروہہ نے حضرت مولانا فریدیؒ سے پوچھا کہ نسبندی کرانا کیسا ہے۔ حضرتؒ نے بے خوف و خطر بے باکی کے ساتھ فرمایا کہ مسلمان ہی کے لیے نہیں؛ بلکہ انسان کے لیے نسبندی حرام ہے۔ ایس.ڈی.ایم امروہہ یہ سن کر چلے گئے، اسی رات امروہہ کی ہر در و دیوار پر لکھا ہوا تھا کہ نسبندی حرام ہے۔ انہیں المناک اور ناگفتہ بہ حالات میں حضرت مفتی صاحبؒ، مولانا منظور احمد صاحبؒ اور میں خود راقم ایک تصفیہ کی غرض سے شریف نگر تحصیل ٹھاکردوارہ گئے۔ دیوبند کا فتویٰ نسبندی حرام ہے، ہمارے ساتھ تھا۔ راستہ میں ہر جگہ سراسیمگی اور عجیب ہُو کا عالم تھا، ہم تینوں امروہہ سے

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر

ٹھاکردوارہ ہوتے ہوئے شریف نگر پہنچے، فریقین سے تصفیہ کی گفتگو کر کے ٹھاکردوارہ میں ٹرک پر سوار ہوکر مرادآباد آئے۔ سی.آئی.ڈی والے ہمارا پیچھا کرتے رہے، وہ ہر جگہ ہمارے پیچھے پیچھے رہے، مگر نسبندی کی مہم بہت تیز اور گرم ہوتی چلی گئی۔ موضع کنپورہ کے حافظ عبدالسلام صاحب نے اطلاع دی کہ ہمارے یہاں کے باسٹھ آدمیوں کے مچلکے ہیں کہ نسبندی کراؤ ورنہ جیل میں جاؤ۔ بہت پریشان ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے حافظ عبدالسلام سے جب یہ وحشت ناک خبر سن کر مجھ سے فرمایا کہ تم سیوہارہ جاؤ اور مولانا جلیل احمد صاحب سے کہو کہ وہ عزیز الرحمٰن سے جو ان کے رشتہ دار ہیں اور اتر پردیش حکومت میں ہیں، سفارش کر دیں گے کہ کلکٹر ان پر ظلم نہ کرے۔ میں گیا اور سیوہارہ پہنچا مولانا جلیل احمد صاحب مرحوم سے مشورہ ہوا انھوں نے کہا حافظ محمد صدیق صاحب سے ملو۔ حافظ محمد صدیق صاحب مرحوم سے میں مرادآباد میں ملا اور ان کو حضرت مفتی صاحبؒ کی انسانیت، ہمدردی اور ان کے دُکھے ہوئے دل کا واقعہ سنایا، انھوں نے وعدہ کرلیا، حضرت کی برکت سے مجھے ڈر نہ لگا اور نہ ہی کسی نے تعرض کیا، اس کے بعد حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے چلے گئے، ہمارے گاؤں جویا میں جبری نسبندی کی خبریں ملنے لگیں۔ ان پُر خطر اور ہیبت ناک ماحول میں حضرت مفتی صاحبؒ تُرکی کی ایک جماعت لے کر جویا تشریف لے آئے اور بے خوف وخطر فرماتے رہے کہ نسبندی کرانا حرام

ہے۔ ہماری بستی کے کچھ لوگ نسبندی کے خوف سے رات کو گنے
کے کھیت میں چھپ جاتے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی
تشریف آوری اور اعلان سن کر ان لوگوں کی ہمت بڑھی اور حوصلہ
بندھا۔ حضرت مفتی صاحب جماعت ٹرکی کے ساتھ جو یا میں
رہے، اور فرمایا کہ یہ حکومت جانے والی ہے اور اللہ نے ایسا ہی کیا
کہ اندرا گاندھی جیسی قدآور لیڈر کو راج نارائن نے شکست فاش
دی اور شمالی ہندوستان میں کانگریس کا نام ونشان مٹ گیا۔"

مولانا مفتی عبدالرحمٰن نوگانوی مدظلہ لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ خلیفۂ دوم امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی
شان مبارک میں نوگانواں سادات نئی بستی میں منقبتی مشاعرے
کا پروگرام ہونا طے ہوا۔ پروگرام ہونے والے دن مسلسل سخت
بارش ہو رہی تھی جس کی وجہ سے پروگرام ہونے میں بہت
دشواری پیش آ رہی تھی، حضرتؒ امروہہ سے نوگانواں تشریف
لے گئے، منتظمین نے حضرتؒ سے ادب کے ساتھ عرض کیا کہ
حضرت بارش ہو رہی ہے، ہم مشاعرے کے لیے اسٹیج کہاں
بنائیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کسی بھی جگہ اسٹیج بنا
لو۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ بارش فوراً موقوف ہوگئی اور خوشگوار موسم
میں منقبتی مشاعرہ منعقد ہوا اور کامیاب ہوا۔"

اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں، جن کو لکھنے کے لیے کافی وقت درکار ہے۔ اور جو صفائی معاملات اور دوام ذکر وطاعت کی نعمت آپ کو حاصل تھی، اس کے ہوتے ہوئے ان احوال کا ہونا ذرّہ برابر تعجب خیز نہیں۔ ☐☐☐

دسویں فصل
روزانہ کے معمولات

حضرتؒ کے روزمرہ کے معمولات تہجد کے وقت سے شروع ہوتے تھے اور رات کو گیارہ بارہ بجے تک لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ رہتا۔ ذکر کا معمول بھی تھا، مگر ذکر خفی کا۔ کسی کے سامنے ذکر نہ کرتے تھے۔ مراقبہ بھی کرتے تھے تو اپنے مکان میں بند ہو کر۔ ایک مرتبہ راقم الحروف کسی ضرورت سے گیا تو مسجد میں نہ تھے، مکان میں تھے، کنڈی بجائی اور آواز دی۔ میری آواز سن کر دروازہ کھول دیا، میں نے دیکھا دونوں آنکھیں سرُخ تھیں اور چہرہ تمتما رہا تھا، اس وقت آواز میں بھی عجیب کیفیت تھی۔

آپ اپنی بات یا کسی ادا سے یہ ظاہر نہ ہونے دیتے تھے کہ وہ کوئی ولی اللہ یا درویش یا صاحب باطن بھی ہیں۔ عام آدمی کا سا برتاؤ رکھتے تھے۔ ہزاروں مرد، عورتیں اور بچے دعا کرانے آتے تھے، اگر کسی کے لیے علاج کی ضرورت محسوس کرتے تو طبیب کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے اور عموماً حکیم صیانت اللہ صدیقی مرحوم اور جب ان کے صاحبزادے حکیم شعیب اختر نے مطب میں بیٹھنا شروع کیا تو ان کے پاس علاج کرانے کا مشورہ دیتے تھے، لوگوں کو شفاء بھی ہوتی تھی، حضرت مولانا فریدیؒ نے اپنی پوری زندگی مرضیات الٰہی کے لیے وقف کر دی تھی اور خواہش کو فنا کر دیا تھا۔

قدرت اللہ شہاب اپنی سوانح عمری ''شہاب نامہ'' میں لکھتے ہیں:

''اگر عبادت یا نماز کا مجاہدہ کسی دنیوی غرض سے نہ کیا جائے بلکہ اس ارادے سے کیا جائے کہ بے تکلف افعال صالحہ کا صدور

ہونے لگے تو وہی مشقت ہر ہر فعل کی معاون و مددگار ہوجائے
گی اور رسوخ کامل کا راستہ وا ہوجائے گا۔ یہی استقامت سب
سے بڑی کرامت ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رضا کا سایہ
ہر وقت چھایا رہتا ہے۔ ایسے لوگ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں
یعنی ان کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ان کا ارادہ بھی دعا بن
جاتا ہے، ان کی خواہش بھی دعا ہوتی ہے۔ چونکہ ان کی اپنی
خواہشات کا دائرہ سمٹ سمٹا کر صفر کے برابر ہوگیا ہوتا ہے۔ اس
لیے ان کی دعائیں ان کے ارادے اور ان کی خواہشیں زیادہ تر
دوسروں کے لیے ہوتی ہیں، جن پر قبولیت کا فضل وارد ہوتا ہے،
اپنی ذات کے لیے ان کی صرف ایک ہی دعا اور خواہش ہوتی
ہے وہ حسن خاتمہ کی ہوتی ہے۔" (۱)

انہی ارواح قدسیہ میں سے حضرت فریدیؒ بھی تھے۔

سالانہ معمولات

حضرت مولاناؒ نے جب جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ میں درس کا سلسلہ ختم کیا تو حضرت مولانا سید اعجاز حسنینؒ (۲) [ت ۲۱/ رمضان ۱۴۰۶ھ = ۲۶/ مئی ۱۹۸۶ء]

---

(۱) شہاب نامہ

(۲) [مولانا سید اعجاز حسنین کاظمی۔ آپ محلّہ ملانہ، امروہہ کے رہنے والے تھے۔ ابتداء سے انتہاء تک تمام علوم متداولہ کی تحصیل و تکمیل مولانا سید معظم حسنینؒ کے اہتمام میں جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں کی۔ مولانا سید رضا حسن امروہیؒ اور مفسر قرآن مولانا حافظ عبد الرحمٰن صدیقی امروہیؒ کے مخصوص شاگردوں میں سے تھے۔ فراغت کے بعد جامعہ ہی میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ آپ ایک کامیاب مدرس تھے۔ مشکوٰۃ شریف زیر درس رہی۔ حضرت حافظ عبد الرحمٰنؒ کے مشورہ کے بعد اہل شوریٰ نے پہلے نائب مہتمم بعدہٗ اہتمام کے منصب کی ذمہ داری تفویض کی۔ تقریباً پچاس سال تک اہتمام کی ذمہ داری کو بحسن خوبی انجام دے کر ۲۱ رمضان ۱۴۰۶ھ موافق ۲۶ مئی ۱۹۸۶ء میں وصال ہوا۔]

مہتمم جامعہ کی خواہش کے مطابق طلبہ جامعہ کو رجب، شعبان میں موطاء امام مالک کا درس بلا معاوضہ دیا کرتے تھے۔ رمضان شروع ہونے پر رامپور تشریف لے جاتے اور حکیم سید سلطان احمد مرحوم جو کہ آپؒ کے ماموں زاد بھائی اور ہمدرس تھے اور وہیں مطب کرتے تھے، ان کے یہاں قیام ہوتا تھا اور قاضی شہر رامپور کے کتب خانے میں مطالعہ کرتے۔ پھر دیوبند، کاندھلہ، تھانہ بھون، رامپور، گنگوہ، جھنجھانہ اور سہارنپور کا سفر ہوتا۔ آخری عشرہ میں دیوبند تشریف لے جاتے، مولانا سید اسعد مدنیؒ وہاں اعتکاف کرتے تھے، ان کے یہاں مدنی مہمان خانے میں تین دن قیام ہوتا۔ مولانا سید اسعد مدنیؒ بہت زیادہ اعزاز و اکرام کا معاملہ فرماتے تھے۔ وہاں سے سہارنپور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی خدمت میں تشریف لے جاتے۔

حضرت شیخ کا معاملہ بھی آپ کے ساتھ عجیب تھا، وہاں بھی تین دن قیام کرتے تھے۔ کھانے کے وقت حضرت شیخ کے یہاں آواز لگتی کہ مولانا نسیم احمد فریدی اور ان کے رفقاء پہلے کھانا کھالیں۔ شیخ الحدیثؒ اپنے قریب ہی بیٹھاتے اور اپنے دست مبارک سے کچھ نہ کچھ دیتے رہتے۔ ایک مرتبہ بہت اصرار کرکے دوسو روپے عنایت فرمائے، جب بینائی تھی تو ایک بار حضرت مولانا فریدیؒ بقرعید کے بعد حضرت شیخ کی خدمت میں سہارنپور گئے، کھانے کے وقت قربانی کے گوشت کی روٹی آئی تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں نے آپ کے لیے رکھوادی تھی۔ جب حضرت شیخ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں سے بھی امروہہ کے حاجیوں کی معرفت کھجور، زمزم اور اس کے علاوہ کوئی اور چیز بھیجتے رہتے تھے۔

گیارہویں فصل
سفرِ حج

سفرِ حج سے متعلق چند واقعات جو آپ کے رفیق سفر حاجی ماسٹر علاء الدین مرحوم (۱) کی زبانی راقم الحروف نے سنے ہیں، پیش خدمت ہیں۔

ماسٹر صاحب کا بیان ہے:

مارچ ۱۹۶۱ء میں حضرتؒ کے ہمراہ حج کی سعادت نصیب ہوئی، سفر میں میں ان کی خدمت کیا کرتا، خود میری خبر گیری و راحت رسانی میں پیش پیش رہتے۔ ریل و جہاز میں ہر وقت اپنے قریب ہی بٹھاتے، جب ہمارا قافلہ بمبئی اسٹیشن پر پہنچا تو ایک معلم صاحب (عبدالقادر) ریل کے ڈبے کے قریب آئے، معلم صاحب حضرت سے بغل گیر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت آپ کا قافلہ ہمارے یہاں رہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم معلم عبیدالرحمٰن (۲) کو طے کر چکے ہیں پھر بھی انھوں نے اصرار کیا

(۱) [ماسٹر حاجی علاء الدین مرحوم۔ آپ نیک سیرت و خصلت اور عاجزی و انکساری کا مرقع تھے۔ بسلسلۂ ملازمت دہلی میں قیام رہا تو مولانا احمد سعید دہلویؒ اور مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی صحبت سے مشرف ہوتے رہے۔ مولانا احمد سعیدؒ کے توسط سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئے۔ بعدہٗ جب امروہہ میں ملازمت کا سلسلہ ہوا تو مولانا فریدیؒ کی صحبت میسر رہی۔ انھیں کے واسطے سے راقم الحروف سے بھی قریب رہے۔ آپ کی وفات ۱۹۹۷ء میں ہوئی۔] (بحوالہ: زیارت حرمین–۳۵)

(۲) [آپ کے دادا حافظ عبدالرحمٰن نگینوی ثم مکی ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے نگینہ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ ''مکہ معظّمہ'' ہجرت کر گئے تھے۔ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر امروہیؒ نے وہیں آپ کے دادا سے قرآن کریم حفظ کیا تھا اور پہلی محراب بھی مسجد حرام میں سنائی تھی۔ محب الحق] (بحوالہ: زیارت حرمین–۳۴)

کہ آپ کا قافلہ تو ان کے یہاں چلا جائے اور آپ مع ہمراہی میرے یہاں تشریف لے چلیں۔ آپ نے اس کو بھی منع فرما دیا، وہ یہاں تک مصر ہوئے اور کہا کہ آپ کے اور آپ کے ہمراہی کے تمام اخراجاتِ سفر حج تا واپسی میرے ذمہ ہیں، یہ بھی آپ نے قبول نہ کیا۔

اب اسٹیشن سے مسافر خانے پہنچے۔ اپنا قیام عام حاجیوں کے ساتھ رکھا حالانکہ منتظمین مسافر خانہ نے آپ کے قیام کا الگ بندوبست کرنا چاہا مگر اسے منظور نہ فرمایا۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ سے ملنے تشریف لے گئے تو انھوں نے بھی الگ سے قیام کا بندوبست کرنا چاہا لیکن مولانا نے معذرت کر دی۔ یہاں پر دن رات آپ سے ملنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور ہر شخص زیادہ سے زیادہ آپ کی راحت رسانی کا متمنی ہوتا لیکن آپ فرماتے کہ میاں! آنے جانے والوں کی ٹھوکریں لگتی ہیں تو بڑا مزا آتا ہے۔

آپ مسافر خانے میں تبلیغی کام بھی برابر انجام دیتے رہے، کبھی جماعتوں کی روانگی کی دعا کراتے، کبھی بیان فرماتے تو کبھی کام کرنے والوں کو قیمتی مشوروں سے نوازتے۔ عجیب کیفیت رہی۔ پاسپورٹ کے ضروری قواعد سے فارغ ہو کر اب قافلہ بندرگاہ روانہ ہوا۔ جہاز میں سوار ہوئے، جہاز میں بھی ملنے والوں کی پروانہ وار بھیڑ رہتی تھی۔ عام حاجی سے لے کر علماء تک ملاقات کے لیے آتے، یہاں بھی تبلیغی کام میں آپ کی مشغولیت برابر جاری رہی۔

(۸) دن جہاز کا سفر رہا، آٹھویں دن جدّہ کی بندرگاہ پر جہاز لنگر انداز ہوا۔ جمعہ کی نماز مسافر خانہ کی مسجد میں ادا کی۔ دوسرے دن مکہ معظّمہ پہنچے، بیت اللہ شریف میں حاضری ہوئی۔ طواف عمرہ سے فارغ ہو کر مدرسہ صولتیہ پہنچے، شیخ سلیمؒ [ناظم مدرسہ صولتیہ، متوفی ۲/ شعبان ۱۳۹۷ھ = ۱۸/ جولائی ۱۹۷۷ء] آپ سے مل کر بہت مسرور ہوئے۔ خوب زمزم پلایا اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ماسٹر صاحب یہ اللہ کے ولی ہیں، آپ کا ڈبل حج ہوگا۔

یہاں سے آپ زمزمی صاحب (۱) سے ملاقات کے لیے گئے، جیسے ہی دروازے کے اندر قدم رکھا، زمزمی صاحب لپک کر صحن میں آپ سے چمٹ گئے۔ بہت زیادہ تعریف کی، تو آپ نے فرمایا کہ میں کس قابل ہوں، زمزمی صاحب نے فرمایا: میں سب جانتا ہوں گدڑی میں لعل ہے۔

مدینہ منورہ میں ایک امریکن سے ملاقات ہوئی، انھوں نے درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ امریکہ چلیں، آپ نے انکار فرمادیا: انھوں نے کہا کہ اگر آپ منظور نہیں فرمائیں گے تو شاہ سعود سے سفارش کراؤں گا۔ فرمایا کہ میرے ساتھ مجبوری ہے، میرے دو بھائی مجذوب صفت ہیں، ان کی خبر گیری میرے ذمہ ہے۔ اس کے بعد وہ مایوس ہو گئے۔

حرمین شریفین کے تاجروں کے متعلق فرمایا کہ ان سے سودا لے تو حجت نہ کرے ان کا ہمارے اوپر حق ہے کہ بغیر مال لیے ہی ان کی خدمت کریں۔ مدینہ منورہ میں ایک دن بارش ہوئی تو ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ جب ''گنبد خضرا'' پر بارش کی بوندیں پڑ رہی تھیں تو آپ گنبد خضرا کے نیچے پہنچے اس کی بوندیں اپنے سر پر لیں اور میرے سر پر بھی ڈالیں۔

حضرت مولانا فریدیؒ ''زیارت حرمین'' میں جو آپ کا سفرنامۂ حج ہے، جس کو راقم السطور نے مرتب کر کے شائع کرایا ہے، ارقام فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے امسال حج وزیارت کی توفیق

---

(۱) [ان کے والد شیخ غلام محمد مرحوم لاہور کے رہنے والے تھے۔ یہ غالباً ''مکہ معظمہ'' میں پیدا ہوئے فضلاءِ ''مکہ'' سے تعلیم دین کی تکمیل کی۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے بھی نسبت تلمذ حاصل ہے۔ علم ادب، علم تاریخ، سیرت النبیؐ، سیرت صحابہؓ، حالاتِ عرب خصوصاً ''تاریخ مکہ'' پر بڑا عبور ہے۔ ''مناسک حج'' پر بھی ایک کتاب تالیف فرمائی ہے، بڑے قانع اور متوکل تھے۔ کسی زمانہ میں مدرسہ عزیزیہ میں مدرس تھے، کبھی کتب خانہ ''مسجد الحرام'' کے ناظم بھی رہے ہیں۔ ان کو مکہ معظمہ کے محلوں، وادیوں، پہاڑوں اور اس کے تمام آثار قدیمہ سے بڑی واقفیت تھی۔] (مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: زیارت حرمین: ۹۰-۹۳)

عطا فرمائی۔ میری بڑی تمناؤں میں سے یہ تمنا بھی تھی کہ بیت اللہ اور روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو شاد کام کروں۔ اللہ تعالیٰ نے اس تمنا کو پورا فرمایا۔ اس کے کتنے احسانات ہیں جو آج تک اس بندۂ ناکارہ پر ہوئے ہیں۔ دولت ایمان دے کر ''حرمین شریفین'' کا دیدار کرا دینا بھی اس کا عظیم الشان احسان ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے اور خوب کہا ہے۔

مورِ مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رود
دست برپائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

میرا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ حیرت انگیز طریقے پر اللہ تعالیٰ نے اس سفر مقدس کے لیے اسباب مہیا فرمائے ہیں۔ اس فارسی شعر کو پیش نظر رکھ کر میں نے بھی کہا تھا۔

مثلِ مورِ ناتواں ہیں اُس پہ ہے شوقِ حرم
اے زہے قسمت اگر پائے کبوتر دیکھتے

ریاض خیر آبادیؒ کا یہ شعر مدتوں وردِ زباں رہا۔

کعبہ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاضؔ
زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

الحمدللہ کہ فقیروں کا پھیرا ہوا، اب اس داتا سے دعا یہ ہے کہ پھر بھی پھیرا ہو اور ہم فقیر اپنی جھولیوں کو مرادوں سے بھرتے رہیں۔

لوگ ''کعبہ و گنبدِ خضرا'' کی زیارت نہ ہونے پر اپنی قسمت کا گلہ کیا کرتے ہیں میں نے اس کے متعلق ایک شعر میں کہا تھا۔

اے فریدیؔ ہے عبث تم کو مقدر کا گلہ
شوق دل پیدا تو کرتے پھر مقدر دیکھتے

شوقِ دل کا دعویٰ تو مجھے زیب نہیں دیتا؛ لیکن بہر حال اس دولت عظمیٰ سے نوازا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے تمنائے دیرینہ کو پورا کیا۔ اب حج کی مبروریت اور مقبولیت کی اُمید بھی اسی ذات عالی صفات سے ہے‘‘۔(۱)

دوسری جگہ ارقام فرماتے ہیں:

بتاریخ ۱۲؍شوال المکرّم ۱۳۸۰ھ مطابق ۳۰؍مارچ ۱۹۶۱ء بروز پنجشنبہ پندرہ افراد کے قافلہ کے ساتھ امروہہ سے روانگی ہوئی، مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے ارباب اہتمام، اصحابِ درس، طلباء، تبلیغی جماعت کے ساتھی، شہر کے معززین و مخلصین اور احباب واعزاء رخصت کرنے کے لیے اسٹیشن پر پہنچے تھے۔ برادرم حکیم سید حسن مثنیٰ صاحب رضوی مدظلہ(۲) کی کرم فرمائی قابلِ ذکر

---

(۱) زیارت حرمین

(۲) [مولانا حکیم سید حسن مثنیٰ صاحب رضوی ان گمنام اہل علم اور اہل فکر ونظر میں سے ہیں، جو اپنی خداداد ذہانت، ذوق صحیح، وسیع مطالعہ اور سلامت فکر کے لحاظ سے بڑے بلند مقام کے حامل ہیں؛ لیکن اپنی گوشہ نشینی اور خاموشی کی وجہ سے بہت کم معروف ہیں۔ مولانا کا دادھیال امروہہ کا مشہور رضوی سادات کا خاندان ہے اور نانیہال خانوادہ سید احمد شہیدؒ ہے۔ ان کے دادا مولانا حکیم علی حسن صاحب نامور طبیب حضرت مفتی صدرالدین خاں آزردہ دہلویؒ کے شاگرد رشید تھے اور نواب سید صدیق حسن خاں وغیرہ کے ہم سبق تھے۔ بیعت کا تعلق حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے تھا۔ مولانا کے والد حکیم سید عزیز الرحمٰن صاحبؒ امروہی بڑے حاذق طبیب اور بڑے ذہین تھے۔ حکیم حسن مثنیٰ صاحبنے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ............

ہے کہ وہ طویل گوشہ نشینی کے بعد باوجود ضعف ونقاہت اسٹیشن تک
گئے۔ سجادہ نشینِ (۱) حضرت شاہ عبدالہادی صدیقیؒ کے برادرِ خورد
مولانا شاہ محمد مخدوم صاحب صدیقی مدظلہ (۲) بھی جو رشتہ میں میرے
ماموں ہوتے ہیں از راہِ محبت، پیرانہ سالی اور ضعف بصارت کی
معذوری رکھتے ہوئے رخصت کرنے تشریف لے گئے تھے۔ ان
سب نے دعاؤں کے ساتھ قافلہ کو رخصت کیا۔ دہلی پہنچے، وہاں بھی
احباب واعزاء پلیٹ فارم پر ملاقات کے لیے آئے۔ رات کو بمبئی

.........میں تعلیم پائی۔ ان کو حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ سے بھی تلمذ کا شرف حاصل ہے۔ تاریخ وانساب پر ان کی بڑی وسیع اور گہری نظر ہے اور کم لوگ اس موضوع پر ان کے پایہ کے ہیں۔ عربی اور اردو ادب اور شعر وسخن کا بھی بڑا بلند اور پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں۔ اپنے بعض عوارض اور امراض کی وجہ سے وہ عرصہ سے گوشہ گیر ہیں۔ اگر وہ تصنیف وتالیف کا کام کرتے تو ہندوستان کے صف اول کے مصنفین میں ان کا شمار ہوتا۔ (فریدی) مولانا رضوی صاحب کی ولادت ۳ رصفر ۱۳۱۱ھ موافق ۱۸۹۳ء میں ہوئی۔ سیاست میں بھی دخل تھا۔ امروہہ کانگریس کے سب سے پہلے صدر اور ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۵ء تک امروہہ میونسپل بورڈ کے چیئرمین رہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت تھے۔ ۲۸ ررجب ۱۳۸۲ھ موافق ۱۹۶۲ء میں وفات ہوئی۔ محبّ الحق] (بحوالہ: مقالات فریدی ۱/ ۲۲۱) تفصیل کے لیے دیکھیں: پرانے چراغ، حصہ اول، مؤلفہ: مولانا علی میاں ندویؒ۔

(۱) [سجادہ نشین سے مراد مولانا شاہ سلیمان احمد صدیقیؒ ہیں۔ آپ نے تمام علوم متداولہ کی تحصیل وتکمیل جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ سے کی۔ ۲۳ ررجب ۱۳۸۱ھ موافق یکم جنوری ۱۹۶۲ء میں وفات ہوئی۔]

(۲) [آپ نے بھی جملہ علوم کی تحصیل وتکمیل جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں حضرت محدث امروہیؒ سے کی۔ ۲۶ رجمادی الثانی ۱۳۸۹ھ موافق ۹ رستمبر ۱۹۶۹ء میں وفات ہوئی۔]

جانے والی گاڑی پر سوار ہوئے۔ بحمداللہ ریل میں نماز باجماعت کا اہتمام رہا۔ ہفتے کی صبح کو بمبئی پہنچے۔ بمبئی کے اسٹیشن پر ہمارے معلم حافظ عبیدالرحمٰن صاحب مکی اور ان کے ملازمین موجود تھے۔'' (۱)

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''حج کو روانگی بڑی کیفیت اور سرشاری کے عالم میں اچانک ہوگئی تھی۔ وہاں کی کیفیات کو بیان کرنے سے گریز کرتے تھے۔ وہاں جو لکڑی (بید) ہاتھ میں رہی اور جو جوتے پہنے تھے، ان کو بڑی احتیاط سے رکھا تھا۔ کسی نے لکڑی (بید) کو بداحتیاطی سے توڑ دیا تو کئی دن اس کا ملال رہا''۔ (۲)

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''خاتمۂ زمینداری کے جو بانڈ ملے تھے، ان میں سے اپنے حصے کے بانڈ فروخت کرکے وہ ۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے، اسوقت تک کچھ بینائی موجود تھی، ارکان حج اور طواف وزیارت کے بعد ان کا باقی وقت مدرسہ صولتیہ کے کتب خانہ میں بسر ہوتا تھا، وہاں سے بھی انھوں نے کئی نوادر برآمد کیے، ان ہی میں وہ مثنوی ''مونس مہجوراں'' بھی تھی، جس میں حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ کا حال نظم ہوا ہے۔ اسے مولانا فریدی ہی نے دریافت کیا تھا۔ حج سے واپسی میں جو سامان ان کے ساتھ تھا اس میں آب زمزم، کھجور اور چند تسبیحوں کے علاوہ

---

(۱) زیارت حرمین
(۲) الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر

ایک فاؤنٹن پین بھی تھا، جو انھوں نے اپنی ضرورت سے خریدا
تھا اور ایک اسٹوتھا، جس کی فرمائش میرے ماموں صاحب نے
کردی تھی۔'' (۱)

علمی، تحقیقی واصلاحی اسفار

کثرتِ مشاغل ومعذوریٔ بینائی کے باوجود آپؒ کے بے شمار اسفار متعدد مقامات کے ہوئے، جو اکثر وبیشتر علمی تحقیق وجستجو، تبلیغ واشاعت، اکابر سے ملاقات، دینی مجالس میں شرکت کی غرض سے ہوتے تھے۔ مسجد ومدرسہ کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے آپ کو مدعو کیا جاتا تھا۔ بلافرق قریب وبعید ہر جگہ بہ طیب خاطر تشریف لے جاتے تھے۔ چند اسفار کے احوال حضرتؒ کی ڈائری اور اپنی یادداشت سے نذر ناظرین کیے جاتے ہیں۔

حضرت مولاناؒ کا خودنوشت سفر نامہ

۲ر جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ مطابق ۶ر اگست ۱۹۷۰ء بروز جمعرات امروہہ سے صبح کے وقت بس سے سہارنپور کے لیے روانہ ہوا۔ رات کو بعد نمازِ مغرب رڑکی پہنچا۔ میاں عبدالحسیب بہاری سلّمہٗ متعلم مدرسہ ہمراہ ہیں۔ میاں جلیس احمد سلّمہٗ کی قیام گاہ پر نزد جامع مسجد اور مدرسہ رحمانیہ رُڑکی میں قیام ہوا۔ رات کو مدرسہ رحمانیہ میں آرام کیا، مولانا نور محمد صاحب، محمود صاحب اور دیگر اشخاص سے ملاقات ہوئی۔ بعد عشاء تبلیغی اجتماع میں تھوڑی دیر تقریر کی۔ نزہت بریلوی سے بھی رات کو ملاقات ہوگئی۔

۳ر جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ مطابق ۷ر اگست ۱۹۷۰ء کو قبل جمعہ حضرت مخدوم علی احمد صابر کلیری قدس سرہٗ کے مزار اقدس پر حاضری ہوئی۔ میاں جلیس احمد، میاں عبدالحسیب سلّمہما ہمراہ تھے۔ بواپسی رڑکی بعد نمازِ عشاء ایک مجلس ادب احقر کی صدارت میں نزہت

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فریدی نمبر

صاحب کے اہتمام سے محمود صاحب کے مکان پر منعقد ہوئی۔

۴/ جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ مطابق ۸/ اگست ۱۹۷۰ء صبح کے ناشتہ کے بعد منگلور گیا۔ وہاں قاضی عبدالوالی مدظلہ سے ملاقات ہوئی۔ میاں جلیس احمد سلّمہٗ (بھی) ہمراہ تھے۔ منگلور کے اکابر کے مزارات متصل جامع مسجد پر حاضری ہوئی۔ اسی دن سہارنپور آیا، بابو ایاز صاحب بھی دہلی سے آگئے تھے۔ بخاری شریف کے درس میں مولانا محمد یونس صاحب کے یہاں بیٹھا۔

۵/ جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ مطابق ۹/ اگست ۱۹۷۰ء حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے آج مقدمہ ''اوجز المسالک'' میاں طلحہ سلّمہٗ کے ذریعہ عطا فرمایا۔

۶/ جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۰/ اگست ۱۹۷۰ء، آج رائے پور گیا۔ وہاں شاہ حافظ عبدالعزیز صاحب مدظلہ سے ملاقات ہوئی۔ ظہر کی نماز کے بعد واپسی ہوئی۔ ماسٹر رمضان علی صاحب مدرس مدرسہ معلم القرآن پھلاودہ اور میاں عبدالحسیب سلّمہٗ ہمراہ تھے۔ عصر کے وقت واپسی ہوئی۔

۷/ جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۱/ اگست ۱۹۷۰ء، آج حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' (اسلامی سیاست) ''امداد السلوک'' رسالہ ''اسٹرائک'' اور ''آپ بیتی'' عنایت کیں۔ ناشتے کے بعد ایک گھنٹے سے زیادہ خدمت اقدس میں بوقت خطوط نویسی بیٹھا رہا۔ مولانا محمود صاحب حسن پوری، میاں عبدالحسیب سلّمہٗ بھی ہمراہ تھے۔

سفر حیدرآباد

۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں حیدرآباد کا سفر ہوا۔ جب آپ کی گاڑی صبح کے وقت بھوپال پہنچی تو حکیم ظل الرحمٰن نے ناشتہ دیا۔ حیدرآباد کا سفر بظاہر جلیس احمد فاروقی مرحوم کی شرکت شادی تھا؛ مگر حقیقتاً تشنگی کچھ اور ہی تھی۔ شادی سے فراغت کے بعد آپ کتب خانہ آصفیہ، سعیدیہ، عثمانیہ اور دائرۃ المعارف میں پہنچتے ہیں۔ مطبوعہ اور قلمی کتابوں کو دیکھ رہے

ہیں، ان ہی میں ایک نسخہ حضرت خواجہ خوردؒ کے ملفوظات کامل جاتا ہے، جو بلاشبہ بڑا قیمتی روحانی وعرفانی تحفہ تھا۔ اس کو نقل کیا اور ان ملفوظات کو ایک مقالے کی شکل میں مرتب کر کے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں شائع کرایا۔ اب ''تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ'' میں شامل ہے۔

سفر حیدرآباد کے متعلق پروفیسر خلیق احمد نظامی کو حضرتؒ نے اپنے ایک مکتوب گرامی مؤرخہ ۲۵؍رجب المرجب ۱۳۸۹ھ مطابق ۸؍اکتوبر ۱۹۶۹ء میں لکھا تھا:

''حیدرآباد کا سفر بخیر و عافیت طے ہوا۔ تین چار دن بارش کی وجہ سے شہر میں نکلنا نہیں ہوا۔ عجیب پُر رونق شہر ہے، قلمی کتابوں کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے۔ آصفیہ، عثمانیہ، سالار جنگ اور سعیدیہ میں تقریباً ایک لاکھ قلمی کتابیں ہر ہر فن پر مشتمل ہیں۔ باقی پرائیویٹ کتب خانے علیحدہ ہوں گے۔ آصفیہ میں پانچ چھ دن گیا، فقط فن تصوف کی فہرست دیکھی اور اس میں کی چند کتابوں کا بغور یا سرسری مطالعہ کیا۔ حضرت خواجہ خوردؒ کے ملفوظات کا ایک نسخہ یہاں پر ملا۔ اس کا انتخاب نقل کر لیا، جس کا ترجمہ الفرقان میں آئے گا۔ فہرست میں بعض کتابوں کے نام اور بعض مصنفین کے ناموں کے آگے ان کی وطنی نسبت ہے۔ مثلاً حضرت محمد مجتبیٰ عرف مجّا، قلندر لاہرپوریؒ کے (جو کہ کاکوری خاندان کے تین چار واسطوں کے بعد پیر طریقت ہیں) مکتوبات یہاں پر ہیں اور حضرت شاہ مجتبیٰ قلندرؒ کے نام کے بعد لاہوری لکھا ہوا ہے۔ تصحیح کون کرے اور کس سے کہا جائے؟ موجودہ نظام کتب خانہ بھی غنیمت ہے۔ ایک کتاب کا نام لکھا تھا ملفوظات مولانا فخر الدین مؤلفہ کلیم اللہ بن صبغت اللہ، کتاب کو نکلوایا تو یہ فخر الحسن کی شرح تھی، ملفوظات

نہیں، شرح بہت اچھی ہے۔ معلوم نہیں کہ تم نے اس کا ذکر تاریخ مشائخ چشت میں کیا یا نہیں؟ ''ازالۃ القناع عن وجوہ السماع'' مؤلفہ مولانا نوراللہ بن مقیم الدین پھرایونی مرحوم کی مصنفہ ہے۔ فہرست میں ان کے وطن کا نام بھی نہیں۔ شبہ ہوا کہ یہ پھرایوں والے تو نہیں ہیں۔ کتاب کو دیکھا تو مولانا پھرایونی ہی کی کتاب نکلی۔ حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ کی سوانح حیات ''خیر البیان'' کا ایک نسخہ یہاں ہے، اس کی مجھے تلاش تھی، صرف خلفاء کی فہرست نقل کر لی ہے۔ سو سے زیادہ خلفاء ہیں۔ ان میں بہت سے مشاہیر بھی ہیں۔ ایک امروہہ کے میراں سید حامدؒ ہیں۔

صحائف المعرفت مؤلفہ حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ کا بھی ایک نسخہ یہاں ہے۔ میں اس کتاب کو جھنجھانہ میں دیکھ چکا ہوں۔ عثمانیہ میں... مکتوبات شاہ ابوالرضاؒ اور شاہ عبدالرحیمؒ و شاہ ولی اللہؒ کا یکجائی نسخہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اس میں سے پندرہ بیس مکتوب ایسے نکل سکتے ہیں، جو میرے اس مجموعے میں بھی شامل ہو سکتے ہیں اور معلومات افزا ہیں۔ اس پورے نسخے کی نقل آنی چاہئے... سعیدیہ میں بھی چند گھنٹے رہا، ڈاکٹر یوسف الدین صاحب نے خاص خاص کتابیں دکھائیں۔ مثلاً ابن عساکرؒ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تاریخ دمشق۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک بات عجیب کہی جو یاد رہے گی کہ چاند پر سے مٹی کا لانا آسان ہے مگر یہ کتابیں اگر خدانخواستہ ضائع ہو جائیں تو پھر ملنی مشکل ہیں۔ ''دائرۃ المعارف'' کو دیکھنے گیا، وہاں ڈاکٹر عبدالمعید خاں ناظم ''دائرۃ المعارف'' سے ملاقات ہوئی

نورالاسلام صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے ماموں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے پھر تو بہت خاطر تواضع فرمائی۔

احقر نے بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے دو سفرنامے مرتب کیے ہیں، ان کے اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

سفر رُڑکی

مدرسہ رحمانیہ رُڑکی ضلع سہارنپور موجودہ ضلع ہری دوار اترا کھنڈ کے دارالاقامے کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے حضرتؒ تشریف لے گئے۔ آپ کے ہم سفر راقم الحروف کے علاوہ مولانا منظور احمد صاحبؒ [۱۹۲۱ء-۲، ۷/شعبان ۱۴۲۸ھ=۲۰/اگست ۲۰۰۷ء]، مولانا محمد اسماعیل صاحب، مولانا حکیم عطاء الرحمٰن صاحب حسینی [مرحوم] بھی تھے۔ یہ قافلہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۱ء بروز جمعرات صبح کی بس سے رُڑکی کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں منصور پور ضلع مظفر نگر پہنچ کر مولانا قاری محمد عثمان صاحب داماد شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ (استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند) کی عیادت کی۔ بعد نمازِ ظہر کھانے سے فراغت ہوئی، اس کے بعد منزل مقصود کی طرف روانگی ہوئی۔ عصر کی نماز مظفر نگر بس اڈّے پر پڑھی۔ مغرب کے وقت مدرسہ رحمانیہ نزد جامع مسجد رڑکی پہنچے۔ مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ [۱۱/شوال ۱۳۴۱ھ=۲۹/اپریل ۱۹۲۳ء-۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ=۲۸/اگست ۱۹۹۷ء] کی امامت میں نمازِ مغرب ادا کی۔ بعد نمازِ مغرب مولانا موصوف سے ملاقات ہوئی۔

یکم جنوری ۱۹۸۲ء بعد نمازِ جمعہ حضرتؒ اور مولانا سید صدیق احمد صاحبؒ نے دارالاقامے کا سنگ بنیاد رکھا۔ سنگ بنیاد رکھنے والوں میں آپ دونوں کے علاوہ مولانا معراج الحق صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند، سید احمد شاہ صاحب خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، مولانا معین الدینؒ شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ مرادآباد اور دیگر حضرات بھی

تھے۔ بعدہٗ کھانے سے فراغت ہوئی۔ اب یہاں سے اسی دن دیوبند کے لیے روانگی ہوئی۔ عصر کی نماز منگلور اور دیوبند کے درمیان ایک نہر کے کنارے مولانا معراج الحق صاحبؒ کی امامت میں ادا کی گئی۔ نماز مغرب مدنی مسجد میں پڑھ کر مزارات قاسمی پر حاضری ہوئی۔ اس کے بعد یہ قافلہ سہارنپور کے لیے روانہ ہوا۔ عشاء کی نماز مدرسہ قدیم مظاہر علوم کی مسجد میں ادا کی۔ رات کے تقریباً دس بج چکے تھے، اس لیے اس وقت حضرت شیخ الحدیثؒ سے ملاقات نہیں کی۔ صبح کو بیدار ہونے پر جب معلوم ہوا تو فوراً ملاقات کے لیے بلوالیا کہ حضرتؒ کو اسی وقت سفر کے لیے روانہ ہونا تھا۔

۲؍جنوری ۱۹۸۲ء بروز ہفتہ سہارنپور سے مظفر نگر کے لیے روانگی ہوئی، یہاں سے مولانا منظور احمد صاحبؒ اور مولانا محمد اسماعیل صاحب دامت برکاتہ جدا ہو گئے۔ ایک شب مدرسہ مرادیہ مظفر نگر میں قیام کیا، دوسرے دن بذریعہ بس امروہہ کو واپسی ہوئی۔

سفر سرہند

سفر سرہند کے مختصر احوال آپؒ کے رفیق سفر مولانا حافظ قاری محمد الیاس میرٹھی کی زبانی ناظرین کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں:

۲۱؍رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ صبح کو بذریعہ بس امروہہ سے میرٹھ پہنچے اور مدرسہ نورانیہ ضیاء الفرقان واقع محلّہ پُروا الٰہی بخش میں قاری محبوب الٰہی صاحب کے یہاں قیام کیا۔ صبح کو بذریعہ ریل گاڑی سرہند کے لیے روانگی ہوئی۔ افطار کا سامان سہارنپور ریلوے اسٹیشن سے خرید لیا۔ ظہر کی نماز ریل گاڑی میں ادا کی، عصر کی نماز درگاہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مسجد میں پڑھی۔ منتظم درگاہ نے ایک چھوٹا سا حجرہ قیام کے لیے منتخب کیا؛ جس میں روشنی اور فرش کا بھی انتظام نہ تھا۔ افطار مسجد میں عام دسترخوان پر ہوا۔ نمازِ مغرب کے بعد کھانا بھی اسی حجرہ میں کھایا۔ نمازِ عشاء کے لیے مسجد میں پہنچے۔ تراویح میں کوئی سامع نہیں تھا۔ احقر نے ہی لقمہ دیا۔ نماز سے فراغت کے بعد اجتماعی دعا ہوئی، اس کے بعد مؤذن صاحب (جو

سجادہ نشین صاحب کے ماموں تھے) کی حضرتؒ سے اس انداز میں گفتگو ہوئی:

موذن صاحب: آپ کہاں سے آئے ہیں؟

حضرتؒ : امروہہ سے

موذن صاحب: آپ کا نام کیا ہے؟

حضرتؒ : نسیم احمد

موذن صاحب: ایک نسیم احمد تو فریدی ہیں، آپ انھیں جانتے ہیں؟

حضرتؒ : آپ انہیں کیسے جانتے ہیں؟

موذن صاحب: انھوں نے حضرت مجددؒ اور حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کا ترجمہ کیا ہے، یہ بہت بڑا کام کیا ہے۔

حضرتؒ : میں نے ہی کیا ہے۔

اس گفتگو کے بعد موذن صاحب نے بہت احترام کا معاملہ کیا، خادم کو حکم دیا کہ حضرت کا بستر مہمان خانے میں پہنچاؤ۔ مہمان خانے میں اونچے اونچے پلنگ اور دبیز گدّے تھے لیکن حضرت نے باوجود اصرار منتظمین کے فرش زمین پر ہی آرام کیا۔ یہ احترام تھا اس مقام کا۔

ایک دن کے قیام کے بعد سہارنپور واپسی ہوئی، سہارنپور رات کو پہنچے، حضرت شیخ الحدیثؒ کے آرام کا وقت تھا، اس لیے مسجد میں قیام کیا۔ صبح کو بیداری پر حضرت شیخ الحدیثؒ کو اطلاع ہوئی تو خادم کو حکم ہوا کہ مسجد میں مولانا نسیم احمد صاحب فریدی ہیں، ان کو بلا لاؤ۔ حضرت کی وضع نہایت سادہ تھی اور خادم پہچانتا نہ تھا، وہ مسجد میں گھوم پھر کر واپس چلا گیا اور کہہ دیا کہ وہاں کوئی مولانا نہیں ہیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ جامسجد میں موجود ہیں اور آپ کا حلیہ بتایا، خادم آیا اور آپ کو ساتھ لے گیا۔ وہاں ہمراہی کے متعلق سوال ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ قاری محمد الیاس ہیں۔ حضرت شیخؒ نے خادم کو حکم دیا کہ جامسجد میں قاری محمد الیاس ہیں، ان کو بلا لا۔ وہی معاملہ احقر کے ساتھ بھی پیش آیا، خادم کا خیال تھا کہ قاری محمد الیاس کوئی معمر شخص ہوں گے۔ دوبارہ حضرت شیخؒ نے حکم دیا کہ مسجد میں بلند آواز سے کہہ

دے کہ قاری محمد الیاس کو بلایا جا رہا ہے۔ اس آواز پر میں خادم کے ساتھ حاضر ہوا، حضرت شیخ الحدیثؒ نے دست شفقت احقر کے سر پر پھیرا اور دعا دی۔ اس کے بعد ایک ایک شب دیوبند اور پھلت میں قیام کیا اور امروہہ کو واپسی ہوگئی۔

سفر کھتولی و پھلت

امروہہ سے کھتولی کے لیے روانگی ہوئی، دوپہر کو کھتولی پہنچے، مولانا حکیم برہان الدین مالک معیاری دواخانہ سے ملاقات ہوئی۔ موصوف حضرتؒ کے دارالعلوم کے ہمدرس ہیں۔ بعد نمازِ ظہر تقریباً ساڑھے تین بجے کھتولی سے بذریعہ رکشا پھلت کے لیے روانہ ہوئے۔ تقریباً چار بجے پھلت پہنچے۔ قاری شجاع الدین صاحب کے مکان پر قیام ہوا۔ یہ مکان اسی مسجد کے سامنے ہے، جس میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، [۱۱۱۴ھ = ۱۷۰۳-۱۱۷۶ھ = ۱۷۶۲] حضرت شاہ محمد عاشق پھلتیؒ (۱)، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث

---

(۱) [شاہ محمد عاشق پھلتیؒ۔ آپ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے خلیفہ اکبر بقول شیخ ابوطاہر کردی مدنیؒ ان کے کمالات کا آئینہ تھے۔ رشتہ میں آپ شاہ صاحبؒ کے ماموں زاد بھائی اور برادر نسبتی تھے۔ شاہ صاحبؒ کے خلفاء اور تلامذہ میں آپ کے پایہ کا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ نے تکمیل علم ظاہری اور باطنی آپ ہی سے کی۔ شاہ ولی اللہؒ نے ۱۱۴۳ھ میں سفر حجاز کیا تو رفاقت میں آپ اور آپ کے والد شیخ عبیداللہ بھی تھے۔ صرف ادائے مناسک ہی میں نہیں بلکہ مشائخ حدیث کے پاس سماعت حدیث میں بھی شریک تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کے حالات میں ''القول الجلی فی ذکر الولی'' لکھی جواب اصل اور اس کا ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ شاہ صاحبؒ کی کتاب ''دعاء الاعتصام'' کی شرح کی۔ آپ خود بھی صاحب تصانیف تھے۔ سلوک میں ''سبیل الرشاد'' نامی کتاب لکھی۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ''مصفی شرح موطا'' کی تبیض ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مکتوبات کو تلاش کر کے آپ اور آپ کے صاحبزادے شاہ عبدالرحمٰنؒ نے جمع کیا۔ جس کو صاحب سفرنامہ حضرت مولانا فریدیؒ نے مرتب کر کے اردو ترجمہ کیا ہے اور شاہ ولی اللہ کے نادر مکتوبات کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ شاہ محمد عاشق صاحبؒ کی وفات ۱۱۸۷ھ موافق ۱۷۷۳ء میں ہوئی۔ پھلت ضلع مظفرنگر میں مدفون ہیں۔ (محب الحق)] (زیارت حرمین-۸۴)

دہلویؒ [۱۱۵۹ھ-۱۲۳۹ھ = ۱۸۲۴ء] اور ان کے سلسلے کے متعدد اکابر نے نمازیں پڑھی ہیں۔ کھتولی سے ہی گھٹا اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ اب برسی اب برسی مگر پھلت پہنچ گئے۔ راستے بھر بڑا سہانا موسم رہا۔ خوش گوار ہوا چل رہی تھی، پھلت پہنچ کر بارش شروع ہوئی۔ راستے میں قاری شجاع الدین مرحوم نے اپنے صاحبزادے کے بارے میں جو حافظ ہیں بتایا کہ بزرگوں سے بڑا لگاؤ رکھتے ہیں۔

ایک بات پر حضرتؒ نے فرمایا کہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ فرمایا کرتے تھے کہ "نان ملا کس ندید" پھر درد بھرے انداز میں یہ شعر پڑھا:

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

پھلت پہنچ کر فرمایا کہ اس سرزمین پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عظمت کی وجہ سے بزرگان دین ننگے پاؤں چلے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنے ننہیال میں یہیں پیدا ہوئے۔ قاری شجاع الدین مرحوم نے عرض کیا کہ حضرت کھتولی میں نیا مکان بنایا ہے، میرا ارادہ تھا کہ اس مکان میں آپ کو ٹھہراتا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک رات یہیں اور رہ لیں گے۔ یہاں کی برکتیں ہی اور ہیں، بس عمر کا کوئی پتہ نہیں۔ ۲۳ر رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ کو دیوبند، سہارنپور کے لیے روانہ ہوئے، ایک ایک شب قیام کے بعد امروہہ واپسی ہوئی۔

ان کے علاوہ آپ کے متعدد اسفار مندرجہ ذیل مقامات کے ہوئے:

اجمیر شریف، الٰہ آباد، بجنور، بلند شہر، بریلی، بمبئی، پھلت، پھلاودہ، تھانہ بھون، ٹھاکردوارہ، جانسٹھ، جلال آباد، جونپور، جھنجھانہ، چاندپور، حسن پور، حیدرآباد، خورجہ، دہلی، دیوبند، رامپور، رائے بریلی، ردولی، رڑکی، سرہند، سنبھل، سہارنپور، سیتاپور، شریف نگر، کانپور، کاکوری، کاندھلہ، کلیر، کھتولی، گلاوٹھی، گلڑیا معافی، گنگوہ، لاہرپور، لکھنؤ، مرادآباد، مظفرنگر، منصورپور، میرٹھ، میراں پور، نانوتہ، نجیب آباد، ہاپوڑ وغیرہ۔ ☐☐☐

بارہویں فصل

شاعری میں آپ کا مقام

آپؒ جہاں ایک طرف مفسر، محدث، فقیہ، مفتی، مبلغ، معقولی، منقولی عالم تھے تو دوسری طرف ادیب وانشاء پرداز، فصاحت و بلاغت کے ماہر اور قادرالکلام شاعر بھی تھے، امروہہ کے مشہور مزاحیہ شاعر علامہ سلطان احمد شہباز امروہوی مرحوم [ت ۲۱/ رمضان ۱۴۰۵ھ = یکم جون ۱۹۸۵ء] آپ سے اپنے کلام پر مشورہ لیتے تھے، جبکہ دونوں میں اپنے اپنے استاذوں کی قابلیت کے بارے میں چھ ماہ تک تحریری مناظرہ ہو چکا تھا (افسوس کہ یہ تحریریں محفوظ نہ رہیں) لیکن جب دونوں ملتے تو ایسے ملتے کہ جیسے کبھی کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ شہباز صاحب مرحوم کے استاذ مولانا حبیب احمد اُفق کاظمیؒ اور آپ کے استاذ منشی عزیز احمد صاحب عزیز (۱) متوفی ۱۹۷۱ء تھے۔

امروہہ ہی کے دوسرے مشہور نعت گو شاعر حافظ ماسٹر عبدالرؤف صاحب رؤف (۲) کو جب اپنے دیوان کی اصلاح کی ضرورت پیش آئی تو پاکستان مولانا اُفق صاحب کاظمی کو خط لکھا کہ آپ میرے دیوان کی اصلاح فرمادیں۔ اُفق صاحب نے جواباً لکھا کہ میں دور دیار میں ہوں یہاں سے اصلاح ممکن نہیں۔ آپ امروہہ ہی میں اصلاح کرالیں تو اچھا ہے اور آپ کے کلام کی اصلاح مولانا نسیم احمد صاحب فریدی کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔ آپ

---

(۱) ہمارے استاذ مکرم مولانا نسیم احمد فریدیؒ کے استاذ منشی عزیز احمد صاحب عزیز امروہوی کے استاذ مضطر خیرآبادی تھے۔ ان کے استاذ امیر مینائی لکھنوی تھے جو اسیر لکھنوی کے شاگرد تھے اور اسیر لکھنوی شیخ غلام احمد ہمدانی مصحفی امروہوی کے شاگرد تھے۔

(۲) آپ کا انتقال ۱۶/ دسمبر ۱۹۸۶ء کو ہوا۔ [مفصل حالات کے لیے دیکھیں: مقالات فریدی ۳/۱۲۳]

انہیں سے اصلاح کرائیں۔ چنانچہ رؤف صاحب نے اپنے کلام کی اصلاح آپؒ سے کرائی۔ حضرتؒ نے ان کے کلام کو بالاستیعاب پوری توجہ سے سنا اور نہایت غور وخوض کے ساتھ اصلاح فرمائی۔ جب آپ پوری طرح مطمئن ہوگئے تو ''لخلخۂ محامد اور کوثر رحمت'' پر تقریظ بھی لکھی۔ یوں تو آپ فن شاعری کی تمام اصناف پر قدرت رکھتے تھے؛ لیکن آپ کا خاص مزاج ومیلان نعت ومناقب کی طرف تھا۔ جب آپ نعت ومنقبت کہتے تو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حبِ صحابہؓ میں مستغرق ہوجاتے۔ رئیس احمد رئیس امروہوی نے آپ کی نعت گوئی کے بارے میں بالکل صحیح کہا ہے ؎

نعت گوئی میں وہ اپنے وقت کا حسانؔ تھا
شان والوں کے مقابل وہ بڑا ذیشان تھا

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''ابتدائی زمانے میں شاعری کا بڑا شوق تھا، اپنے مکان میں مشاعرے کی محفلیں بھی اکثر منعقد کرتے تھے، منشی عزیز احمد صاحب عزیزؔ مضطر خیرآبادی سے (جو امیر مینائی کے شاگرد تھے) تلمذ حاصل کیا۔ منشی عبدالرب شکیبؔ سے بھی شعر وشاعری میں مشورہ لیا۔ وہ ابوالحسن ساکتؔ امروہوی (تلمیذ خاص نظامؔ رامپوری) کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ہی امدادؔ سے فریدیؔ تخلص رکھوایا۔ مجھے ان کا کوئی کلام یاد نہیں لیکن حضرت مجدّد صاحبؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ پر ان کی نظمیں دل ودماغ پر نقش ہیں ......بچپن کا ایک واقعہ یہاں بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ماموں صاحب کی ایک غزل تھی، جس کا مقطع تھا ؎

اے فریدی کیوں گل وبلبل کا سودہ سر میں ہے

(پوری غزل یاد نہیں) میں نے فریدیؔ کی جگہ نظامیؔ کر دیا اور اپنی

بڑی بہن کی معرفت پوری غزل ''تہذیب نسواں'' میں اشاعت
کے لیے بھیج دی کہ میرے چھوٹے بھائی کی تصنیف ہے وہاں
سے واپس آ گئی کہ یہ کسی بڑے آدمی کا کلام معلوم ہوتا ہے پھر یہ
واقعہ ماموں صاحب کو سنایا، ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔''(۱)

جناب انیس احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''آپ کے اندر شعر گوئی کی صلاحیت خداداد تھی، طبیعت موزوں
اور ذہن رسا پایا تھا۔ تمام اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی۔ آپ
کا کلام نہایت معیاری ہوتا تھا، نعت ومنقبت آپ کا خاص میدان
تھا۔ آپ نے بڑے ہی پُرسوز، عاشقانہ اور والہانہ انداز میں نعتیں
کہیں ہیں جو ''از دل خیزد و بر دل ریزد'' کا مصداق ہیں۔''(۲)

غیور حسن امروہوی لکھتے ہیں:

''ادب میں مولانا کے مقام کا تعین کرنا ناقدانِ فن کا کام ہے،
میں اس کا اہل نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ اب انھوں نے شاعری
ترک کر دی ہے (نعت ومناقب کی دوسری بات ہے) لیکن جب
کرتے تھے اس وقت بھی ان کے یہاں پراگندگی، بے راہ روی
اور اخلاق شکنی نہیں تھی، حالانکہ ہمارے بعض شاعر تصوف کی آڑ
لے کر ان کہی تک کہہ جاتے ہیں۔''(۳)

شاعری میں آپ نے اپنے لیے پہلے امداد تخلص رکھا پھر آپ کے استاذ منشی عبدالرب شکیبؔ جن کی فارسی زبان وادب میں اچھی لیاقت تھی، انھوں نے آپ کا تخلص امدادؔ سے بدل کر فریدیؔ کر دیا تھا۔

حضرت مولانا فریدیؒ کے ابتدائی دور ۲۵-۱۹۲۶ء کے جبکہ آپ کی عمر ۱۴-۱۵ کی

(۱) فریدی نمبر (۲) نسیم سحر (۳) جلیے اور خاکے

ہوگی اشعار پیشِ خدمت ہیں اور اس کے بعد کا کلام بھی نمونۂ نذرِ ناظرین کیا جاتا ہے۔

ابتدائی دور کے چند اشعار

عدم سے مری ہستی کو کیا اک دم عیاں تونے
یہاں پر کچھ دنوں رکھ کر کیا اس کو نہاں تونے
تعجب ہے کہ ہر اک شئے سے ترا نور ظاہر ہے
پتا لیکن نہ طالب کو دیا اے جانِ جاں تونے
غزل امدؔاد کی سن کر یہ کہتے ہیں سبھی شاعر
علیحدہ ہی رکھا ہے اپنا کچھ طرزِ بیاں تونے

❑❑❑

یادِ جاناں کے سوا عیش سے کچھ کام نہیں
عاشقِ زار ہوں میں طالبِ آرام نہیں
میری امداد پہ ہیں شافعِ محشر امدؔاد
پرسشِ حشر سے واللہ مجھے کام نہیں

❑❑❑

امدؔاد مثل سائے کے میں خاکسار ہوں
پہنچا سکے گا مجھ کو نہ دشمن ضرر کبھی
داغِ جبیں پہ پڑ گئے کثرتِ سجدہ کے سبب
ایک زمانہ ہو گیا پڑھتے ہوئے نمازِ عشق

❑❑❑

حضرت مولانا فریدیؒ کے کلام میں پختگی آجانے کے بعد کی دو نعتیں اور دو منقبتیں، جو حضرت مجددالف ثانیؒ اور حضرت شاہ اللہ محدث دہلویؒ کی شان میں کہی ہیں، یہاں پیش ہیں:

نعت

عرشِ اعظم پہ گئے شاہ امم آج کی رات
حور و غلماں نے لیے بڑھ کے قدم آج کی رات

عرش و کرسی پئے تعظیم ہیں خم آج کی رات
فرطِ عظمت سے جھکے لوح و قلم آج کی رات

ہر دو عالم کی فضا نور سے معمور ہوئی
ذرّے ذرّے پہ ہے تنویر حرم آج کی رات

اللہ اللہ یہ علو اور یہ شوکت اُن کی
ہفت افلاک کے سر ہو گئے خم آج کی رات

نازشِ طور ہے بطحی کی زمین کیا کہنا
کتنی پُر نور ہے قندیل حرم آج کی رات

بارشِ جلوہ ہوئی بام و درِ کعبہ پر
نور سے بھر گئی آغوشِ حرم آج کی رات

درگہہ ناز سے رحمت کے خزانے لے لو
چشم سرکارؐ ہے مائل بہ کرم آج کی رات

لائے امت کے لیے عرش سے تحفے میں نماز
گئے معراج کو جب شاہِ امم آج کی رات

ذکر آقاؐ کا کریں آؤ فریدیؔ ہم بھی
کتنی پُر کیف ہے خالق کی قسم آج کی رات

❑❑❑

دوسری نعت کے کچھ اشعار پیش ہیں:

نعت

عظمت مصطفیٰؐ پہ تو جان کو بھی نثار کر
بن کے غلامِ شاہِ دیں عشق کو اختیار کر

آئینۂ عمل میں دیکھ عکسِ جمال اتقیاء
حسنِ خلوص کو دکھا زلف یقیں سوار کر

امت مصطفیٰؐ کے ساتھ کیوں ہیں یہ سرد مہریاں
کہتی ہے مومنوں سے آج روحِ عمرؓ پکار کر

کرمک شمع سے تو سیکھ عشق کی گرم جوشیاں
طوفِ حریم مصطفیٰؐ شوق سے بار بار کر

❑❑❑

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شان میں کہی گئی نظم:

آفتابِ سرہند

بساطِ ہند پر جب شرک و بدعت کی حکومت تھی
ہر اک جانب ہر اک سو ہر طرف ظلمت ہی ظلمت تھی

اور اس ظلمت میں دیں تھا "کرمک شب تاب" کی صورت
خزاں دیدہ چمن میں اِک شبِ شاداب کی صورت

علانیہ روافض رفض کی تلقین کرتے تھے
ابو بکرؓ و عمرؓ کی بے دھڑک توہین کرتے تھے

جلال الدین اکبر نے تھی طرح دین نو ڈالی
تھی مضمر جس میں یکسر ملت بیضاء کی پامالی

غرض فتنوں کی شوریدہ سری اک رنگ لائی تھی
خزاں اسلامیان ہند کے گلشن پہ چھائی تھی

خدائے پاک کی غیرت نے لی اس وقت انگڑائی
عمرؓ کے خاندان سے اک مجدّد کی صدا آئی

مجدّد بھی وہ کیسا الف ثانی کا مجدّد تھا
ضلالت کا مٹانے والا سنت کا مؤید تھا

شریعت کا طریقت کا حقیقت کا مجدّد تھا
فقاہت کا تصوف کا مشیخت کا مجدّد تھا

تبرے کی جگہ مدح صحابہؓ کو کیا جاری
تقیہ کی عوض تقویٰ کو رگ رگ میں کیا ساری

محمد مصطفیٰؐ کے دین خالص کو کیا ظاہر
کیا اسلام کو آمیزش بدعات سے طاہر

کیا الہامی ارشادات سے احیاء شریعت کا
تصانیف اور مکتوبات سے احیاء شریعت کا

وہ مکتوبات جن میں علم و حکمت کا خزانہ ہے
افادیت کی جن کی معترف سارا زمانہ ہے

وہ مکتوبات ہر ہر سطر جن کی سلک گوہر ہے
وہ مکتوبات نقطہ نقطہ جن کا خالِ دلبر ہے

قلم میں وہ روانی رودِ گنگا جس سے شرمائے
معارف وہ کہ جن کو سن کے عارف وجد میں آئے

وہ صورتِ سرمدی تھی یا صدائے شیخ سرہندیؒ
جسے سن کر ہوئے بیتاب رومی و سمرقندی

کیا مستحکم و ہموار اہل دین و ایماں کو
دیا درسِ یقین و تقویٰ ہر مرد مسلماں کو

پڑھایا کلمہ توحید خالص کفر والوں کو
کیا صیدِ حرم بھارت کے رم خوردہ غزالوں کو

نہ صرف ہندوستاں تھا دائرہ ان کی ولایت کا
حجاز و مصر و شام و روم بلکہ سارا عالم تھا

الٰہی ہند میں پھر اک مجدّد کی ضرورت ہے
بڑا ہی روح فرسا انتشار اہل ملت ہے

الٰہی بھیج دے پھر شیخ احمدؒ سا کوئی رہبر
الٰہی بھیج دے فاروقی سطوت کا کوئی رہبر

فریدیؔ کی دعاے نیم شب مقبول ہو جائے
وہی اگلی سی رونق دین کی پھر لوٹ کر آئے

❑❑❑

نذرانۂ عقیدت
مزارِ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ پر

مزارِ حضرت شاہ ولی اللہ پر ہمدم
دلِ پُر یاس و حسرت چشم گریاں لے کے آیا ہوں

نہیں آیا میں خالی ہاتھ اس درگاہِ عالی میں
عقیدت کیشاں، نقد دل و جاں لے کے آیا ہوں

جو کمہلا جائیں دو اک روز میں وہ پھول کیا لاتا
میں اپنے باغ دل کی چند کلیاں لے کے آیا ہوں

چڑھانے کو تری تربت پہ چادر ساتھ کیوں لاتا
میں اپنے سر پہ تیرا بار احساں لے کے آیا ہوں

مرے پیش نظر تصویر ہے بزم محدث کی
تصور میں گلستاں در گلستاں لے کے آیا ہوں

وہ دہلی اور اس کی شوکتیں پھر یاد آئی ہیں
خزاں کے دور میں یادِ بہاراں لے کے آیا ہوں

بچایا راہ زن سے رہنمائی نے تری اس کو
بحمد اللہ متاع دین و ایماں لے کے آیا ہوں

تری تعلیم کے صدقے سے ہے جس میں تڑپ باقی
اسی حساس دل کو زیر داماں لے کے آیا ہوں

سنا دے پھر وہی نغمے مجھے توحید و سنت کے
میں ان نغمات کے سننے کا ارماں لے کے آیا ہوں

فلک سے کہہ دو اب شبنم کے قطروں کو نہ برسائے
میں قبر شیخ پر اشکوں کی لڑیاں لے کے آیا ہوں

عقیدت، نقدِ الفت، یادِ ماضی، سوزِ پنہانی
مزارِ شیخ پر کیا کیا میں ساماں لے کے آیا ہوں

سنانی ہے مجھے اک داستاں بزم تصور میں
میں اک دنیائے جذبات پریشاں لے کے آیا ہوں

فریدیؔ میں نہیں آیا ہوں تنہا مرقدِ شہ پر
دعاہائے فراواں، ذوقِ پنہاں لے کے آیا ہوں

□□□

تیرہویں فصل

علالت ورحلت

رات دن زیر زمیں لوگ چلے جاتے ہیں
نہیں معلوم تہ خاک تماشہ کیا ہے

شعبان ۱۴۰۸ھ سے آپؒ کی علالت شروع ہوئی، بخار رہنے لگا۔ حکیم شعیب اختر بن حکیم صیانت اللہ امروہوی کا علاج شروع ہوا۔ موصوف آپ کے مزاج شناس معالج خاص تھے؛ لیکن بہ مشیت ایزدی اس بار ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' علالت کی حالت میں بھی صیام رمضان مبارک اور تراویح کا خاص اہتمام رہا، پھلت، دیوبند اور سہارنپور کا سفر بھی ہوا۔ ضعف بڑھتا رہا، اس کے باوجود معمولات میں کوئی فرق نہ آیا، آپ کو اپنی رحلت کا یقین ہوگیا تھا۔ اشارۃً خدام سے فرما بھی دیتے تھے؛ لیکن اشارے ایسے تھے کہ بعد رحلت سمجھ میں آئے۔ ہوش وحواس آخر دم تک قائم رہے۔

آخری ایام میں بھی معتقدین کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہا، باوجود معالج کی ہدایت کے اس پر کنٹرول نہ ہوسکا۔ خود حضرتؒ بار بار یہی ارشاد فرماتے تھے: میاں لوگ عقیدت سے آتے ہیں، آنے دو یہ کیا کہیں گے۔ ماہ صفر میں ڈاکٹری علاج شروع ہوا؛ لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ گردے وجگر ماؤف ہوچکے تھے، سینے پر بلغم کا اجتماع ہوگیا تھا، ماہ صفر کے آخر میں بار بار غشی کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی، افاقے پر آپؒ اکثر دریافت فرماتے: کیا ربیع الاوّل شروع ہوگیا؟ جواب نفی میں ملتا، آپ خاموش ہوجاتے، بہرحال جب آپ کے استفسار پر عرض کیا گیا کہ ربیع الاوّل شروع ہوگیا تو چہرہ پر اطمینان وانبساط کے آثار نظر آئے۔

۵؍ربیع الاوّل ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۸؍اکتوبر ۱۹۸۸ء بروز منگل صبح کے وقت استغراقی کیفیت کے بعد راقم الحروف سے فرمایا: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تشریف لائے تھے، بلا گئے ہیں۔ کچھ دیر بعد پیشاب کی حاجت ہوئی، بٹھایا گیا، اتنے میں باہر سے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ آپؒ نے فرمایا کہہ دو ہم آتے ہیں! اور پھر جلدی طہارت سے فارغ ہوکر لیٹ گئے اور آخر کار وہ گھڑی جس کے لیے بے چین تھے آپہنچی اور آپ نے اسی شوقِ لقاء کے ساتھ اس دارِ فانی کو الوداع کہا جو خاصانِ خدا کی خاص علامت اور عشاقِ ایزدی کی پرانی رسم ہے۔ ''برد اللہ مضجعہ وطیب ضریحہ''

آپ کے انتقالِ پُر ملال کی خبر امروہہ، مضافات امروہہ، مرادآباد، دیوبند، میرٹھ، دہلی وغیرہ دور دور مقامات تک ایسی تیزی سے پھیلی کہ وہم وگمان بھی نہ تھا۔ علاقے پر اس سانحۂ عظیمہ کی کیفیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ بلا قید مسلک ہی نہیں؛ بلکہ بلا قید مذہب و ملت امروہہ شہر کے تمام بازار یک لخت بند ہوگئے، یہاں تک کہ تمام سرکاری وغیر سرکاری ادارے، اسکول، کالج، دفاتر حتیٰ کہ منصفی اور تحصیل کی بھی تعطیل کردی گئی۔ اس روز عجیب ہُو کا عالم تھا۔ شہر میں سناٹا چھایا ہوا تھا، ہر کس وناکس اُداس اور مغموم تھا، گویا اس کی محبوب ترین متاع گم ہوگئی ہو، اس روز امروہہ میں ہر مرد وزن، خورد وکلاں غمگین اور سوگوار تھا۔ ہر ایک خود کو بے سہارا ویتیم سمجھ رہا تھا۔

بعد مغرب غسل دیا گیا۔ غسل حضرت مولانا محمد اسماعیل دامت برکاتہم نے دلایا۔ راقم الحروف نے بھی اس میں مدد کی۔ عشاء کی نماز کے بعد جامع مسجد، امروہہ میں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ میں تقریباً تیس، چالیس ہزار کا مجمع تھا۔ یہ تاریخ امروہہ کا بے مثال مجمع تھا کہ اس سے قبل کسی کے جنازے میں اتنا مجمع نہیں دیکھا گیا۔ جنازے کو واپس محلّہ جھنڈا شہید ہی لے جانا تھا، جو جامع مسجد، امروہہ سے چند منٹ کی مسافت پر ہے؛ لیکن مجمع کی کثرت کی وجہ سے جو کاندھا لگانے کے لیے ایک

دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا۔ جنازہ جلوس کی شکل میں ذکر کرتا ہوا امروہہ کے مختلف محلوں اور راستوں سے گزرتا ہوا تقریباً دو گھنٹے میں محلّہ جھنڈا شہید پہنچا۔ قبر محلّہ جھنڈا شہید کی مسجد کے دروازے کے متصل حجرے میں تیار کی گئی، اب وہ حجرہ ختم کر دیا گیا ہے۔ میت کے ساتھ جلوس کی کثرت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ گذرگاہ کے تمام چوراہوں پر جوتوں اور چپلوں کے ڈھیر صبح کو دیکھے گئے۔ کثرت اژدہام کی وجہ سے جس کا جوتا پیر سے نکل گیا تو نکل گیا۔ مجمع اب بھی پروانہ وار دفن کے لیے ٹوٹا پڑتا تھا، مسجد کا دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا؛ مگر لوگ دیوانہ وار دیواریں پھاند کر اندر کھچا کھچ بھر گئے۔ بالآخر ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی مرحوم نے موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے مجمع کو منت، سماجت سے رخصت کیا۔ اس پر مجمع کچھ کم تو ہوا مگر دفن کی دشواری کم نہ ہوئی۔

مجبوراً ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی مرحوم نے بآوازِ بلند اعلان کیا کہ ہماری طرف سے قبر میں اتارنے کی کسی کو اجازت نہیں سوائے مولانا محب الحق صاحب، نفیس احمد صاحب، احسن امیر صاحب اور مولانا عطاء الرحمٰن صاحب کے۔ اس پر مجمع مجبور ہو گیا۔ اس موقع پر احسن امیر صاحب کی قربانی بھی قابل ذکر ہے کہ انھوں نے اپنی اس سعادت کو بقیہ تین ساتھیوں کے سپرد کر دیا اور اپنے ایثار کا اعلان کر کے مجمع کے سدِراہ ہو گئے۔ احقر نے اپنے دونوں ساتھیوں کی مدد سے رات کو دس بجکر چالیس منٹ پر اس خزانۂ علم وحکمت وگنجینہ معرفت کو سپردِ رحمت کر دیا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

بقول حکیم مومن خاں مومنؔ دہلویؒ ؎

دست بیداد اجل سے بے سر و پا ہوگئے
فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

چوتھا باب

تصنیف وتالیف
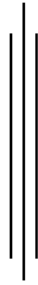
چمن میں بلبلیں گاتی ہیں میرے ہی نغمے
فریدی کہتے ہیں جس کو وہ خوش نوا ہوں میں

تصنیف وتالیف

اللہ نے مولانا فریدیؒ کی فطرت میں تحریر وتصنیف کا عمدہ سلیقہ بچپن سے ودیعت فرمایا تھا؛ بلکہ تصنیف وتالیف اور مطالعے کا ذوق ورثے میں ملا تھا۔ آپ کے خاندان میں متعدد لوگ صاحب تصنیف وتالیف گزرے ہیں اور انھوں نے کتابی صورت میں اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں۔

حضرت مولانا فریدیؒ کی عمر تقریباً ۱۰-۱۱ سال کی ہوگی تو دل میں کتاب تصنیف کرنے کا شوق وولولہ پیدا ہوا۔ چند مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرکے ''مجمع البیان'' نامی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ایک کتاب تصنیف کی اور حکیم سید سلطان احمد رضوی امروہوی مرحوم نے جو کہ آپ کے ماموں زاد بھائی اور ہمدرس تھے، اپنے خرچ سے شائع کرائی۔ اس کتاب کو دیکھ کر ایک صاحب نے طنزاً کہا کہ: میاں! تمہاری تو یہ قابلیت نہیں کہ کتاب لکھو، کہاں سے نقل کرلی؟ معترض کو علم نہیں تھا کہ

بالائے سرش ز ہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

مولانا فریدیؒ کی تصنیفات وتالیفات اور مقالات معارف وحقائق کا مجموعہ ہیں۔ اللہ نے آپ سے وہ عظیم الشان کام لیا، جو ایک کمیٹی یا ایک ادارہ انجام نہیں دے سکتا۔

حضرت مولانا فریدیؒ کے دادا کے برادر معظم مولوی ارشاد علی فاروقی مرحوم نے متعدد کتابیں تصنیف کیں؛ خصوصاً ''بشیر المدائح، بشیر النصائح، بشیر الانشاء، مصدر ارشاد اور انشاء ارشاد'' مشہور ومعروف ہیں اور یہ تمام کتابیں اس زمانے میں مدارس میں داخل نصاب

تھیں۔بعد کی کڑیوں میں آپ کے خواہرزادے پروفیسر خلیق احمد نظامی سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ وسفیر شام اور برادرزادے ڈاکٹر نثار احمد فاروقی سابق صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی دہلی برصغیر کے مایہ ناز صاحب قلم، ادیب اور مؤرخ تھے۔

حضرت مولانا فریدیؒ کی پوری زندگی علم وقلم اور درس وتدریس کے لیے وقف تھی وفات تک آپ کا قلم جاری وساری رہا اور آپ کی تمام کتابوں نے اپنی افادیت کے لحاظ سے شہرت دوام حاصل کی ہے۔

حضرت مولانا فریدیؒ کی جو کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں، ان کو مختصر تعارف کے ساتھ نذر ناظرین کیا جاتا ہے:

(۱) مجمع البیان

سیرت واخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، صرف آٹھ صفحے۔

(۲) تذکرہ خواجہ باقی باللہ مع خلفاء اور صاحبزادگان

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیر ومرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی شخصیت، مشائخ کے سلسلہ میں ایک اہم کڑی ہے۔حضرت مجدد الف ثانیؒ تو خواجہ باقی باللہؒ کے لیے وجہ افتخار ہیں ہی ان کے علاوہ بھی متعدد حضرات خواجہ صاحبؒ سے وابستہ ہوکر تزکیہ واحسان کے بلند مقام پر فائز ہوئے۔اس کتاب میں خواجہ باقی باللہؒ اور ان کے اخلاف ومنسلکین کے حالات بڑی تحقیق اور جستجو سے جمع کیے گئے ہیں۔اس کتاب سے ہی پہلی دفعہ ''اسراریہ'' مؤلفہ سید کمال سنبھلیؒ کی اہمیت وافادیت واضح ہوئی۔صاحبزادگان کے نام اور کام کے متعلق کافی معلومات جمع کی گئی ہیں، خواجہ خورد کے ملفوظات کے ایک نادر نسخہ کی دریافت نے اس تذکرے میں جان ڈال دی۔

(۳) تجلیات ربانی: مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ترجمہ اور تلخیص

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کو عربی، ترکی اور اردو میں پیش کرنے کی کوشش مختلف لوگوں نے کی ہے؛ لیکن ان کو اتنی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جتنی تجلیات ربانی کو حاصل ہوئی ہے۔ اس لیے کہ اس میں ان مباحث کو چھوڑ دیا گیا ہے، جو عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہیں؛ بلکہ مفید مطالب و مباحث کو نہایت دلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے، جس سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی فکر اور ان کے عظیم کارناموں کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ پہلے یہ مکتوبات ''ماہنامہ الفرقان'' لکھنؤ میں چھیالیس قسطوں میں شائع ہوئے ہیں۔ بعدہٗ کتابی شکل میں مکتبہ الفرقان سے دو جلدوں میں طبع ہوئے۔ اگر تجلیات ربانی میں سے حضرت مولانا فریدیؒ کے نام کو الگ کر دیا جائے تو پڑھنے والوں کو یہ محسوس ہوگا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے خود یہ ترجمہ کیا ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ بانی ماہنامہ الفرقان لکھنؤ تجلیات ربانی کے حرف آغاز میں ارقام فرماتے ہیں:

> ''مولانا فریدی نے بالکل اسی انداز پر جو اس عاجز کی آرزو تھی مکتوبات کے تینوں دفتروں کی تلخیص و ترجمہ کا کام انجام دیا ہے۔ اس حقیقت کے اظہار میں ذرہ برابر بھی تواضع اور کسر نفسی نہیں ہے کہ اگر میں خود یہ کام کرتا تو ہرگز ایسا نہ کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا فریدی کو ایسے کاموں کی خاص صلاحیت بخشی ہے۔''

(۴) مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ کا ترجمہ و تلخیص

عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصومؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحب زادے اور ان کے جانشین ہوئے۔ انھوں نے بھی ایمان و عشق کی دولت سے دامن کو بھر کر اللہ کا پیغام

لاکھوں انسانوں تک پہنچایا۔اصلاح وتجدید کا آوازہ بلند کیا۔ یہ کتاب خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کے تینوں دفتروں وسیلۃ السعادہ، درۃ التاج اور مکتوبات معصومیہ کا عطر ہے۔ ان مکتوبات کا ترجمہ وتلخیص پہلے ماہنامہ ''الفرقان'' میں ۲۲ قسطوں میں شائع ہوا پھر ۱۹۶۰ء میں کتابی صورت میں منصۂ شہود پر آئے ۔ اس کتاب سے پہلی مرتبہ خواجہ صاحبؒ کی فکر، مجتہدانہ کارناموں اور دینی بصیرت کا اندازہ ہوا۔حضرت مولانا فریدیؒ نے خواجہ صاحبؒ کی فکر کو جس انداز میں اجاگر کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کے پیش لفظ میں حضرت مولانا فریدیؒ تحریر کرتے ہیں:

> ''مکتوبات معصومیہ کی دوسری جلد کا مطالعہ میں نے سب سے پہلے کیا، اس کو دیکھ کر میرے دل میں یہ داعیہ قوت کے ساتھ پیدا ہوا کہ ان علمی وروحانی جواہرات کا ترجمہ ہونا چاہیے۔ساتھ ہی ساتھ یہ بھی طے کیا کہ وہ مضامین جو سلوک ومعرفت کے اونچے مقامات سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کے سمجھنے کے لیے ان حضرات کے مقامات اور ان کی خاص اصطلاحات سے واقفیت ضروری ہے۔ان کو حذف کرکے تلخیص کے طور پر یہ کام انجام دیا جائے''۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ ''مکتوبات خواجہ محمد معصوم کے شکر ودعا'' میں ارقام کرتے ہیں:

> ''مولانا نسیم احمد فریدی میرے نہایت مخلص اور عزیز ترین دوستوں میں ہیں۔میں نے ان کو مشورہ دیا کہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مکاتیب میں دعوت الی اللہ، تصحیح عقائد، اصلاحِ اعمال واخلاق اور تذکیر آخرت جیسے جو مضامین ہیں، جن کا مطالعہ مسلمانوں کے تمام

طبقات کے لیے یکساں طور پر مفید ہوسکتا ہے وہ ان کو اردو میں منتقل کر دینے کی خدمت اپنے ذمہ لے لیں۔ اللہ تعالیٰ نے بہت اچھے طریقہ پر اس کام کے انجام دینے کی انھیں توفیق دی"۔

(۵) نادر مکتوبات شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

حضرت مولانا فریدیؒ نے اپنی زندگی میں جہاں بہت سے علمی اور تصنیفی کام کیے ہیں، ان میں سے ایک اہم ترین اور آپ کا بڑا کارنامہ مکتوبات شاہ ولی اللہ کی دریافت اور ان مکتوبات کا ترجمہ اور اشاعت ہے، جو صدیوں سے گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے۔ مولاناؒ نے ان مکتوبات پر چالیس سال تک عرق ریزی و دیدہ ریزی کی ہے۔ اس عرق ریزی اور جگر کاوی میں آپ کی بینائی متاثر ہوگئی وہ بصارت سے محروم ہو گئے؛ لیکن اہل ذوق کو بصیرت عطا کردی۔ گرمی، سردی کا احساس کیے بغیر ان مکتوبات کو نقل کیا اور کرم خردہ مقامات پر صحیح لفظ بٹھائے۔

مولانا فریدیؒ ان مکتوبات کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

"۱۹۴۷ء سے کچھ عرصہ پہلے مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ کے کتب خانہ کو پہلی بار دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مولانا موصوف اس وقت بقید حیات تھے مگر بہت کمزور اور صاحب فراش ہو چکے تھے۔ میں نے اس دفعہ تنگی وقت کی وجہ سے ان کے ذخیرہ کی فہرست کتب ہی دیکھنے پر اکتفا کیا تھا۔ جس میں فنِ تصوف کے ذیل میں مکتوبات شاہ ولی اللہ کے نام سے ایک قلمی نسخہ نظر سے گذرا، اب یاد نہیں کہ اسی وقت ان مکاتیب کو سرسری طور پر دیکھا تھا یا دوسری حاضری میں دیکھا۔ حضرت چاند پوریؒ کی

حیات میں دوسری بار بھی ان سے ملاقات کے لیے گیا تھا، اس دفعہ مجھے مکتوبات شاہ ولی اللہؒ ہی کے مطالعہ کرنے کا شوق تھا۔ دوسری کتابوں کا سرسری جائزہ لیا اور مکتوبات ہی پر زیادہ توجہ صرف کی ۔سب سے پہلے میں نے اس مخطوطے کے اکثر مقامات کو بغور پڑھا اور اس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ لگایا۔ان مکتوبات کا متن نقل کرتے ہوئے، میں نے یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھی تھی کہ بالکل صحیح نقل ہو جائے؛ کیونکہ بعض مقامات ایسے تھے، جو خود اصل کتاب کے اندر کچھ کے کچھ لکھے گئے تھے۔میں نے حتی الامکان الفاظ و عبارت پر پورا پورا دھیان دے کر ان کی تصحیح بھی کر دی۔کاتب نے آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کی تحریر میں بھی بہت سے مقامات پر غلطیاں کی ہیں ۔فارسی اشعار اور خود شاہ صاحبؒ کی عبارتوں میں ایسا تصرف کیا ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔الحمد للہ اکثر و پیشتر غلطیاں،غور وفکر اور تلاش وتفحص کے بعد نیز دیوانِ جامی، دیوانِ حافظ،نفحات الانس،رباعیاتِ ابوسعید ابوالخیر وغیرہ کے مطالعے اور فارسی وعربی لغات کی مدد سے دور کر دی گئی ہیں“۔

حضرت مولانا فریدیؒ کی تحقیق کے متعلق مولانا سید ابوالحسن ندوی کے اس مضمون سے جو انھوں نے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کے مولانا فریدیؒ کی یاد میں شائع ہونے والے خصوصی نمبر میں ”چند باتیں، چند یادیں“ کے عنوان سے لکھا ہے، ایک مختصر اقتباس پیش کرتا ہوں:

”امروہہ کے اس مردم خیز قصبے (جس کو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے

ایک ممتاز ترین تلمیذ حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے) کے مایہ ناز فرد مولانا نسیم احمد صاحب فریدیؒ تھے، جنھوں نے اپنی پوری زندگی اور ساری خداداد علمی و تحریری صلاحیتیں اس موضوع کے لیے وقف کر دیں اور اس کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنا لیا۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے (اور مجھے اس کا ذاتی تجربہ ہے) کہ خاندانِ مجددی اور خاندانِ ولی اللہی کے سلسلہ میں اگر کسی تحقیق اور علمی اطمینان اور تاریخی ثبوت کی ضرورت ہوتی تو انھیں سے سب سے زیادہ رہنمائی حاصل ہوتی۔ مولانا نے تجلیات ربانی، مکتوبات خواجہ محمد معصوم، تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہ مع خلفاء وصاحبزادگان شائع کر کے بہت سے ناواقفوں کے لیے واقفیت بہم پہنچائی، آخر میں انھوں نے شاہ ولی اللہؒ کے ان مکتوبات کے مرتب کرنے اور شائع کرنے کا اہتمام کیا تھا، جو چاند پور اور حیدرآباد کے مخطوطات ونوادر کے ذخیرہ میں مدفون تھے۔"

(٦) قافلہ اہل دل

حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ [۱۱۵٦ھ-۱۲۴۰ھ] جو اپنے وقت کے سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کے عظیم المرتبت اور صاحب نسبت بزرگ شمار کیے جاتے تھے اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ [۱۱۱۱ھ-۱۰ محرم ۱۱۹۵ھ] کے خلیفہ مجاز و جانشین تھے ۱۷، ۱۸ سال کی عمر (۱۱۷۴ھ) میں پنجاب سے دہلی آ گئے تھے۔ اپنے مرشد کی وفات (۱۱۹۵ھ) تک سلوک کی تکمیل کی، بعدہٗ ان کی قائم مقامی میں رشد وہدایت میں مشغول ومصروف رہے۔ آپ کی خانقاہ میں سلوک ومعرفت کے طالبین کا انبوہ رہتا تھا۔ علاوہ ہندوستان کے اسلامی ممالک

کے گوشہ گوشہ سے طالبین آتے تھے اور اپنی مراد کو پہنچتے تھے۔ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ''درالمعارف'' مؤلفہ شاہ رؤف احمد رافت مجددی رامپوریؒ [ت ۱۲۰۳ھ] نے بڑی محنت وکاوش سے جمع کیا تھا۔ حضرت مولانا فریدیؒ نے اپنے مخصوص انداز میں ان فارسی ملفوظات ومکتوبات کا خلاصہ اردو میں ''بوئے گل در برگ گل'' کے عنوان سے ماہنامہ الفرقان میں شائع کرایا، پھر قافلہ اہل دل کے نام سے آپ کے خلفاء کا جامع تذکرہ شائع کرایا۔ یہ دونوں مضامین قافلہ اہل دل کے نام ہی سے مکتبہ الفرقان سے طبع ہو چکے ہیں۔

حضرت مولانا فریدیؒ درالمعارف کے متعلق قافلہ اہل دل کی تمہید میں تحریر کرتے ہیں:

> ''ڈھائی سو صفحے سے زیادہ کی یہ کتاب میں نے اول سے آخر تک دو مرتبہ پڑھی، اس کے پڑھنے سے دل کو عجیب کیفیات و جذبات نصیب ہوئے۔ اس میں توحید وسنت کے اسرار، سلوک وتصوف کے رموز، بزرگانِ دین کے حالات اور اخلاقی ومعاشرتی ہدایات سب چیزیں موجود ہیں۔ میں نے اس مجموعے میں سے رموز سلوک و تصوف (جو بڑی تعداد میں ہیں اور بڑے لوگوں کے سمجھنے کے ہیں) چند اور باتوں کے علاوہ باقی ملفوظات کو اردو زبان میں ترجمہ کر دیا؛ تاکہ میں ان بزرگ کی باتیں ان لوگوں تک پہنچا دوں، جو ان سے مل نہیں سکے اور براہِ راست فارسی زبان کی کتاب سے کماحقہ مستفیض نہیں ہو سکتے''۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ ''بانی ماہنامہ الفرقان''، لکھنؤ ''تذکرۂ امام ربّانی'' میں حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''شاہ غلام علی کی ذات بابرکات سے تو اس قدر فیض ہوا کہ بقول حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ شاید اگلے مشائخ میں سے

کسی سے اس قدر فیض ہوا ہو۔ ہندوستان میں شاید ہی کوئی شہر ہو
جہاں آپ کا کوئی خلیفہ نہ ہو، صرف ایک شہر انبالہ میں آپ کے
پچاس خلفاء تھے۔‘‘

(۷) تذکرہ مولانا محمد اسماعیل شہید دہلویؒ

یہ رسالہ حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلویؒ کی مختصر سوانح حیات پر مشتمل ہے۔

(۸) وصایا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

ان وصایا کے اندر بڑی کشش اور دل آویزی ہے۔ ایک بانیٔ سلسلہ بزرگ کے زبان وقلم سے نکلے ہوئے یہ کلمات براہ راست قلب کو متاثر کرتے ہیں۔

(۹) سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

یہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے حالات، ملفوظات اور مکتوبات پر مشتمل ہے۔

(۱۰) تذکرہ شاہ ابوالرضا محمد و شاہ عبدالرحیم

یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم فاروقی دہلویؒ [ت ۱۱۳۱ھ] اور عم محترم حضرت شاہ ابوالرضا محمد فاروقی دہلویؒ [ت ۱۷رمحرم ۱۱۰۱ھ] کے حالات، ملفوظات اور مکتوبات کا مجموعہ ہے۔

(۱۱) حضرت شاہ ابوسعید حسنیؒ اور سلسلہ ولی اللہی کا ایک گمنام درویش

حضرت شاہ ابوسعید قطبی رائے بریلویؒ [ت ۹ر رمضان ۱۱۹۳ھ] کے مختصر حالات اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خاندان سے تعلقات و مراسلات پر روشنی ڈالی گئی ہے ساتھ ہی ان کے ایک گمنام خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر خالص پوریؒ کا بھی تذکرہ شامل ہے۔

(۱۲) فرائد قاسمیہ

قاسم العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے غیر مطبوعہ مضامین، جو اس وقت کے حالات کی وجہ سے شائع نہیں ہو سکے تھے۔ فرائد قاسمیہ کا واحد نسخہ خوش خط لکھا ہوا مولانا سید عبد الغنی پھلاودیؒ کے ذاتی کتب خانہ کی زینت تھا۔ جسے مولانا حافظ سید عبد الغنی صاحبؒ کے پوتے مولانا حکیم سید عبد المغنی صاحب مرحوم حرزِ جاں بنائے ہوئے تھے۔ مولانا فریدیؒ نے علوم قاسمیہ کے اس خزینہ کو حاصل کر کے اس کا عکسی ایڈیشن شائع کرانے کا اہتمام کرایا۔ فرائد قاسمیہ کی اکثر تحریریں مختلف تلامذہ اور مستفدین کے نام مکاتیب کی صورت میں ہیں۔ جن میں مختلف علمی سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

حضرت مولانا فریدی نے اس پر سولہ صفحہ کا محققانہ مقدمہ تحریر کیا، جو مقدمہ نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔

فرائد قاسمیہ کے مقدمہ میں معاونین ومحسنین کے تحت حضرت مولانا فریدیؒ لکھتے ہیں:

> ''میاں مولوی محب الحق سلّمہٗ نے بھی اس کتاب کے حصول کے سلسلہ میں میرے ہمراہ میرٹھ اور پھر پھلاودہ پہنچ کر اس کتاب کو اور اسکے ساتھ ''تنویر النبراس'' اور مکتوبات حضرت محدث امروہیؒ کو حفاظت کے ساتھ امروہہ لانے، ان کے مضامین سے آگاہ کرنے میں اور پھر اس کتاب کی ترتیب میں میری بڑی مدد کی۔''

(۱۳) مکتوبات سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ

حضرت مولانا فریدیؒ کی سب سے آخری تصنیف ہے۔ مکتوبات سید العلماء کے تمام مکتوبات مولانا سید عبد الغنی پھلاودیؒ کے نام ہیں۔ پھلاودہ تحصیل موانہ، ضلع میرٹھ کی

ایک قدیم بستی ہے۔مولانا سید عبد الغنی صاحبؒ [۳/ذی قعدہ ۱۲۶۸ھ=۲۰/ اگست ۱۸۵۲ء-۷/ربیع الآخر ۱۳۵۲ھ =۱۱/اگست ۱۹۳۲ء] حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے استفادہ کرنے والے اور حضرت محدث امروہیؒ کے خصوصی شاگرد تھے۔اس کتاب میں (۱۵۱) مکاتیب ہیں ۔یہ خطوط حضرت نانوتویؒ کی حیات کے آخری زمانے سے لے کر حضرت محدث امروہیؒ کی وفات تک کے ہیں۔

اس کتاب میں فارسی مکتوبات (۵۲) ہیں باقی اردو میں ہیں۔حضرت مولانا فریدیؒ نے بڑا ہی دل نشیں فارسی کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔یہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے،جس میں ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) سے لے کر حضرت امروہی کی وفات کے قریبی زمانے تک کے خطوط ہیں۔اس میں امروہہ،مرادآباد،گنگوہ،دیوبند،سہارنپور،سنبھل،خورجہ وغیرہ کے بزرگوں کا ذکر ہے۔اوراس زمانے کے اہم واقعات کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔حضرت محدث امروہیؒ قاسم العلوم والمعارف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے تین ممتاز شاگردوں میں سے اپنی ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔حضرت نانوتویؒ کے بہت سے علمی مکاتیب آپ کے نام ہیں۔

مولانا سید حامد حسنؒ [ت ۲۴/شوال ۱۴۲۴ھ] سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ مکتوبات سید العلماء کے حرف آغاز میں تحریر کرتے ہیں:

> ’’مولانا فریدیؒ امروہہ کے ایک روشن خیال،علمی خانوادے کے چشم و چراغ،جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے طالب علم دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل، زہد وتقویٰ کے پیکر،نہایت سادہ وشائستہ درویش منش انسان اور انتھک عمل کرنے والے شخص تھے،تقریباً ۴۰ سال مدرسے کی تدریسی خدمات انجام دیں اور آخر وقت تک صدر مفتی رہے، ایک

طرف مخلوق کا بے تحاشا رجوع اور دوسری طرف بصارت ظاہری
ختم ہو جانے کے باوجود علمی و تصنیفی کاموں میں انہماک جس
کے نتیجہ میں متعدد کتابوں کے مصنف، مؤلف اور مرتب بنے۔''

(۱۴) مکتوبات اکابر دیوبند

بزرگان دین و اولیائے اسلام کے مکتوبات کی برکت و اہمیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ ان کی زندگی مسلمانوں کے لیے مشعل راہ رہی ہے اور بعد وصال مکتوبات نے بے شمار اصلاحی کام انجام دیے ہیں، تاریخ میں ایسے اہم واقعات ملیں گے جن کی نشاندہی اور سند مکتوبات کی بنیاد پر قائم ہے۔

اس کتاب میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ،شاہ عبد الغنی مجددی دہلویؒ مہاجر مدینہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا شاہ رفیع الدین عثمانی دیوبندیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن عثمانی محدث دیوبندیؒ، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دیگر چند حضرات کے مکاتیب شامل ہیں۔ یہ مکاتیب دفتری نور الحق عثمانی دیوبندی مرحوم نواسۂ مولانا شاہ رفیع الدین عثمانی دیوبندی سابق مہتمم دار العلوم دیوبند سے حاصل ہوئے تھے۔

مولانا فریدی نے اس پر (۱۴) صفحہ کا جامع تعارف لکھا ہے، جس میں مکاتیب کی اہمیت اور قدر و قیمت پر روشنی ڈالی ہے۔ اور شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہیؒ نے اس کتاب کا مقدمہ تحریر کیا جس سے ان مکاتیب کی علمی و تاریخی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

(۱۵) نسیم سحر

یہ مولانا فریدیؒ کے کلام کا مجموعہ ہے، اس مجموعہ میں حمد، نعت اور مناقب تلاش کر کے جمع کر دیے گئے ہیں۔ آپ کا کلام بیحد وجد انگیز اور روح پرور ہے۔ نسیم سحر بابا فرید

ایجوکیشنل سوسائٹی امروہہ کی طرف سے ۲۰۰۲ء میں طبع ہوئی۔

راقم الحروف نے حضرت مولانا فریدیؒ کے مقالات کو جو مختلف رسائل میں بکھرے ہوئے تھے، ان کو ''مقالات فریدی'' کے نام سے تین جلدوں میں شائع کرایا ہے اور مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کی سوانح حیات پر لکھے ہوئے مضامین جو ماہنامہ ''دارالعلوم دیوبند'' میں چھپے تھے، ان کو اضافے کے ساتھ ''سید العلماء'' کے نام سے طبع کرایا ہے۔ اس کے علاوہ ''حکیم الامتؒ کی محفل ارشاد'' ''جواہر پارے'' حضرت مولاناؒ کا سفرنامہ حج ''زیارت حرمین'' کے نام سے شائع کرادیا ہے اور ابھی یہ سلسلہ دراز ہے۔

فریدیؔ نے جو کھینچا ہے غمِ ہجراں سے تنگ آ کر
ذرا وہ نقشۂ سوز نہانی دیکھتے جاؤ

پانچواں باب

ملفوظاتِ فریدی

تری محفل کا نقشہ اپنے دل پر کھینچ کر میں نے
مہیا کر دیا سرمایۂ ذوق نظر میں نے
فریدیؔ

پہلی فصل

رموز تصوف اور ذکر بزرگان دین

(۱) فرمایا: تین قسم کے پیر ہوتے ہیں، لکڑ پیر، پتا پیر، پتھر پیر۔ لکڑ پیر خود بھی تیرتا ہے، مرید کو بھی تیراتا ہے۔ پتا پیر خود تیرتا ہے، مرید کو نہیں تیرا سکتا۔ پتھر پیر خود بھی ڈوبتا ہے اور مرید کو بھی ڈبوتا ہے۔ پیر شریعت کا پابند ہونا چاہئے، جس کے پاس بیٹھنے سے اللہ یاد آئے۔ اس کا مرید ہونا چاہئے، پیر چاہے تنکا ہو، مرید کو گمان اچھا رکھنا چاہئے، اسی سے فیض پہنچے گا۔ نل کی ٹونٹی سے پانی آرہا ہے؛ مگر لوٹے کا منھ بھی تو سیدھا ہونا چاہئے۔

(۲) فرمایا: حافظ...... مدرس مدرسہ سراج العلوم مدراس کے والد نے اپنی زوجہ کو بھی جب اپنے حیدرآبادی پیر سے بیعت کرادیا تو انھوں نے پردہ اُٹھانے پر اصرار کیا؛ مگر ان کی والدہ نے باوجود شوہر کے زور دینے کے بے پردہ سامنے آنے سے انکار کردیا۔ اس دور میں ایسی نظیر ملنی بہت مشکل ہے۔

(۳) فرمایا: گنگوہ کا دھوبی بھی کپڑے دھوتے وقت بجائے کچھ اور کہنے کے ذکر اللہ کرتا تھا۔

(۴) ایک بزرگ ہندوستان میں رہتے تھے، ایک دن جذبہ طاری ہوا اور مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ عالمگیرؒ [۴/نومبر ۱۶۱۸ء–۳/مارچ ۱۷۰۷ء] کو نامہ نگار نے اطلاع کئی روز بعد دی۔ عالمگیرؒ ان کے صاحبزادے سے ملنے گئے تو پوچھا کس روز گئے تھے صاحبزادے نے دن بتایا تو فرمایا ہمارا نامہ نگار تو ایک دن کا فرق کررہا ہے۔ انتظام، یادداشت، بزرگان دین سے تعلق اور محبت دیکھئے عالمگیرؒ کی۔

(۵) فرمایا: قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ [ت یکم رجب ۱۲۲۵ھ] نے اولیاء کی شناخت میں کیا خوب بات لکھی ہے: **ان اولیاء ہ الا المتقون** (اس کے اولیاء تو متقی ہی ہوتے ہیں)

(۶) ایک روز حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھیؒ [ت ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۱ء] کے بارے میں فرمایا: حضرت مولانا پرتاب گڑھی تو سراپا محبت ہی محبت ہیں۔

(۷) کبھی کبھی حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ کا تذکرہ کرتے اور حضرت نور اللہ مرقدہ کے مریدین کے ذکر کی کیفیت بیان کیا کرتے ہوئے فرماتے: کتنا وجد آتا تھا جب وہاں ذکر بالجہر ہوتا تھا، نہر کے پانی کی آواز کے ساتھ۔ وہ منظر آج بھی میرے دل پر نقش ہے۔

(۸) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا: ایک صاحب حضرت رائپوری کے پاس آئے اور شکایت کی کہ آپ نے میرے لڑکے کو بگاڑ دیا۔ اس پر حضرت رائپوری نے مسکرا کر فرمایا: میاں ہمیں بھی تو آخر کسی نے بگاڑا ہے، اگر ہم نے بھی ایک کو بگاڑ دیا تو کیا حرج ہے۔ حضرت رائپوری کو جگر مرادآبادی مرحوم کا یہ شعر بہت پسند تھا۔

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا تقریر بہت دلچسپ مگر
آنکھوں میں سرور عشق نہیں چہرے پے یقیں کا نور نہیں

(۹) فرمایا: یہ دعا ضرور مانگنی چاہئے ''**اللھم انی اعوذبك من الحور بعد الکور**'' [ترجمہ: زیادتیٔ رزق کے بعد کمی سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں]

(۱۰) فرمایا: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے لیے دعا کر دیجئے کہ پانچوں وقت کا نمازی بن جاؤں۔ حضرتؒ نے فرمایا پھر میں یہ بھی دعا کروں کہ آپ دونوں وقت کھانا بھی کھانے لگیں۔ میاں خود بھی تو کوشش کرو۔

(۱۱) پھلت قصبے کے مولانا حافظ رضی الدین نے پڑھنے کے لیے کسی وِرد کی درخواست

کی تو فرمایا: اول وآخر قرآن، ع ؎

اندر رہ دیں رہبر تو قرآن بس

(۱۲) فرمایا: پاس انفاس یہ ہے کہ کسی وقت بھی ذکر سے غفلت نہ ہو، نہ سوتے میں، نہ جاگتے میں۔

(۱۳) ایک صاحب نے معلوم کیا درود شریف کتنا پڑھا کروں؟ فرمایا: اتنی دیر تک پڑھیں جتنی دیر تک نشاط قائم رہے، آدمی یہاں ہو اور اشتیاق مدینے کا رہے، یہ اس سے اچھا ہے کہ آدمی وہاں ہو اور گھر یاد آئے۔

(۱۴) فرمایا: مرادآباد کے ایک صاحب جو تبلیغی جماعت سے وابستہ تھے، انہوں نے ایک رات کو اپنے لڑکے کی آوارہ گردیوں سے پریشان ہو کر بدعا کر دی، اے اللہ اس کی ٹانگیں ٹوٹ جائیں، صبح کو دیکھا کہ لڑکا دونوں ٹانگوں سے معذور ہو گیا ہے، دنیا بھر میں اس کے لئے دعائیں کراتے بھاگے پھرے، بدعا تو اپنے تو اپنے دشمن کیلئے بھی نہ کرنی چاہئے۔

(۱۵) فرمایا: حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کبھی قہر بصورت لطف ہوتا ہے اور کبھی لطف بصورت قہر ہوتا ہے ؎

نگاہِ دل بھی یکایک اسے سمجھ نہ سکی
وہ ہر کرم جو پسِ پردۂ عتاب ہوا
(جگر)

(۱۶) فرمایا: جب تک روک ٹوک نہ ہو مرید کی اصلاح نہیں ہوتی، ایک صاحب سے فرمایا ''بیس بڑے مسلمان'' کتاب کے اندر میرا بھی مضمون ہے۔ دیکھنے کے قابل کتاب ہے، اسے پوری پڑھئے۔

(۱۷) فرمایا: جگر مرادآبادی کے پیر قاضی عبدالغنی منگلوری تھے۔ ایک بار اپنے پیر سے ملنے

منگلور گئے، جب پیر کی خدمت میں پہنچے، انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا: جاؤ جاؤ واپس جاؤ، مایوس ہوکر وہاں سے واپس چل دیئے۔ جب بس میں آکر بیٹھے اپنا دیوان رکھا ہوا دیکھا جسے اترتے وقت بھول آئے تھے۔ تب پیر کی بات سمجھ میں آئی کہ کیوں واپس بھیجا تھا۔ حضرت نے جگر صاحب کا یہ شعر بھی اسی مجلس میں پڑھا:

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی مگر نظر میں سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں یہ آرہے ہیں وہ جارہے ہیں

(۱۸) فرمایا: مونڈھے کے حضرت مولانا عبدالقادرؒ بڑے متبع سنت تھے، مدتوں جوتیاں نہیں پہنیں، فرمایا کرتے کہ حضور ﷺ کی پاپوش مبارک کا نقشہ تحقیق ہوجائے تو بنواؤں گا، جب نقشہ مل گیا، تو ویسی ہی بنوا کر پہنیں، پیر بنایا مرادآباد میں، پیر زیادہ پڑھے ہوئے نہیں تھے، حافظ سعید صاحب انہی کے بیٹے تھے، ایک بار ان کے کسی شناسا نے کہا: اور کوئی نہیں ملا تھا آپ کو پیر بنانے کو؟ فرمایا: یہ فقیر مجھے ایسا ملا ہے کہ میرے اندر غرور بہت تھا، کوئی میرے سرہانے بیٹھ نہیں سکتا تھا، مگر جب سے میں اس فقیر سے بیعت ہوا ہوں، اب چاہے کوئی میرے سر پر آکر بیٹھ جائے۔

پیر سے ملنے مونڈھے سے ننگے پاؤں مرادآباد پہونچ جاتے۔ تہجد میں اٹھنے کے لئے گھڑی بہت بڑھیا رکھتے تھے (کہ گھر کے زمیندار تھے) کپڑے نہایت صاف ستھرے مولویانہ۔

ایک بار گھڑی ساز کے یہاں گھڑی درست کرانے پہونچے، کپڑے بڑھیا، ننگے پاؤں، ایک مسخرے نے کہا: کہاں سے پار کی ہے گھڑی؟ جواب میں کچھ نہیں کہا، جب چلے گئے تو گھڑی ساز نے اسے ڈانٹا، پتہ بھی ہے یہ کون تھے؟

حضرت فرماتے تھے کہ امروہہ کے علاقے کے ترکوں میں جو علم آیا ہے وہ انہی کا فیض ہے، حضرت محدث امروہی قدس سرہ ان کے استاد تھے، ایک مناظرہ

ڈھکیا (چمن) میں بہت مہذب طریقے پر ہوا، مرادآباد سے حضرت مولانا فخر الدینؒ بھی آئے تھے، ادھر سے مولانا عماد الدین سنبھلی اور مولانا نعیم الدین مرادآبادی تھے۔اس مناظرہ کی روئیداد بھی میرے پاس تھی۔ (یہ مناظرہ حضرت مولانا عبدالقادرؒ سے ہی ہوا تھا اور سات دن چلا تھا، چار چار سو بیل گاڑیاں بھر کر روزانہ سننے کے لیے آتی تھیں)

آپ نے جویا میں بھی پڑھایا ہے، مولانا نعمانی نے بھی سنبھل میں ان سے پڑھا ہے۔

(۱۹) حضرتؒ نے ایک روز عربی کا یہ شعر پڑھا:

وانّی ان خاطبت الف مخاطب

فانت الذی اعنی وانت المخاطب

(اگر چہ میں ہزراوں سے مخاطب ہوتا ہوں مگر مراد تم ہوتے ہو، میرے مخاطب تو تم ہی ہو)

اور فرمایا یہ شعر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی کے لیے کہا تھا، حضرت شاہ صاحب کے اکثر علوم ومعارف ان ہی سے پھیلے ہیں، خود مجھ سے کچھ بھی نہیں ہوسکتا تھا، جو اتنا تحریری کام ہوگیا، یہ سب حضرت مولانا نعمانی مدظلہ العالی کے دل کی تڑپ تھی، ان سے پہلے حضرت مولانا اعزاز علی امروہی شیخ الادبؒ کی توجہ تھی۔

دوسری فصل

مدرسہ، مہتمم، طلبہ اور اساتذہ

(۱) فرمایا: حضرت حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر امروہیؒ کے شاگرد بہت ہوئے، میں نے ایک بار عرض کیا حضرت میں آپ کے شاگردوں کی فہرست بنانا چاہتا ہوں، فرمایا کتنا کاغذ ہے تمہارے پاس؟ میں نے کہا دو ورق ہیں۔ فرمایا میرے شاگردوں کی فہرست اور بس اتنے کم کاغذ میں۔

(۲) ایک طالب علم نے پڑھنے کے لیے وظیفہ معلوم کیا تو فرمایا: ترجمے کے ساتھ قرآن شریف پڑھیں، صبح و شام تین تسبیح کلمۂ سوم، درود شریف اور استغفار کی۔ نماز باجماعت کی پابندی رکھیں۔

(۳) فرمایا: مدرسے کو بورڈ سے الحاق کر کے دنیوی علوم کی تعلیم دلوانے کے سلسلے میں حضرت حافظ عبدالرحمٰنؒ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا ہمارے بزرگوں نے یہ کام ہمارے سپرد نہیں کیا۔ تیل کا، شکر کا، کپڑے کا ہر چیز کا کارخانہ علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص تیل کے کارخانے میں جائے اور کہے یہاں کپڑا بنانے لگو تو کیا ٹھیک ہے۔ میاں ہمارا مدرسہ تو درسِ نظامی کا ہے تمہیں اسکول ہی قائم کرنا ہے تو کہیں اور کرو۔ اس وقت ہم نے بھی سوچا تھا بڑے میاں غلطی کر رہے ہیں مگر ایک مرد دور اندیش کی بات پندرہ سال بعد کھلی۔

(۴) فرمایا: حضرت مولانا گنگوہیؒ پڑھاتے بھی تھے، تزکیہ نفس بھی کرتے تھے اور مطب بھی کرتے تھے۔

(۵) فرمایا: ہم علی گڑھ آنکھ بنوانے کے لیے گئے تو ڈاکٹر نے آنکھ دیکھ کر کہا چلنے پھرنے کے قابل تو ہو جائیں گے، پڑھنے کے قابل نہ ہوں گے۔ ہمیں غصہ آ گیا، جب پڑھنے کے قابل نہ ہوئے تو چلنے پھرنے سے ہی کیا فائدہ۔

(۶) فرمایا: ادب راحت رسانی کا نام ہے، نہ اتنا آہستہ بولے کہ سننے والے کو کانوں پر زور دینا پڑے اور نہ اتنے زور سے بولے کہ کانوں کو گراں گزرے۔

(۷) فرمایا: صحابہ کرام میں پڑھنا پڑھانا، سیکھنا سکھانا ایک ساتھ تھا۔ آنکھ تو علماء کرام ہیں اور عوام جسم۔ اگر دونوں کا جوڑ نہ ہوگا تو کوئی بھی فائدہ نہیں اُٹھائے گا۔ اگر کسی علم والے کو کچھ کہہ دیا تو خطرے سے خالی نہیں۔ جو دوسروں کے عیب بیان کرتا ہے اس کا مزاج سور جیسا ہے، اگر باغ میں آنکلا تو پھول وغیرہ تلاش نہیں کرے گا، وہاں بھی گندگی ڈھونڈھے گا۔ اس زبان کو بہت قابو میں رکھنا ہے۔ جب اپنی کوتاہی سامنے آتی ہے تو انسان دوسروں کی برائی بھول جاتا ہے۔ آج بھی عربوں کے دلوں میں اللہ نے جو ایمان کی دولت رکھی ہے پہاڑ کی طرح ہے۔

(۸) فرمایا: حضرت حافظ عبدالرحمٰن مفسر امروہیؒ [۱۲۷۷ھ-۲۴/جمادی الاخری ۱۳۶۷ھ] سے کسی شہری نے پشاور کے طلباء کی شکات کی۔ وہ اپنی پشتو زبان میں کچھ گا رہے تھے۔ حضرت حافظ صاحبؒ نے طلباء کو تنہائی میں بلا کر فرمایا۔ یہ شہری لوگ جو تمہاری شکایت کرتے ہیں یہ تمہارے دھوبی ہیں۔ جیسے دھوبی کپڑے کے میل کچیل کو صاف کرتا ہے یہ لوگ تمہاری برائیوں کو دور کرتے ہیں۔ انہیں اپنی اولاد کی اتنی فکر نہیں جتنی تمہاری فکر رہتی ہے۔ ادھر شہر کے لوگوں کو سمجھایا۔ تم وہاں جا کر کیا لے رہے تھے۔ بے چارے پردیس میں اپنا دل بہلا رہے تھے۔ اسلاف کا یہ انداز تھا سمجھانے کا۔

(۹) فرمایا: طالب علمی کے زمانے میں جب دارالعلوم دیوبند میں قیام تھا، حضرت تھانویؒ

کی خدمت میں تھانہ بھون حاضری ہوئی۔ ہم طلباء کی جماعت دیو بند سے تھانہ بھون پیدل پہنچی تھی۔ نماز عشاء اور فجر بھی آپ کے پیچھے پڑھی۔ جو سورت حضرت نے نماز میں پڑھی تھی، اس کی کیفیت مقتدیوں پر طاری ہوگئی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ حضرت یہ معلوم کرتے ہیں کہ کہاں سے آئے ہو، کون ہو؟ کب تک رہو گے، میں نے پہلے ہی بغیر پوچھے عرض کر دیا۔ دیو بند سے آئے ہیں، طالب علم ہیں۔ بہت خوشی کا اظہار فرمایا کہ طالب علم ایسے ہوتے ہیں۔ تین دن قیام رہے گا۔

(۱۰) ایک سلسلہ گفتگو میں بڑے درد کے ساتھ فرمایا: بزرگوں نے چندہ اسی لیے رکھا ہے کہ عوام سے جوڑ پیدا ہو۔ ہمارے بزرگوں نے چھپروں میں بیٹھ کر پڑھایا ہے، ان کو عمارتوں کی اتنی فکر نہ تھی جتنی تعلیم و تربیت کی تھی۔ پہلے کے ایک طالب علم کی حیثیت ایک مدرسے کی ہوتی تھی۔ ان کی ظاہری و باطنی اصلاح کی جاتی تھی۔

(۱۱) حضرت فرمایا کرتے تھے: پہلے کے اساتذہ ذہین طالب علم سے بہت خوش ہوتے تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی انہیں ٹوکے۔ ایسے طالب علم کی ہمت افزائی فرماتے اور شاباش دیتے اور کہتے: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، ایسا ہی ہے جیسا آپ نے فرمایا، ذرّہ برابر بھی شرمندہ نہیں ہوتے تھے۔ جو اساتذہ درجۂ حفظ و ناظرہ کو پڑھاتے ہیں ان کی بھی اتنی ہی تنخواہ ہونی چاہیے جتنی حدیث شریف پڑھانے والوں کی ہوتی ہے۔ مولانا ابرار الحق صاحب [۷ر جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ = ۲۰ر دسمبر ۱۹۲۰ء - ۸ر ربیع الآخر ۱۴۲۶ھ = ۱۷ر مئی ۲۰۰۵ء] قرآن پڑھانے والوں کو اچھی تنخواہ دیتے ہیں۔ تمام علاقوں میں انھوں نے دور دور تک مکاتب کے جال بچھا دئے ہیں اور اس کی نگرانی فرماتے ہیں۔ درس گاہ کی صفائی کا بہت اہتمام رکھتے ہیں۔

(۱۲) مولانا عبدالرحیم رامپوری کے پردادا نے جب روہیل کھنڈ ختم ہوا، گھوڑے بیچنے شروع کیے، اسی سلسلے میں راجستھان کی سراؤں میں جا کر ٹھہرے تھے۔ بڑے

لڑکے ان کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ وہیں سراؤں میں مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دیتے تھے۔اب مولانا عبدالرحیم صاحب نے جے پور میں ایک مدرسہ جامعۃ الہدایہ بنایا ہے۔مولانا خود صبح سویرے چائے تیار کر کے مریدوں کواپنے ہاتھ سے پلاتے ہیں۔ظاہر ہے نماز بھی ضرور پڑھے گا،خود امامت سے گھبراتے ہیں۔فوٹو کھینچنے کو منع کر دیا اور کہا کہ عقیدت کا یہ مطلب نہیں کہ آپ حضرات ہمارے فوٹو کھینچ کر بت پرستی کریں۔(اس وقت راجستھان میں دینی حالات بہت خراب تھے)

(۱۳) فرمایا: لاہور کے کتب خانے میں فصوص الحکم کی ۳۵ شرحیں تھیں، تین مہینے کے عرصے میں وہاں کی ایک ایک شرح کو دیکھا ہے۔

(۱۴) فرمایا: بچے کے پیر پالنے میں نظر آجاتے ہیں،حضرت تھانویؒ جب بازار جاتے تھے توراستے میں کوئی مسجد نظر آجاتی،تو آپ مسجد میں ممبر پر بیٹھ کر کچھ کہا کرتے ۔جب آپ سن بلوغ کو پہونچے تو اللہ تعالی نے آپ کو بہت بڑا واعظ بنایا،حضرت سید احمد [۱۲۰۱ھ=۱۷۸۶ء-۱۲۴۶ھ=۱۸۳۱ء] بچپن میں کاٹھ کے گھوڑے پر بیٹھتے تھے، اللہ تعالی کو جہاد کا کام لینا تھا شہید ہوئے۔

(۱۵) فرمایا: مولانا قاری محمد صدیق باندوی کے پاس تھوڑی سی زمین ہے، مدرسے سے ایک پیسہ بھی نہیں لیتے۔جب لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ مدرسے سے تنخواہ نہیں لیتے تو ان کے نام بطور ہدیہ منی آرڈر بھیجنے شروع کر دیئے۔ وہ پیسہ بھی انھوں نے مدرسے ہی میں دے دیا۔ان کے پیر حضرت مولانا اسعد انور صاحب ناظم مظاہر علوم سے جا کر کہا گیا کہ ان کے یہاں جو روپیہ تحفتاً آتا ہے،وہ بھی مدرسے ہی میں دے دیتے ہیں۔حضرت مولانا نے فرمایا: وہ پیسہ مجھے دیا جائے، پھر وہ پیسہ حکماً ان کو دیا جاتا تھا کہ مولانا کے کئی بچے تھے۔حضرت مولانا اسعد اللہ فرمایا کرتے تھے اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے پوچھے گا کہ کیا لے کر آئے تو میں قاری صدیق صاحب کو

پیش کروں گا۔ اگر میں ان کی خوبیاں سنانے بیٹھوں تو مجھے ان کی سیکڑوں باتیں یاد نکلیں گی۔

(۱۶) حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی [۲۴/ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ-۱۷/ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ] مجتہد ہی تھے۔ شیعوں نے بھی اپنی وہ کتابیں نہ دیکھی ہوں گی جو انھوں نے دیکھی ہیں۔

بہت مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

(۱۷) فرمایا: کاندھلے میں ماہِ رمضان مبارک میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی مسجد میں ڈیڑھ صف نمازیوں کی ہوتی تھی اور علاوہ موذن کے سب کے سب حافظ قرآن ہوتے تھے۔

(۱۸) ایک مکتب کے مہتمم صاحب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: دیکھو اگر چھوٹے سے مدرسے میں باہر کے لڑکے رکھوگے تو کوئی مشکوۃ، جلالین تک کی تعلیم تو ہونی نہیں بس بچوں کو قرآن پڑھنا آجائے اردو آجائے، پورے ملک سے زکوٰۃ خیرات لینے کی ضرورت نہیں، اپنی ہی بستی سے اخراجات پورے کرنے چاہئے۔

(۱۹) دو صاحبان حضرت مولانا ابوالخیرؒ سے ملنے گئے۔ ان میں سے ایک مولانا انوارالحق عباسی امروہی تھے، میرے استاد تھے۔ حاجب نے جب اندر جا کر حضرت مولانا ابوالخیر سے کہا کہ ایک نواب صاحب آئے ہیں اور ایک حضرت محدث امروہیؒ کے شاگرد ہیں۔ مولانا ابوالخیر نے اس نسبت کا لحاظ کر کے انہیں تو اندر بلا لیا اور کہا کہ نواب سے کہہ دو کہ گھر چلے جائیں۔ ایک موقع پر مولانا ابوالخیر نے ...... سے خفگی کے ساتھ کہا میں نے سنا ہے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے قائل ہو رہے ہو، اس جملے کا ان پر یہاں تک رعب پڑا کہ ان کی چائے کی پیالی چھلک گئی۔ ☐☐☐

تیسری فصل

پند ونصیحت اور اقوال زریں

(۱) فرمایا: سب انسان خدا کی مخلوق ہیں، ظالم سے اللہ کو نفرت ہے، اگر مسلمان بھی ظلم کرے گا تو کیا اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے گا؟

(۲) حالاتِ حاضرہ سے متاثر ہو کر فرمایا: یہ فتنوں کے دور کے زمانے ہیں مگر ہرگز مایوسی والے حالات نہیں، فکر کے حالات ہیں، ان شاء اللہ اسی شر سے خیر نکلے گی۔ ہاں دعاؤں کی بڑی ضرورت ہے۔ مولانا محمد علی جوہر [۱۲۹۵ھ=۱۸۷۸ء-۱۳۴۹ھ=۱۹۳۱ء] کا شعر ہے۔

تو طیر ابابیل سے ہرگز نہیں کچھ کم ☆ بیچارگی پے اپنی نہ جا شانِ خدا دیکھ

(۳) ایک صاحب نے آکر شکایت کی، یہ میری والدہ مجھے پینٹ شرٹ پہننے کو کہتی اور داڑھی رکھنے کو منع کرتی ہیں۔ فرمایا ابا کو ابا کہتے رہو، اماں کو اماں کہتے رہو۔ ادب اور عاجزی کے ساتھ سلام کرتے رہو اور کہہ دو شریعت کے خلاف بات میں نہیں مانتا۔

(۴) فرمایا: اکثر غریب کی اولاد ہی والد کے انتقال کا زیادہ غم کرتی ہے، امیر کی اولاد تو مال پر قبضہ کی فکر میں لگ جاتی ہے۔

(۵) ایک صاحب نے عرض کیا حضرت میرا گھر والی سے جھگڑا ہو گیا تھا، میں نے اس کے دو ہاتھ مارے اور تین بار طلاق طلاق کہہ دیا، کیا کچھ گنجائش نکل سکتی ہے۔ فرمایا جتنے ہاتھ مارے تھے اگر اتنی ہی بار کہہ دیتے تو!

(۶) ایک صاحب نے دعا کی درخواست کی فرمایا: ان شاء اللہ کروں گا، دعا تو اللہ تعالیٰ نیک وبد سب کی قبول کرتا ہے۔

(۷) ایک صاحب نے معلوم کیا کہ اگر کہیں دو اجنبی عورتیں مری پڑی ہوں ان میں کیسے پہچان ہو کہ کون مسلمان ہے اور کون غیر مسلم۔ فرمایا: میاں یہ پوچھو نماز میں کتنے

فرض ہیں، وضو میں کتنے؟ روزہ نماز کے بارے میں پوچھو۔ یہ سب لغو باتیں ہیں ان میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔

(۸) فرمایا: ساعت مقبولہ پورے جمعہ کے دن میں، شب قدر پورے رمضان میں اور اسم اعظم پورے قرآن شریف میں ہے۔

(۹) فرمایا: تزک بابری میں لکھا ہے کہ بابر [۱۴/ فروری ۱۴۸۳ء - ۲۶/ دسمبر ۱۵۳۰ء، عہد حکومت: ۲۰/ اپریل ۱۵۲۶ء - ۲۶/ دسمبر ۱۵۳۰ء] ایک جگہ رجواڑے میں حملہ کرنے جا رہے تھے شریف نامی منجم نے منع کیا کہ یہ ساعت ٹھیک نہیں۔ بابر نہ رُکے اور جیت کر لوٹے۔

(۱۰) ایک صاحب نے آ کر عرض کیا حضرت کسی حاسد نے میری دوکان بند کرادی۔ فرمایا: یہ بالکل غلط بات پھیلا رکھی ہے۔ اگر دوکان نہیں چلتی تو کہتے ہیں کرت کرادی، دوکان بند کرادی، اللہ تعالیٰ رزاق ہے، وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے، روزی کوئی بند نہیں کرسکتا۔ اگر کسی کے بچہ نہیں ہوتا تو کہتے ہیں "کوک" بند کرادی۔ گویا سب کے تالے انہی کرت کے عاملوں کے پاس آگئے ہیں۔ (البتہ) میں دعا کروں گا۔

(۱۱) فرمایا: میں ان عقیقوں کو بند کراؤں گا، بدعت کا درجہ لیتے جا رہے ہیں، بچوں کو جاہل رکھیں گے، تعلیم نہیں دلائیں گے، ایک ایک عقیقے میں پانچ پانچ ہزار روپئے خرچ کر رہے ہیں، بے وقوف کہیں کے، جاہل لٹھ۔

(۱۲) ایک صاحب سے فرمایا: پچاس ساٹھ روپئے یومیہ کمانا کچھ کام نہیں آئے گا، اگر نماز روزے کے پابند نہیں ہوئے تو۔

(۱۳) فرمایا: انسان ایک رُخ ہو، دو رُخا رویہ ٹھیک نہیں۔

(۱۴) فرمایا: اگر کوئی گالی دے تو اس کو نقل نہیں کیا کرتے۔ اپنی حیا بھی تو کوئی چیز ہے۔

(۱۵) لڑکی کی شادی میں شرکت کے لیے ایک صاحب نے دعوت دی تو فرمایا۔ آپ نے مجھ جیسے کم ترین کا خیال رکھا۔ کرم ہوگا اگر منع نہ کروں اور دوسروں کو منع کرنے کے بعد خود شریک ہو جاؤں تو بڑی بے شرمی کی بات ہوگی۔

چوتھی فصل

تبلیغی جماعت

(۱) فرمایا: حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ مولانا محمد الیاسؒ نے یاس کو آس سے بدل دیا۔

(۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا: جو کچھ ہوتا ہے ان جماعت کے رونے والوں سے ہوتا ہے، ان کی خلوت ہوتی ہے اصل چیز۔ دین داری کی وجہ سے جو مصیبت آتی ہے وہ کامیابی کی کنجی ہے۔ اللہ پر بھروسہ ہونا چاہئے۔

(۳) الٰہ آباد میں حضرت شاہ وصی اللہؒ [ت ۱۳۸۷ھ = ۱۹۶۷ء] کی خدمت میں حاضری ہوئی، میرے دل میں کچھ اشکالات تھے۔ حضرتؒ نے میرے عرض کرنے سے پہلے ہی اپنی مجلس میں سب حل کر دیئے۔ میرے اوپر بہت رقت طاری ہوئی۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ وصی اللہؒ علی گڑھ یونیورسٹی میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہاں آپ کا وعظ ہوا، تبلیغی جماعت میں لگے ہوئے طلباء کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ جو بات میں ان کے اندر دیکھتا ہوں میرے پاس بیٹھنے والوں میں وہ بات نہیں۔ اور فرمایا جماعت کا کام برابر کرتے رہنا اور بہت ہی خوشی ظاہر کی۔

(۴) فرمایا کہ حضرت مولانا الیاسؒ حضرت حافظ صاحب مفسر امروہیؒ کے پاس جماعتوں کو امروہہ بھیجا کرتے تھے کہ ان سے دعا کرانا۔ حضرت مولانا یوسف صاحبؒ [ت ۱۳۸۴ھ = ۱۹۶۵ء] بھی جماعتوں کو صرف دعا کرانے کے واسطے امروہہ بھیجتے تھے۔(۱)

(۵) حضرت مولانا حفظ الرحمٰن (سیوہارویؒ) [۱۳۱۸ھ = ۱۹۰۱ء - ۱۳۸۲ھ = ۱۹۶۲ء]

---

(۱) حضرت مولانا فریدیؒ ہی کی خدمت میں بھیجتے تھے

سے حضرت مولانا محمد یوسفؒ کو بڑا قلبی تعلق تھا۔ جب حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا انتقال ہوگیا تو ان کی قبر پر آ کر مراقب ہوئے۔ واپس ہوئے تو مرکز کی مسجد کی آخری سیڑھی پر چڑھتے ہوئے کمر پکڑ کر فرمایا: ''ہائے رے حفظ الرحمٰن تو نے میری کمر توڑ دی۔''

(۶) فرمایا: دہلی کے حاجی نجم الدین بوٹ ہاؤس والے سناتے تھے کہ آگرے میں میری دوکان تھی۔ حضرت مولانا الیاسؒ وہاں تشریف لائے۔ میری ملاقات ہوئی تو فرمایا مسجد میں آئیو۔ بس اتنی بات ہوئی۔ میرا ایک مقدمہ بھائیوں سے چل رہا تھا، لاکھوں روپے خرچ ہو چکے تھے۔ خیال ہوا ان درویش سے جا کر کہوں۔ آ کر سلام کر کے بیٹھ گیا۔ مقدمے کا ذکر کیا۔ حضرت مولانا نے فرمایا: یہاں تین دن جماعت میں دے دو۔ میں نے کہا امیر جی زیادہ مت کہو۔ فرمایا: وکیلوں کو کتنا وقت دے چکے ہو، میں تم سے تین دن مانگ رہا ہو۔ میں ساتھ ہولیا۔ اللہ والے کے ساتھ رہ کر تین دن کی تاثیر دیکھئے۔ پہلے میرے دل میں یہ بات تھی کہ لڑکوں کو انگریزی تعلیم کے لیے لندن بھیجوں گا۔ تین دن میں یہ تاثیر ہوئی کہ حافظ بناؤ گا۔ آج ان کے سب بچے قرآن کے حافظ ہیں۔ یہ تین دن کی تاثیر تھی نسلوں تک کے لیے رحمتوں کا نزول۔

(۷) فرمایا: جو لوگ سجادہ نشین ہیں، مسجدوں کے متولی ہیں، امام ہیں۔ ایسے لوگوں سے بہت اکرام سے بات کرنی چاہئے۔ حضرت مولانا یوسفؒ کے پاس آ کر ایک سجادہ نشین غصہ ہونے لگے۔ حضرت نے ساتھیوں سے فرمایا: میاں یہ قصور ہمارا ہے۔ ہم نے بات اچھی طرح نہ سمجھائی ورنہ یہ غصہ تھوڑے ہوتے۔ میاں جی عبداللہ کھبڑ یا ضلع رامپور میں کھبڑ یا کی درگاہ کے سجادہ نشین (معروف بہ) امام صاحب کے پاس پہنچے۔ امام صاحب بڑے خوش ہوئے کہا: آپ ہمارے یہاں ٹھہریئے۔ میاں جی نے کہا: اب ٹھہر تو ہم مسجد میں گئے ہیں، آپ بھی شام کو تقریر میں آ جائیں تو مہربانی ہو۔ پھر وہ تقریر میں بھی تشریف لائے۔ میاں جی نے انہیں نذرانہ بھی دیا۔ ان

حضرات کو اکرام زیادہ ملنا چاہئے۔

(۸) فرمایا (پروفیسر) تقی امینی سے مجھے یوں زیادہ محبت ہے کہ انھوں نے علیگڑھ یونیورسٹی میں تبلیغی جماعت کی ایک شاخ قائم کردی۔ پٹیل [۳۱/ اکتوبر ۱۸۷۵ء- ۱۵/ دسمبر ۱۹۵۰ء، پہلا نائب وزیر اعظم ہند ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء- ۱۵/ دسمبر ۱۹۵۰ء] کا ارادہ تبلیغی جماعت کو بند کرنے کا تھا۔ مولانا آزاد [۱۳۰۵ھ=۱۸۸۸ء- ۱۳۷۷ھ=۱۹۵۷ء] نے جواہر لال نہرو [۱۴/ نومبر ۱۸۸۹ء- ۲۷/ مئی ۱۹۶۴ء، وزیر اعظم ہند اول ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء- ۲۷/ مئی ۱۹۶۴ء] سے کہا۔ یہ جماعت کلمہ نماز کو کہتی ہے۔ اس کا کسی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کو روکنا نہیں چاہئے، اگر اس کو منع کیا گیا تو دوسرے ملک میں یہ پیغام جائے گا کہ ہندوستان میں کلمے نماز کو منع کیا جارہا ہے۔ یہ بات جواہر لال نہرو کی سمجھ میں آگئی۔ مولانا حفظ الرحمٰن نے بھی کہا یہ اخلاقی قدروں پر کام کرنے والی جماعت ہے، اس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے بند نہیں کرنا چاہئے۔

(۹) فرمایا: حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی جانشینی کے بعد سب سے پہلا اجتماع مرادآباد میں ہوا، جس میں (۳۱۴) میواتی ہوگئے تھے جو حضرت مولانا الیاسؒ کی حسرت تھی یہ اجتماع شاہی مسجد مرادآباد میں ہوا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام، حضرت شیخ الحدیث حضرت رائپوری، مولانا علی میاں، مولانا محمد منظور نعمانی وغیرہ حضرات نے بھی اس میں شرکت کی تھی، حضرت شیخ الحدیث فرماتے تھے کہ جو علماء سے محبت رکھے گا اس کا بیٹا یا پوتہ ضرور عالم ہوجائیگا۔

(۱۰) فرمایا: مولانا ابرار الحق کہتے ہیں کہ یہ مت کہو کہ یہی دین کا کام ہے؛ بلکہ یہ کہو کہ دین کا ایک کام یہ بھی ہے۔

پانچویں فصل

ادبیات

(۱) قصبہ پھلت ضلع مظفرنگر پہنچ کر بڑے درد بھرے لہجے میں درد دہلویؒ [۱۷۲۱ء-۱۷۸۵ء] کا یہ شعر پڑھا:

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

اور فرمایا: حضرت شاہ ولی اللہؒ کی عظمت کی وجہ سے اس سرزمین پر بزرگانِ دین ننگے پاؤں چلے ہیں۔ میں نے حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی [۱۰۸۱-۱۱۴۵یا۱۱۶۳ھ] کے نام مکتوبات شائع کرائے ہیں، وہ مسلک شاہ ولی اللہؒ کے مرتب اور شارح ہیں۔

(۲) اخلاص کی گفتگو تھی، آپؒ نے جگر مرادآبادی [۶/اپریل ۱۸۹۰ء-۹/ستمبر ۱۹۶۰ء] کا یہ شعر برجستہ پڑھا۔

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا تقریر بہت دلچسپ مگر
آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں، چہرے پہ یقیں کا نور نہیں

(۳) ایک روز مسلمانوں کے ناگفتہ بہ حالات سن کر فرمایا۔

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی، نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

(۴) ۔

نہ بچا بچا کے تو رکھ اِسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

یہ شعر پڑھ کر فرمایا: علامہ اقبال کا یہ شعر حدیث قدسی ''میں شکستہ دلوں کے ساتھ ہوں'' کا مطلب ہے۔

(۵) آپؒ مسجد کے صحن میں رات کو سو رہے تھے، اس کے سامنے والے مکان کی دیوار گیز رپھٹنے سے پھٹ گئی، دیوار کا ملبا مسجد میں آ کر گرا، اس وقت آپ تنہا مسجد میں تھے، اوپر سے آنکھوں کی معذوری کا عالم، جب لوگ فجر کی نماز کے لیے آئے تو ایک صاحب نے دورانِ گفتگو کہا: حضرت پڑوسی تو اسی وقت جاگ گئے ہوں گے، مسکراتے ہوئے فرمایا: اجی ہمارے محلے والے تو ایسے ہیں اور سوداؔ کا یہ شعر پڑھا:

سوداؔ کے سرہانے جو ہوا شور قیامت
خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

(۶) مقامِ بندگی کا ذکر تھا فرمایا: محمد علی جوہر مرحوم [۱۲۹۵ھ=۱۸۷۸ء-۱۳۴۹ھ=۱۹۳۱ء] نے کہا ہے۔

یک شہر آرزو پہ بھی ہونا پڑا خجل
ھل من مزید کہتی ہے دوزخ ہر ایک بار

اسی نسبت سے دو شعر اور سنائے:

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کردیا ہم کو
وگر نہ ہم خدا تھے دل اگر بے مدعا ہوتا

مرضی دوست پہ آخر ہوئے تھک کر راضی
حضرت دل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷) ایک روز تحریری کام کے دوران عجیب عالم وجد میں سرمدؒ [۱۵۹۰ء-۱۶۶۱ء] کا یہ

قطعہ پڑھا:

سرمدؔ غمِ عشق بوالہوس را نہ دہند
سوزِ دلِ پروانہ مگس را نہ دہند

عمرے باید کہ یار آمد بہ کنار
ایں دولت سرمدؔ ہمہ کس را نہ دہند

(۸) ایک دن ذوقؔ دہلویؒ [۱۷۸۹ء-۱۸۵۴ء] کے مشہور شعر ؎

بلبل ہوں صحن باغ سے دور اور شکستہ پر
پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر

کی زمین میں حضرت مولانا نانوتویؒ کا یہ شعر سنایا:

میں کیا کروں کہ پر ترے ناوک کا جل گیا
رکھنا تھا اس کو داغ سے دور اور شکستہ پر

(۹) فرمایا: ایک بار حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ میر زاہد پڑھتے تھے۔ دلی کی گلیوں میں جارہے تھے اور شیخ سعدیؒ کا یہ قطعہ گنگناتے جاتے تھے:

جز سرِّ دوست ہر چہ بخوانی ضلالت است ☆ جز یادِ دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
سعدی بشوی لوحِ دل زِ نقشِ غیر حق ☆

مگر چوتھا مصرعہ یاد نہ آتا تھا۔ ایک شخص ظاہر ہوئے اور کہا:

علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است ☆

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے شکریہ ادا کیا اور معلوم کیا کہ آپ کون صاحب ہیں؟ فرمایا: سعدی ہمیں فقیر است، حضرت شاہ صاحب نے پان پیش کیا تو فرمایا: ما پان نمی خوریم۔ یا تو ان کی روح مثالی جسم میں سامنے آگئی تھی یا یہ شاہ صاحب کی قوتِ

تخلیہ کا اثر تھا۔

(۱۰) ایک حکیم صاحب نے دوران گفتگو کہا کہ لفظ ''سہرا'' اصل میں صہرا ہے، جو قرآن میں آیا ہے اس پر حضرت نے فرمایا۔ سہرا باندھنا، کنگن پہننا، شادی کی یہ سب رسمیں ہندوؤں سے آئی ہیں، کوچہ رائے مان کا کوچہ ''رحمٰن'' کرلیا ہے۔ ایسے ہی آپ سہرا کو صہرا کرنا چاہتے ہیں اور یہ شعر پڑھا:

صنم خانے میں کیا دیکھا کہ جاکر کھو گیا اصغر
حرم میں کاش رہ جاتا تو ظالم شیخ دیں ہوتا

(۱۱) فرمایا: حضرت تھانویؒ کو نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کا یہ شعر بہت پسند تھا۔

چہ خوش است باتو بزمے بہ نہفتہ ساز کردن
در خانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن

حضرت تھانویؒ کے سات سو مواعظ تھے۔ ساڑھے تین سو چھپ گئے ہیں ساڑھے تین سو پاکستان چلے گئے مگر چھپے نہیں، نجانے کہاں گئے۔

(۱۲) فرمایا: حضرت مولانا اسعد اللہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور [ت ۱۳۹۹ھ=۱۹۷۸ء] کے سامنے صفی لکھنوی [۲/جنوری ۱۸۶۲ء-۱۹۵۰ء] نے نواب شیفتہ [ت ۱۲۸۶ھ] کا ایک شعر سنایا، جس میں انھوں نے لفظ ''دُرُخشاں'' پڑھا۔ اکثر شاعر اسے ''دَرَخشاں'' ہی پڑھتے ہیں۔ حضرت مولانا اسعد اللہ نے فرمایا بڑی خوشی ہوئی پہلی دفعہ کسی شاعر کے منھ سے صحیح سنا۔

(۱۳) مولانا عبدالسلام رامپوری (جو کہ مشہور معقولی عالم ہیں) کو انکی کتاب ''افکار رومی'' پر انعام ملا تھا۔ حضرتؒ سے انہوں نے کہا: مجھے ''افکار رومی'' پر انعام مل گیا؛ مگر میں تحسین ناشناس سے خوش نہیں ہوں، ان لوگوں کی سمجھ میں میری بات نہیں آئی اور مجھے انعام دے دیا، پورے ہندوستان میں ایک آپکی شخصیت ایسی ہے، جو صحیح نقد

کرنے کی اہل ہے۔آپ بتلائیں گے تو مجھے اطمینان ہوگا، دوران گفتگو تصوف وجد وحال کی بھی بات آ گئی تھی ،اس پر مولانا عبدالسلام صاحب نے کہا: میری سمجھ میں یہ تصوف وغیرہ کبھی نہیں آیا،آپؒ نے اس کے جواب میں دو شعر پڑھے: ایک حضرت مولانا رومؒ کا، دوسرا علامہ اقبال کا:

چند خوانی حکمت یونانیاں
حکمت ایمانیاں راہم بخواں

□□□

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ طبیب

مولانا عبدالسلام نے دریافت کیا: کیا آپ حال کے بھی قائل ہیں؟ حضرت نے جواباً فرمایا: جی ہاں! ہوں؛ مگر اس حال کا جو صحابۂ کرامؓ کو تلواروں کے سائے میں آتا تھا۔

مرا ترنم پُر کیف ہے نشاط افزا
ربابِ عشق کے پردے میں نغمہ زا ہوں میں
فریدؔی

چھٹی فصل

ذکرِ امروہہ

(۱) امروہہ کے نقالوں کی عقلمندی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: امروہہ کے نقال بہت مشہور تھے، ایک نقال حکیم بنیاد علی رضوی مرحوم کے یہاں کسی خوشی کے موقع پر انعام لینے پہنچا، حکیم صاحب مطب کررہے تھے، کچھ طلب کیا، حکیم صاحب نے کہا ''چپ'' واپس آ گیا، ایک گھڑا لیا اس کے منھ پر سرخ کپڑا باندھ کر اگلے دن سر پر رکھے شہر میں پھر رہا ہے، لوگ پوچھتے اس میں کیا ہے، کہتا اس میں حکیم جی کی ''چپ'' بند ہے۔ لوگوں نے حکیم جی سے پوچھ پوچھ کر پریشان کردیا، تو اسے بلاکر انعام دیا اور کہا اب اس ''چپ'' کو کھول دے۔

(۲) فرمایا: حضرت شاہ شرف الدین شاہ ولایت [ت ۲۱/ رجب ۷۳۹ھ] کے مزار کے بچھو کے نہ کاٹنے کی جو کرامت مشہور ہے، وہ کوئی کرامت والی بات نہیں؛ بلکہ زیادہ پرانے قبرستان میں ہڈی (فاسفورس) کی مقدار زیادہ ہوجانے سے اس مٹی کی یہ تاثیر ہوجاتی ہے کہ زہر کو ختم کردیتی ہیں۔ اُن کی اصل کرامت تو یہ ہے کہ کتنوں کو دین دار بنادیا۔ کتنوں کو اللہ سے ملادیا۔ یہاں کے تین بزرگ تو تمام دنیا میں مشہور ہیں: میاں موجؒ کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ عضدالدین جعفری [۲۴؍ رجب ۱۰۷۷ھ-۲۷؍ رجب ۱۱۷۲ھ=۲۷؍ مارچ ۱۷۶۹ء] ان کے خلیفہ حضرت شاہ عبدالہادیؒ [۱۴؍ رجب ۱۰۸۴ھ-۴؍ رمضان ۱۱۹۰ھ] اور ان کے پوتے اور خلیفہ شاہ عبدالباری صدیقیؒ [۸؍ رجب ۱۱۶۰ھ-۱۱؍ شعبان

۱۲۲۶ھ=۱۸۱۱ء]۔ دیوبند، تھانہ بھون، سہارن پور، دہلی وغیرہ تمام علاقوں میں انہی تینوں کا فیض پہنچا ہے۔ خطہ عرب میں بھی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ذریعہ یہیں سے فیض پہنچا ہے۔

(۳) فرمایا: حضرت مرزا مظہر جان جاناں امروہہ تشریف لائے تو امروہہ کی نسبت فرمایا امروہہ شکنجۂ درویشانست (امروہہ درویشوں کی شناخت کا شکنجہ ہے) مرزا صاحب کا محلّہ گذری کی حوض والی مسجد میں قیام تھا، حضرت شاہ عبدالباری چشتی بغرض ملاقات مسجد میں تشریف لائے اور ایک طرف خاموشی سے بیٹھ گئے، مرزا صاحب نے فرمایا: چشتی بزرگ کی بو آرہی ہے پھر آپ نے شاہ صاحب کو اپنی خلافت سے نوازا۔

(۴) فرمایا: مولانا سراج الدین احمد خاں صاحب محلّہ بٹوال، مولانا صابر خانصاحب محلّہ گھیر مناف، مولانا حامد حسین صاحب محلّہ بڑا دربار، مقیم حال تھانہ بھون، امروہہ کے یہ تینوں حضرات، حضرت تھانویؒ کے خلفاء ہیں، بیان القرآن کی تصحیح مولانا سراج احمد خانصاحب نے کی ہے، وہ حضرت تھانویؒ کے مزاج سے بہت واقف تھے، اسی انداز سے زندگی بھی گذاری، حضرت مولانا ولی احمد صاحب حسن پوری کو سب سے زیادہ تھانوی رنگ میں رنگا دیکھا۔ بڑے بڑے علماء نے ان سے پڑھا ہے، گفتگو کا انداز، چلنے کا طور تک بھی حضرت تھانویؒ جیسا تھا، بڑا دل نشیں انداز، میں حسن پور حاضر خدمت ہوا، بڑے خوش ہوئے، مجھے کسی کام سے تحصیل جانا تھا، میں نے عرض کیا: میں تحصیل جارہا ہوں، فرمایا: آپ تحصیل جائیے میں آپ کا انتظار نہیں کروں گا، میں کھانا کھالوں گا اور ایک آدمی آپ کے کھانے کے لیے مقرر کردوں گا، دوران گفتگو یہ بھی فرمایا کہ جب کسی نواب خاندان میں شادی بیاہ ہوتے ہیں تو میں اپنی بیوی کو نہیں بھیجتا۔ یہ نواب لوگ ہیں، ان کی بیویاں

اچھے اچھے لباس اور زیور پہنتی ہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں دیکھ کر میری بیوی کے دل سے میری قدر نکل جائے، حضرت تھانویؒ نے جن (۵) آدمیوں کو فتویٰ دینے کے لیے مقرر کیا تھا، ان میں سے ایک مولانا ولی احمد بھی تھے۔

(۵) فرمایا: امروہہ کا جب کوئی یہ کہتا ہے کہ مجھے اردو نہیں آتی تو میرا غم سے بُرا حال ہو جاتا ہے، بہار میں بورڈ کے مدرسوں نے تمام لوگوں کو جاہل کر کے رکھ دیا۔ وہاں کے تمام مدارس بورڈ کی نذر ہو گئے۔ دین کی فکر ہو۔ آخرت کی فکر ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو، دین کی اشاعت کا جذبہ ہو، قرآن کو پڑھایا جائے اردو کو سکھایا جائے، بہار سے آنے والے بہت سے طلبہ اسی فکر میں رہتے ہیں کہ بہار جا کر بورڈ کے مدرسے میں لگ جائیں گے۔

ہر اک زائر کو ملتی ہے سعادت کی یہاں دولت
ہے کیا اللہ اکبر مصدرِ فیضان امروہہ

❖ ❖ ❖

میرے وطن کے بام و در بقعۂ نور بن گئے
مسکنِ شہ پہ رحمتِ پروردگار دیکھ لو

فریدیؔ

ساتویں فصل

متفرقات

(۱) سب سے پہلے شخص جنھوں نے حجۃ اللہ البالغہ کا اردو ترجمہ (ادلہ کاملہ) کیا وہ مولانا خلیل احمد اسرائیلی سنبھلی تھے۔ پچاس روپئے میں خرید کرلایا۔ آنکھوں سے معذور ہوں۔ کتاب کو ہاتھ لگاتا ہوں تو تسلی ہوجاتی ہے۔

رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

(۲) فرمایا: مدنی خاندان کے کچھ افراد کار سے کہیں تشریف لے جارہے تھے۔ راستے میں حادثہ ہوگیا، جس میں مولانا رشید الدین صاحبؒ کے والد حضرت مولانا حمید الدینؒ کا انتقال ہوگیا۔ گاڑی میں مستورات بھی تھیں لیکن کسی نے اپنے چہرے سے نقاب نہیں ہٹایا۔ پردے کا اس خاندان میں اتنا اہتمام کیا جاتا ہے۔

(۳) فرمایا: نقاب کشائی کتاب کے مصنف نے جو پہلے شیعوں کے مجتہد تھے، اپنی کتاب میں اپنے سنی ہونے کا سبب بیان کیا ہے کہ مجھے ایک مجلس میں شریک ہونا تھا طبیعت خراب تھی، ایک نے کہا کہ تینوں خلفاء اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام لکھ کر پیشاب کرو (نعوذ باللہ) جب میں نے ایسا کیا۔ عمارت گری، زخمی ہوا، کئی مہینے اسپتال میں رہا۔ یہ واقعہ سبب بنا۔

(۴) فرمایا: سابق وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے [۲/ اکتوبر ۱۹۰۴ء - ۱۱/ جنوری ۱۹۶۶ء، عہد وزارت ۹/ جون ۱۹۶۴ء - ۱۱/ جنوری ۱۹۶۶ء] مسئلہ کشمیر پر صدر ایوب [۱۴/ مئی ۱۹۰۷ء - ۱۹/ اپریل ۱۹۷۴ء، عہد صدارت ۲۷/ اکتوبر ۱۹۵۸ء - ۲۵/

مارچ ۱۹۶۹ء] سے صلح کر لی۔ جن سنگھ کے لوگوں کو جب معلوم ہوا تو ان سے تاشقند میں کہلوایا کہ جب آپ آئیں گے تو کالی جھنڈیوں سے آپ کا سواگت ہوگا۔ اسی بات کے غم میں ان کا انتقال ہو گیا۔

(۵) میری بمبئی میں ایک نومسلم انگریز سے ملاقات ہوئی، ہندوستان آیا تھا۔ میں نے اس سے معلوم کیا کہ تم کو کس نے مسلمان کیا؟ اس نے جواب دیا۔ جب میں لندن سے ہندوستان آیا میرے ایک مسلمان دوست نے میری دعوت کی اور بہت ہی عمدہ کھانے کا اہتمام کیا، جب کھانا کھایا تو منجملہ اور کھانوں کے پلاؤ بھی تھا اور بہت ہی لذیذ تھا۔ جب میں فارغ ہوا تو غور وفکر کرنے لگا کہ جس مذہب والوں کا کھانا (یعنی دنیا) اتنا لذیذ ہے تو ان کا دین کتنا لذیذ ہوگا۔ لہٰذا میں مسلمان ہو گیا، مجھے نہ تو حضرت مولوی نے مسلمان کیا، نہ حضرت حافظ نے۔ مجھے تو حضرت پلاؤ نے مسلمان بنا دیا ہے۔

(۶) حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض دفعہ غیر عالم کی بات اتنی فائدہ مند ہوتی ہے کہ عالم کی بھی نہیں ہوتی۔

فریدؔی لاکھ دینے کا یہ اک دینا ہے قدرت کا
دہن میں جس کے اک جادو بھری زباں رکھ دی

چھٹا باب

منظوم خراجِ عقیدت

مناقب و مرثیہ جات

اس پیکر خلوص و محبت کو دفعتہً
لے کر گئی ہے زندگیِ جاوداں کہاں

فریدیؔ

فیضانِ نسیمؒ

از: افسؔر امروہوی تلمیذ خاص حضرت مولانا فریدیؒ

اپنے آقا کی غلامی جزوِ ایمانِ نسیمؒ
اس میں ہی مضمر ہے ساری عظمت و شانِ نسیمؒ

جب بھی چاہا گنبد خضرا کو دیکھا دیر تک
کون سی منزل میں تھا شوق فراوانِ نسیمؒ

زہد ہو، ایثار ہو، تقویٰ ہو یا حُسنِ عمل
آئے گا ایک ایک عنواں زیرِ عنوانِ نسیمؒ

پیار کا، شفقت کا یہ انداز تو دیکھے کوئی
ہم میں سے ہر ایک خود کو سمجھے ہے جانِ نسیمؒ

ہے اگر تعریف کے قابل نبیؐ کی خاکِ پا
ہر ثنا خوانِ پیمبرؐ ہے ثناخوانِ نسیمؒ

محفلیں نعت و مناقب کی سجیں گی حشر تک
حشر تک جاری و ساری ہے یہ فیضانِ نسیمؒ

نعت ہو تو مدحتِ اصحابؓ پیغمبرؐ بھی ہو
اہلِ سنّت بھول مت جانا یہ فرمانِ نسیمؒ

کون کہتا ہے کہ میرے سر سے سایہ اُٹھ گیا
میں قیامت تک ہوں افسؔر زیر دامانِ نسیمؒ

❑ ❑ ❑

سراپا لکھ سکوں مفتی نسیم احمد فریدیؒ کا

غنچہ فکر: مفتی عزیز الرحمان فتح پوری ثم بمبئی

یہ ممکن تو نہیں لیکن تقاضا ہے مرے جی کا
سراپا لکھ سکوں مفتی نسیم احمد فریدیؒ کا

سراپا علم ایثار وکرم چشم بصیرت کا
سراپا حسن واخلاص وعمل میں شان عظمت کا

سراپا دانش وبینش میں آثار صداقت کا
سراپا زہد و تقوی جن کے انوار صداقت کا

سراپا آگہی دیدہ وری عرفان وحدت کا
سراپا سرور کونین سے سچی محبت کا

نگاہ مرد مومن جس نے دی ذروں کو تابانی
تو خود تاباں تھی نور لم یزل سے جس کی پیشانی

شعور زندگی نور ہدایت روح کی عظمت
وہ میخوار ازل پیتا رہا جو بادۂ وحدت

سنائے جس نے اہل دل کو وحدت کے حسیں نغمے
وہ حق آگاہ امروہہ کی اک پہچان تھی جس سے

قلم نے جس کے علم وفضل کے موتی بکھیرے ہیں
وہ جس کو چھوڑ کر جائیں تو باطل کے اندھیرے ہیں

حقیقت آشنائی سے حقیقت آشنائی تک
یقیں کی شمع سوزاں سے خودی کی رہنمائی تک

وفور شوق میں ڈوبے ہوئے جذبات ایمانی
یہیں سے آگہی نے اس قلم کی شان پہچانی

قلم کی روشنائی یاد حق عشق شہ بطحا
تو پھر بہتا رہا تا زندگی عرفان کا دریا

رسول پاک اصحاب وائمہ اولیاء اللہ
ہر اک ذکر میں ہے عشق ومستی کا سر چشمہ

وہ جس کی ترجمانی بن گئی فکر ولی اللہی
تو باطل کے لیے تھا یہ قلم ضرب ید اللہی

جمال قاسمی کی عظمتوں سے آشنائی دی
تو اہل حق کی ہر محفل میں گونج اس کی سنائی دی

مجدد الف ثانی ہوں کہ ان کے قافلے والے
قلم اٹھا قصیدے ان کی عظمت کے بھی لکھ ڈالے

مصنف تو بہت دیکھے محقق کم نظر آئے
کمال آگہی کے یہ سبق ہم نے یہاں پائے

عمل کے ساتھ ہو جب علم میں اس درجہ گہرائی
تو یہ کہنا ہی پڑتا ہے ملی تھی شان یکتائی

تقدس زہد وتقویٰ معرفت اسرار یکتائی
مئے عشق ازل پی کر یہ سچی زندگی پائی

بصیرت کی زباں بن کر نرالا منفرد لہجہ
مشائخ کی صفوں میں تھا جو اک عنوان شائستہ

مقام احدیت میں ڈوب کر عشق نبوت تک
سفر حق آگہی کا لے گیا بندوں پہ شفقت تک

مقام راستی میں حق کی سچائی نمایاں تھی
جہاں آگہی میں شان یکتائی نمایاں تھی

غرور زہد کا کوئی تصور تک تھا نا ممکن
شعور زندگی کا دیکھنا یوں ہوگیا ممکن

کمال زہد ہو یا منصب فتویٰ نویسی ہو
سراپا رشک اے دل زندگانی ہو تو ایسی ہو

جمالستان ہستی میں جمال حق نما بن کر
دکھائی حق کی سچی روشنی اک آئینہ بن کر

نظر کی پاکبازی نے نظر کی آبرو رکھ لی
طبیعت نے ازل ہی میں وفائے حق کی خو رکھ لی

کمال عجز کا پیکر کمال علم کا مظہر
دماغ و دیدۂ دل ڈھونڈھتے ہیں پھر وہی منظر

تمناؤں کی ناکامی لیے اک درس عبرت ہوں
کہاں مفتی نسیم احمدؒ کو ڈھنڈوں محو حیرت ہوں

میں تنہا کب ہوں سارے چاہنے والوں کا یہ غم ہے
فضائے ارض امروہہ میں بھی یہ کیف اور کم ہے

سروش غیب بن کر میرے کانوں میں یہ صدا آئی
صدا جس نے حقیقت ہستی مطلق کی سمجھائی

مقام عبدیت میں گم ہوا وحدت کا متوالا
خدا کے پاس جا پہنچا خدا کا چاہنے والا

❑❑❑

وہ نہ آئے گا اب

نتیجۂ فکر: جاوید اقبال

موت کی تنگ و تاریک راہوں میں جو
کھو گیا، کھو گیا
لاکھ روتے رہو، یاد کرتے رہو
اس کے عادات و آداب و تہذیب کو
اس کے اشعار و اطوار و اخلاق کو
وہ کبھی پھر نہ آئے گا اس شہر میں
اس کے احکام کے اس کے لب پر مچلتے ہوئے
حسن ارشاد کے
منتظر حوصلو، دین کے قافلو، عشق کے ولولو
وہ نہ آئے گا اب
لاکھ روتے رہو، یاد کرتے رہو
وہ متاع وفا، گوہر علم و فن
نازش اہل دل، روح اہل نظر
مشفق امت مصطفیٰ، مرحبا مرحبا
حسن انسانیت محسن بیکساں
صحن باغ مشائخ کے اک دل نشیں نغمہ خواں

وہ گلستانِ دیں کا مہکتا ہوا گل
جس کی خوشبو فضاؤں کا ایمان تھی
جس کے رخ پر مچلتی ہوئی تازگی
شمعِ عرفان تھی
آسمانِ شرافت کا وہ مہتاب منور
جس کی کرنوں میں فکر نجاتِ بشر
جس کے جذبات کی چاندنی میں نہاں
عکسِ حق وصداقت
جس کے دل میں وطن کی محبت جواں
وہ مرے شہر میں دوستوں اب کہاں
مفتیٔ شہر کس کو کہیں کوئی اس سا نہیں
وہ شریعت بھری جھیل میں
اک طریقت کا تازہ کنول
زندگی تلملاتی رہے اب نہیں کوئی اس کا بدل
موت کی تنگ وتاریک راہوں میں جو
کھو گیا، کھو گیا
لاکھ روتے رہو، یاد کرتے رہو
وہ نہ آئے گا اب
دوستو، ساتھیو۔

❑❑❑

فدائے مصطفیٰ

نتیجۂ فکر: جاوید اقبال

فدائے مصطفیٰ کا نام ہے مفتی نسیم احمد
متاعِ بے بہا کا نام ہے مفتی نسیم احمد

وہ جس سے زہد کی کلیوں کے لب پر مسکراہٹ ہے
اسی بادِ صبا کا نام ہے مفتی نسیم احمد

غریبوں بے کسوں کو جس نے سینے سے لگایا تھا
اسی درد آشنا کا نام ہے مفتی نسیم احمد

جہاں بے شرمیوں کا نام فیشن رکھ لیا جائے
وہیں شرم و حیا کا نام ہے مفتی نسیم احمد

جو دینِ حق کی خاطر جان دینے سے نہ گھبرائے
اسی مردِ خدا کا نام ہے مفتی نسیم احمد

❑❑❑

رباعیات

نتیجۂ فکر: جاوید اقبال

یاد آتی ہے جس وقت بھی تقریرِ نسیم
آنکھوں میں مچل جاتی ہے تصویرِ نسیم

تاریکیِ باطل سے نہیں مٹ سکتی
جس دل میں ہے تابائی توقیرِ نسیم

اخلاق و مروت کا سفینہ تھے نسیم
اللہ کی رحمت کا خزینہ تھے نسیم

اس واسطے دیوانی تھی دنیا ان کی
دیوانۂ سرکارِ مدینہ تھے نسیم

یہ زہد یہ پاکیزہ خیالات نسیم
ہر دل کو لبھاتے ہوئے جذبات نسیم

بے جان سے بے ربط سوالات مرے
اور شاہدِ ادراک جوابات نسیم

مفتی نسیم احمد فریدیؒ

غنچۂ فکر: جاوید اقبال

اردو ادب کے ماہر و فنکار غمزدہ   میخانہ حیات کے میخوار غمزدہ
شہر طرب کے کوچہ و بازار غمزدہ   انسانیت کے سارے طرف دار غمزدہ
اک پیکر خلوص و محبت کی موت سے
اک پاکباز قائد ملت کی موت سے

❑❑❑

پرشوخ و پر مذاق ہوائیں اداس ہیں   مدہوش و نغمہ یار فضائیں اداس ہیں
یارانِ شہرِ جاں کی وفائیں اداس ہیں   ہونٹوں پہ رقص کرتی صدائیں اداس ہیں
یہ فتح موت ہے کہ شکستِ حیات ہے
جو درد و غم میں ڈوبی ہوئی کائنات ہے

❑❑❑

یہ موت تو تاجدار محبت کی موت ہے   یہ موت افتخارِ صداقت کی موت ہے
یہ موت بہارِ عبادت کی موت ہے   یہ جانثار حقیقت کی موت ہے
امن و سکون ملتا ہے ظالم کی موت سے
عالم کی موت ہوتی ہے عالم کی موت سے

❑❑❑

بزم جہاں سے واقفِ آداب چل بسا　　افلاک صبر وشکر کا مہتاب چل بسا
عزت مآب شوکت احباب چل بسا　　انسانیت کا گوہر نایاب چل بسا

ہم سے ہماری آج یہ حیرانیاں کہیں
اب کس سے جاکے اپنی پریشانیاں کہیں

□□□

بوبکرؓ اور عمرؓ کا طرفدار چل بسا　　عثمانؓ کی سخا کا طلبگار چل بسا
وہ جانثار حیدر کرارؓ چل بسا　　قدرت کا شاہکارِ خوش اطوارچل بسا

وہ ذاکر صفات صحابہؓ چلا گیا
آئینہ حیات صحابہ چلا گیا

□□□

محمود کا وہ عکس ذہانت نہیں رہا　　بوئے حسین کی وہ لطافت نہیں رہا
وہ زِکریا کا خوگر مدحت نہیں رہا　　پروانۂ مجاہد ملت نہیں رہا

آزادیٔ وطن کا وہ شیدائی اب کہاں
امنِ جہاں کا سچا تمنائی اب کہاں

□□□

وہ عاشق رسول وہ ہمراز اتقیا　　جس کی ہر اک ادا میں تھے انداز اصفیا
ناپید ہوگئی ہے وہ آواز اولیاء　　وہ اک خطیب عظمت واعجاز اولیاء

وہ شخص دورِ نَو کا پیمبر کہیں جسے
حسنِ عطائے خالقِ اکبر کہیں جسے

□□□

اے کاروانِ نیست کے رہبر تجھے سلام　　اے جاںنثارِ شافعِ محشر تجھے سلام
دانشورانِ وقت کے ہمسر تجھے سلام　　تجھ پر سلام اور مکرر تجھے سلام

تجھ پر سلام علم وادب کے چراغِ نو
تجھ پر سلام رحمتِ رب کے چراغِ نو

❑❑❑

اے گلستانِ دین گُل تر تجھے سلام　　اے عقل وآگہی کے پیمبر تجھے سلام
اے ارتقائے زہد کے پیکر تجھے سلام　　اے آبروئے مسند ومنبر تجھے سلام

تجھ پر سلام متقی شہر آرزو
تجھ پر سلام روشنی شہر آرزو

❑❑❑

اے پاسبانِ حسن شریعت تجھے سلام　　اے حامیٔ فلاح طریقت تجھے سلام
اے صدر بزم اہل جمعیت تجھے سلام　　اے افتخار شمعِ حقیقت تجھے سلام

اے بیکسوں کے ہمدم ومونس تجھے سلام
اے درسگاہِ دیں کے مدرس تجھے سلام

❑❑❑

یقین وصبر واستقلال ہیں جوہر مسلماں کے
اُسے ملتی ہے تسلیم ورضا سے مسند آرائی
فریدؔی

قطعۂ تاریخِ وفات

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہی رحمۃ اللہ علیہ

سوگوار: اقبال احمد خوشترؔ

اودی کلاں (راجستھان)

صاحبِ لطف و کرم، علم و ہنر — اور فقیہ مستند و معتبر
فیض سے تھا آپ کے ہر اک بشر — مستفیض و مستفید و بہرہ ور
جامعہ کے تھے امیر کارواں — آپؒ سے تھا کارواں محوِ سفر
معترف تھے شخصیت کے آپؒ کی — اہلِ دل ، اہلِ نظر ، اہلِ ہنر
پیکرِ اخلاص اور ایثار تھی — سادگی کو ناز تھا جس ذات پر
تھے وہ حضرت مفتی احمد نسیمؒ — کر گئے دنیا سے جنت کو سفر
موت کی سن کر خبر ہر شہر میں — ہر نفس اندوہگیں ہے سر بسر
جستجوِ خوشترؔ نے کی جب بہرِ سال — تو کہا ہاتف نے ہو کر چشم تر
جسکی ضَو سے ظلمتیں کافور تھیں — بجھ گیا ہے وہ ’’چراغِ رہ‘‘ گزر

۲۰۵+۱۲۰۴
=
۱۴۰۹ھ

اظہار تاثر

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ کے انتقال پُر ملال پر

نتیجۂ فکر: رئیس احمد رئیسؔ امروہوی

آ رہا ہے کیوں نظر ہر شخص مجھکو محو یاس　　شہر کے ماحول پر طاری ہے یہ کیسا ہراس
منظروں کی دلکشی کو کیا ہوا کیوں ہیں اداس　　اے رئیسؔ اب کس سے پوچھوں ہر کوئی ہے بدحواس
ہو نہ ہو کوئی عظیم انسان رخصت ہوگیا
اک ولی اک صاحبِ ایمان رخصت ہوگیا

❑❑❑

کوئی کہتا آج امروہہ کا قائد چل بسا　　کوئی کہتا متقی مومن و زاہد چل بسا
ہر نفس جس کا عبادت تھا وہ عابد چل بسا　　مختصر یہ ہے کہ اک مرد مجاہد چل بسا
لائق تشہیر تھا ہر فعل اس کے باوجود
نام کو بھی تھی نہ دل میں خواہش نام نمود

❑❑❑

اے عظیم المرتبت اے مشفق پیر و جواں　　اے فقیہ بے نظیر اے واعظ شیریں زباں
رہبر راہِ شریعت رہروِ راہ جناں　　اے خلیقِ بے مثال اے ضامنِ امن واماں
تیرے قول وفعل سے ٹپکے تھی امن وآشتی
امن کا پیغام تو دیتا رہا تا زندگی

زندگی کا زندگی بھر سادگی عنوان رہی　　زندگی پر زندگی بھر زندگی نازاں رہی
شاعری پر شاعری ان کی گہر افشاں رہی　　شخصیت ہر شخصیت کے درد کا درماں رہی
چاہنے والوں پہ اپنے رنگ اپنا چھوڑ کر
ہوگئے رخصت وہ ہم سب کو تڑپتا چھوڑ کر

❑❑❑

نعت گوئی میں وہ اپنے وقت کا حسان تھا　　ناز تھا انسانیت کو جس پہ وہ انسان تھا
شان والوں کے مقابل وہ بڑا ذیشان تھا　　تاج کی خواہش نہ تھی بے تاج کا سلطان تھا
خلق و ایثار و وفا اخلاص کا پیکر تھا وہ
یعنی اپنی ذات کا خود آپ ہی مظہر تھا وہ

❑❑❑

خونِ دل کو اشک بن کر آنکھ سے بہنا پڑا　　ہوش اڑنے پر بھی ہم کو ہوش میں رہنا پڑا
سہنے کے قابل نہ تھا صدمہ مگر سہنا پڑا　　بادلِ ناخواستہ سب کو یہی کہنا پڑا
حضرتِ مفتی نسیم احمد فریدی الوداع
الوداع اے جانِ جاں جانِ حبیبی الوداع

❑❑❑

مرثیہ

حضرت مفتی نسیم احمد فریدی امروہی نور اللہ مرقدہ

از: مولانا محمد ارشاد صاحب نوگانوی

وہ گود چھوٹ گئی اب ہم سے عمر بھر کے لیے
نظر ترستی رہے گی اب اک نظر کے لیے

وہ گود جس کا زمانے میں بول بالا تھا
وہ گود جس نے بڑی شفقتوں سے پالا تھا

وہ گود یعنی ہمارے سروں کے تاج نسیم
جو عمر بھر کے لیے کر گئے جہاں کو یتیم

گزر چکے ہیں جو حالات یاد آتے ہیں
سرور و کیف کے لمحات یاد آتے ہیں

وہ یادیں غمزدہ آنکھوں میں رقص کرتی ہیں
لٹی حیات کے خاکے میں رنگ بھرتی ہیں

وہ ایک باپ کی شفقت کہاں سے لائیں گے
وہ ایک ماں کی محبت کہاں سے لائیں گے

سرور و کیف کے لمحے بہار کی گھڑیاں
کہاں سے لائیں گے انمول پیار کی گھڑیاں

وہ پیار جس پہ خدائی کو ناز تھا بے شک
وہ پیار اہل وفا کی نماز تھا بے شک

برستی آنکھوں سے کچھ دل کی بات کہتی ہے
تڑپ تڑپ کے عروس حیات کہتی ہے

کہاں گیا مری زلفیں سنوارنے والا
چمن کو خون جگر سے نکھارنے والا

اندھیری رات میں رب کو پکارنے والا
حیات دین کے غم میں گزارنے والا

یہی مکان یہی مسجد یہی ہوائیں تھیں
اسی کے جام سے سرشار یہ فضائیں تھیں

ہر ایک شخص کو بھاتی تھی ہر ادا اس کی
ہر ایک غم کی دوا تھی فقط دعا اس کی

ہزاروں ٹوٹے ہوئے دل ملادیے اس نے
ہزاروں اجڑے گلستاں سجادیے اس نے

بجھی بجھی سی رگ دل سوال کرتی ہے
لٹی لٹی سی یہ محفل سوال کرتی ہے

رموز راہ وفا کے سکھائے گا اب کون
وہ معرفت کے خزانے لٹائے گا اب کون

فضائے میکدہ ہردم ہے بے قرار اب بھی
نسیم صبح گلستاں ہے سوگوار اب بھی

اسی کی یاد میں روتا ہے آسماں اب تک
اسی صدا کو ترستی ہیں بستیاں اب تک

❑❑❑

گوہر فریدی

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ کی یاد میں

کاوش: اسلم بقائی امروہوی

تمہارانام ہے لب پر فریدی | تڑپتا ہے دل مضطر فریدی
مسافر تھے ہوے جنت کو رخصت | غموں کا چھوڑ کر منظر فریدی
لیے پھرتے تھے دوش ناتواں پر | مکمل دین کا دفتر فریدی
کہا ہوگا میرے آقاؐ نے ان سے | رہو مہمان میرے گھر فریدی
بتایا راستہ جنت کا ہم کو | ہمارے قائد و رہبر فریدی
مری آنکھوں کی اس دن عید ہوگی | ملیں گے جب سر محشر فریدی
جدا ہو ہی نہیں سکتے ہیں ہرگز | تمہارے ہاتھ میرا سر فریدی
کچھ ایسا لگ رہا ہے ہر نظر کو | گئے ہوں جس طرح باہر فریدی
لٹاتے ہی رہے ہونٹوں سے اپنے | چمن کے لال اور گوہر فریدی
جو بولیں تو لبوں سے پھول برسے | بہاریں لائے تھے لب پر فریدی
میرے آقاؐ کے چاروں ساتھیوں پر | فدا سو جان سے ان پر فریدی
کسی کو بھی بُرا مت کہنا اسلم | کہا کرتے تھے یہ اکثر فریدی

❁❁❁

دست قدرت کی عطا.......

نورؔ امروہوی
ڈائریکٹر النور انٹرنیشنل، ۸۳۱۴۵۱/ ڈیلس ٹیکساس (یو.ایس.اے)

پیکر صدق و صفا تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ
جوہرِ حلم و حیاء تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ

داد و دانش ، علم و حکمت میں فریدِ روزگار
سب میں تھے ، سب سے جدا تھے حضرت مفتی نسیمؒ

بے کس و مظلوم کے ہمدرد و مشفق غمگسار
مہر و شفقت کی رِدا تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ

اُن کے در سے کوئی بھی خالی نہ جاتا تھا کبھی
منبعِ جود و سخا تھے حضرت مفتی نسیمؒ

مہربان و دلنواز اور شاعرِ عالی وقار
دستِ قدرت کی عطا تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ

ادنیٰ و اعلیٰ پہ بے تخصیص تھا فیضِ عمیم
ذاتِ حق کا آئینہ تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ

اُن کے اوصافِ حمیدہ کا بیاں کیا ہو سکے
واقعی حق آشنا تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ

اہلِ امروہہ رہیں گے اُن کے ممنونِ کرم
ایسی رحمت کی گھٹا تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ

اُن کے عرفان و عمل کا نوؔر تھا چھایا ہوا
رحمتِ حق کی ضیا تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ

□□□

فریدؔی اچھا اب رخصت مرا تارِ نفس ٹوٹا
دعائے مغفرت سے یاد رکھنا مہرباں مجھ کو

مختصر تعارف مصنف کتاب

اسم گرامی : مولانا محب الحق صاحبؒ بن جناب محمد حنیف شیخ صدیقی

تاریخ ولادت : تقریباً ۱۹۵۱ء

جائے پیدائش : موضع ''پروہی'' وایا بسفی ضلع مدھوبنی، بہار

ابتدائی تعلیم : مدرسہ کاشف العلوم ''پرسونی''(PARSAUNI)

جامعہ احمدیہ، کاشی باڑی، ضلع اتر دیناجپور، بنگال

فضیلت : جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

سابق استاذ : جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

تاریخ وفات : ۲۴؍شوال المکرم ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۲؍ستمبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار، بوقت نماز فجر

جائے وفات : جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

جائے تدفین : نیا قبرستان، نزد عیدگاہ، موضع ''پروہی''ضلع مدھوبنی، بہار

تالیفات : (۱)فیضانِ نسیم : مولانا فریدیؒ کے حالات، ملفوظات اور مکتوبات(۲)سیرت ذوالنورینؓ : امیر المومنین خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کے مختصر حالات(۳)مکتوباتِ نعمانی: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مکتوبات بنام نواب عزیز الٰہی خاں حسن پوری مرحوم (۴)مکتوباتِ مشاہیر: بنام نواب عزیز الٰہی خاں حسن پوری مرحوم(۵)اردو تفاسیر و تراجم: علماء دیوبند کی تفسیری خدمات(۶)مقالاتِ فریدی (جلد اول): مولانا فریدی امروہیؒ کے مقالات(۷)سید العلماء: حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کی سوانح حیات(۸)حکیم الامت کی محفل ارشاد(۹) زیارت حرمین (حضرت مولانا فریدیؒ کا سفر نامہ حج)(۱۰)مقالاتِ فریدی جلد دوم(۱۱)مقالاتِ فریدی جلد سوم (۱۲)جواہر پارے (تلخیص و انتخاب مکاتیب رشیدیہ) (۱۳)حیاتِ فریدی (۱۴) سفر نامۂ حجاز: مولانا نواب رفیع الدین فاروقی مرادآبادیؒ اور نواب مصطفیٰ علی خاں شیفتہ کا سفر نامۂ حج (زیر طبع)

HAYAT-E-FARIDI

by

Maulana Muhibb-ul-Haq

مفتی نسیم احمد فریدیؒ اکابر کی نگاہ میں

”مولانا نسیم احمد فریدیؒ کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا علمی ذوق اور علم میں ان کی فنائیت ہے، علم سے ان کو وہی تعلق تھا، جو مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے۔ علمی اشتغال رکھنے والے، تصنیف و تالیف کرنے والے بہت سے مل جائیں گے؛ لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جن کا ذوق نہیں؛ بلکہ ذائقہ بن چکا ہو، علم ہی ان کے لیے غذا، دوا، شفاء، سب کچھ ہو۔ وہ مولانا نسیم احمد فریدیؒ تھے۔“

(مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

”اس وقت نام تو یاد نہیں ہے؛ لیکن کسی قابل اعتماد اور صاحب نسبت بزرگ سے یہ سنا تھا کہ مولانا فریدیؒ اس دور کے صاحب خدمت بزرگ ہیں۔ مولانا کے احوال و مقامات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔“

(فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ)

”میرے محبوب دوست اور رفیق مولانا نسیم احمد فریدی نے (جنہیں اب رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے اور جنہیں ہندوستان کی اصلاح و تجدید کی تاریخ اور اس کے مرکزی کرداروں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ، ان کے اخلاف اور صاحبزادگان اور حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ وغیرہم سے نہ صرف یہ کہ مثالی عقیدت و محبت تھی بلکہ وہ متفقہ طور پر اس تاریخ کے سب سے مستند محقق اور اس کے ماہر مؤرخ تھے)“

(مولانا محمد منظور نعمانیؒ)

EDUCATIONAL
PUBLISHING HOUSE
www.ephbooks.com

978-93-5073-806-1

₹ 300.00

مصنف کی دیگر کتابیں

(۱) فیضانِ نسیم: مولانا فریدیؒ کے حالات، ملفوظات اور مکتوبات
(۲) سیرت ذوالنورینؓ: امیر المومنین خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کے مختصر حالات
(۳) مکتوباتِ نعمانی: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مکتوبات بنام نواب عزیز الٰہی خاں حسن پوری مرحوم
(۴) مکتوباتِ مشاہیر: بنام نواب عزیز الٰہی خاں حسن پوری مرحوم
(۵) اردو تفاسیر و تراجم: علماء دیوبند کی تفسیری خدمات
(۶) مقالاتِ فریدی (جلد اول): مولانا فریدی امروہیؒ کے مقالات
(۷) سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کی سوانح حیات
(۸) حکیم الامت کی محفل ارشاد
(۹) زیارت حرمین (حضرت مولانا فریدیؒ کا سفرنامہ حج)
(۱۰) مقالاتِ فریدی جلد دوم
(۱۱) مقالاتِ فریدی جلد سوم
(۱۲) جواہر پارے (تلخیص و انتخاب مکاتیب رشیدیہ)
(۱۳) حیاتِ فریدی
(۱۴) سفرنامۂ حجاز: مولانا نواب رفیع الدین فاروقی مراد آبادیؒ اور نواب مصطفیٰ علی خاں شیفتہ کا سفرنامۂ حج (زیر طبع)